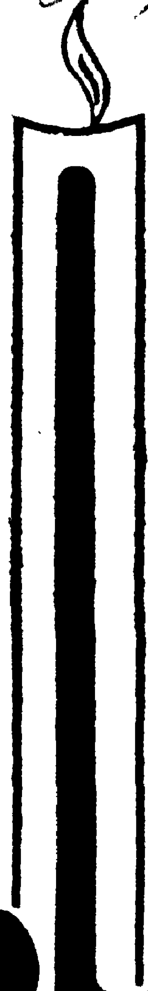
جلد ۳ جولائی ۱۹۷۵ء



ماہنامہ الہ آباد

نمائندہ

سید شمیم گوہر

ایڈیٹر

زیر سرپرستی :- حکیم الحاج سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ ۔ سجادہ نشین خانقاہ حلیمیہ ابو العلائیہ ، الہ آباد

ماہنامہ الہ آباد

نمائندہ

جلد ۱ | جولائی ۱۹۷۵ء | شمارہ ۱

شرح خریداری

سالانہ ———— ۱۶ روپے
فی شمارہ ———— ایک روپے پچاس پیسے

ترسیل زر کا پتہ :
ماہنامہ "نمائندہ" ۱۲۷ ۔ چک
الہ آباد ۔ ۳

خط و کتابت کا پتہ :
ماہنامہ "نمائندہ" خانقاہ حلیمیہ ابو العلائیہ
۱۲۷ چک ، نیا حجرہ الہ آباد ۔ ۳

سید شمیم گوہر ایڈیٹر ، پرنٹر ، پبلشر نے اسرار کریمی پریس الہ آباد میں چھپوا کر دفتر نمائندہ ۱۲۷ چک الہ آباد سے شائع کیا ۔ صرف ٹائٹل ... پرنٹرس ۱۲۷ چک ، میں چھپا

سوغاتِ نَو

نوائے آغاز

ایک زمانہ تھا کہ عاشقانِ رسول کے جذبۂ ایمانی اور عزت و ناموس کے آگے باطل پرستوں کے سارے کروفر زمین بوس ہوا کرتے تھے۔ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ میسر نہیں تھا جس کی کامیابی پر کبھی سر اٹھانے کا بھی موقع دیا گیا ہو مگر اب جبکہ پہلی والی حقیقی عظمت و رفعت کے تمام تار خاموش ہوتے جا رہے ہیں۔ دنیا کا ہر رخ رو قافلہ سارے شعبوں پر حاوی ہوتا جا رہا ہے۔

اتنے بڑے ہندوستان کے قلب میں بسنے والے لاتعداد مسلمانوں کی مذہبی و ذہنی محافظت اور ملی اتحاد و اتفاق کے تحفظ کے لئے جماعت اہل سنّت کی جانب سے آج کتنے اخبار و رسائل نکل رہے ہیں یہ جمود نواز پہلو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ دنیائے غیر حق ہے کہ کثیر اشاعتِ رسائل کی روشنی میں اپنی مذہبی و سیاسی تحریک کا سلسلہ دراز سے دراز تر کرتی جا رہی ہے۔ ذاتی اختراع نوازی، اور مخصوص فتنہ طرازی کی آڑ لے کر بھولے بھالے مسلمانوں کے اذہان کو تسخیر کرتی جا رہی ہے مگر اسلامی رفتار کا عالم یہ ہے کہ دردمندانِ ملت حالات شکستہ کا بخوبی تجزیہ کرتے ہیں اور ساری حرارت ایمانی کو سبقتِ لسانی کی نذر کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ پیغام و دعوت اور ترویج تعلیمات کے لئے جتنی بڑی ذمہ داری زبان و بیان پر عائد ہوتی ہے۔ اتنی ہی بڑی ذمہ داری اخبار و رسائل پر بھی عائد ہوتی ہے۔ تخریب سراب پرست کے دائرے میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی صدائے مضطرب آج ہر طرف سے سنائی دے رہی ہے کہ جماعت اہل سنن کا اشاعتی پہلو آج اس قدر جمود زدہ اور غیر مربوط سا ہو کر رہ گیا کہ اس پُرآشوب دور میں جبکہ ایمان افروز سُنّی لٹریچر کا جام پینے والے کروڑوں کی تعداد میں بے چین ہیں۔ چار چھ سُنّی رسالوں سے آگے سلسلۂ اشاعت ترقی ہی نہیں کر پا رہا ہے۔

ہم نے یہ اشاعتی قدم بڑے احتیاط اور بڑے حوصلوں کے ساتھ اٹھایا ہے اب اس کی بقا و قضا سے متعلق ناظرین اپنا جو بھی نظریہ متعین فرمائیں۔ مگر ہمیں یہ صاف طور سے عرض کر دینے میں کوئی تکلّف نہیں کہ حالات فردا کے استحکام کے لئے نہ کوئی دعویٰ ہے نہ کوئی غرور۔ بس تقاضائے ملتِ اسلامیہ اور جذبات حقیقی کے احساس دلانے کا نتیجہ ہے جو اتنے انہماک اور استقلال کے ساتھ دور طلب دینی ذمہ داریوں کے اشاعتی شاہراہ پر چل پڑے ہیں ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ ہم اپنے حوصلۂ بیکراں کی روشنی میں ادارتی تحفظ اور عملی پائنداری کے بڑھتے سمندر کو اُس وقت تک کھنگالنے میں فتح نہ حاصل کر سکیں گے جب تک کہ آپ ہر ہر منزل ہر ہر گام پر ہمارے شانہ بہ شانہ چل کر اپنی اجتماعی معاونت کی ضمانت نہ دیں گے۔ اس کارِ خیر کی ارتقا کے لئے ہماری جاں فروشی اور عرق ریزی سے بڑھ کر آپ کی بے لوث توجہ درکار ہے۔

لیجئے ماہنامہ "نمائندہ" کا پہلا شمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ "نمائندہ" سے متعلق آپ کی قیمتی آراء کا ہمیں انتظار رہے گا۔

صدق دل سے دعا کیجئے کہ پروردگار ہمارے حوصلوں کو مزید تقویت مرحمت فرمائے — آمین

ع نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

(باقی صفحہ ۲۵ پر ملاحظہ فرمایئے)

مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب

بشریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

جو شخص بشریت کی آیات پر نظر ڈالے گا وہ بلا ادنیٰ تامّل سمجھ لے گا کہ ان آیتوں میں جس قسم کی مماثلت اور بشریت کا ذکر ہے، اس کا تعلق ظاہری جسمانیت اور اعضا و جوارح و قویٰ اور ہیئت بدنی سے ہے۔ ورنہ اخلاقی، روحانی، دماغی و قلبی، علمی اور عملی حیثیت سے وہ انسان ہوتے ہوئے بھی غیر نبی انسانوں سے بلند تر اور علانیہ ممتاز ہوتا ہے۔ نبی اور غیر نبی میں صرف وحی کے امر فارق ہونے کے یہ معنی نہیں کہ نبی اِلقاءِ ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ تمام اوصاف و کمالات اور جملہ صلاحیتوں میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے۔ یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے اگر کوئی کہے کہ عالم و جاہل میں صرف علم کا فرق ہے ورنہ فکری اور ذہنی صلاحیتوں میں یہ دونوں یکساں ہیں۔ حالانکہ علم کی صفت سے کسی کا متصف ہونا خود اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ جاہل کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے، اخلاق و دانش میں، تہذیب و شائستگی میں، سلیقہ و دانائی میں، حکمت و اصابت میں اور امانت و دیانت میں ممتاز ہو۔

وحی و رسالت کو چھوڑ دو، دوسرے انسانی کمالات کو لے لو، تو بھی یہی ماننا پڑے گا۔ انسان کے جتنے اوصاف و کمالات ممکن ہیں ان سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچنا ممکن ہے اور جو وہاں تک پہنچ جائے وہ اپنے جسمانی اوصاف و خصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود اپنے دوسرے قویٰ میں عام انسانوں سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جسمانی قوت کا [illegible] "کیا افلاطون نہ تھا اور علم و عقل میں معروف یونانی فلسفی" ارسطو کیا اپنی حیثیت میں فوق البشر تھا اور موجودہ دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادوں کے حاملین کیا بشریت سے پاک ہیں؟

ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے ان سوالات کا جواب ہر سلیم الطبع انسان تقریباً انھیں الفاظ میں دے گا کہ، یہ سب مشاہیر اپنے جسم و جان کے اعتبار سے بشریت کے اشتراک کے باوجود اپنے اپنے دائرہ اور شعبہ میں عام انسانوں سے بلند تر اور ممتاز تر رہے ہیں۔ نیز اللہ کی سنتِ جاریہ اُن پر جاری رہی ہے اور اپنی احتیاجات و خواہشات کی تکمیل کے لیے عام انسانوں ہی کی طرح مجبور تھے، گرسنگی و تشنگی اور برودت و حرارت وغیرہ ان کے احساسات پر اسی طرح اثر انداز ہوتی تھیں جس طرح ایک کم زور جاہل اور بلید الذہن انسان پر۔

متذکرہ تمثیلات کو نگاہ میں رکھ کر ہم ایک نبی انسان اور غیر نبی انسان کو سمجھنے میں کسی نہ کسی حد تک مدد لے سکتے ہیں۔ وہ غیر نبی انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود وحی اور اس کے خصائص و لوازم میں عام انسانوں سے صریحاً الگ، بلند اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص میں بھی ان سے بھی ہیں۔

پس نبی اور غیر نبی میں وحی کا فرق مان کر، وحی والے اور بے وحی والے انسانوں میں خود وحی، وحی کے سیکڑوں لوازم خصائص اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی کا کام صرف رسالت تک محدود ہو اور نبی کے حکم کی اطاعت امام ہونے کے باعث ہو، اور نعوذ باللہ نبی کی حیثیت پوسٹ مین جیسی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے دو رخ ہوتے ہیں، ایک طرف تو وہ بشریت کے عالم میں ہوتے ہیں اور انسانوں ہی کی طرح کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، شادی بیاہ کرتے اور بیمار ہوتے اور

ہیں۔ دوسری طرف وہ اپنی روحانیت اصبے تجارتی پاکدامنی اور اختصاص نبوت میں انسانوں سے بلند تر ہیں۔ انبیاء علیہم السلام انسانی اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود وحی اور اس کے خصائص اور لوازم میں اُن سے یکسر الگ بلند اور اعلیٰ، بلکہ بعض جسمانی خصائص میں بھی اُن سے ممتاز ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صوم وصال رکھتے دیکھ کر، جب صحابہ کرام آپ کی پیروی میں کئی کئی دن تک کا متصل روزہ رکھتے ہیں تو آپ ان کو منع کرتے ہیں اور اپنی نسبت فرماتے ہیں۔ ایکم مثلی ابیت یطعمنی ویسقینی (بخاری) تم میں کون میرے مثل ہے، میں رات گزارتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔" کیا عام انسانوں کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے۔

اسی طرح نیند کی حالت میں بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا، صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا "میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا" وکذلک الانبیاء تنام اعینہم ولا تنام قلوبہم (بخاری) اور اسی طرح انبیاء کرام کی آنکھیں سوتی ہیں، مگر ان کے دل نہیں سوتے۔ کیا یہی کیفیت عام انسانوں کی نیند کی ہے؟ قرآن پاک میں ہے افتمارونہ علی ما یری کیا پیغمبر جو دیکھتا ہے تم اس میں اس سے جھگڑتے ہو؟ ولقد رآہ بالافق المبین اور اس نے فرشتہ کو آسمان کے کناروں میں دیکھا۔ کیا عام انسان بھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے امہات المومنین کو جو شرف حاصل ہوا اس کا اقتضا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین کو خطاب کرکے فرمایا لستن کاحد من النساء اے پیغمبر کی ازواج تم ایسی نہیں ہو جیسی ہر عورت، تم پیغمبر کی بیویاں عام عورتوں کی مثل نہیں۔

تو پیغمبر تو بدرجہا اس کا سزاوار ہے کہ وہ کاحد من الرجال نہ ہو اور اپنے خصائص میں عام انسانوں سے بدرجہا بلند تر اور ممتاز ہو۔ ایک فرقہ کا جو خیال ہے اور اس کی بڑے زور سے اشاعت ہو رہی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ حکم صرف وہی ہے جو وحی قرآنی کی صورت میں آیا۔ اس کے علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہیں، وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی امور ہیں، جن کی پیروی کرنا نہ اسلامی شریعت ہے نہ اسلام کا جز ہے۔ صرف قرآن وحی کا نام اسلام رکھا ہے اور تیرہ سو صدی کے مروجہ کا نام "رواجی اسلام" رکھا ہے۔

یہ خیال سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ قرآن میں انبیاء کرام کے لئے بشریت کا اثبات اوصاف خداوندی کے مقابلے اور رسالت وبشریت میں منافات رفع کرنے کے لئے ہے۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ صرف وحی الٰہی پہنچانے کے علاوہ رسول . . . . . . کو اور کوئی امتیاز نہیں اس خیال کے باعث بیسیوں آیتوں کی تحریف وانکار کرنا پڑے گا۔ اور آج تک تیرہ سو صدی میں جس قدر مسلمان گزرے، سب کی تجہیل اور تفسیق کرنی پڑے گی، اور سب کی تجہیل پر تیار ہونا، اپنی جہالت پر دلیل لانا اور اپنی عقل وفہم کے نوحہ وماتم کے مترادف ہے۔

الغرض نبی اور غیر نبی میں صرف وحی ونبوت کا جو فرق ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ ان دونوں میں نبوت ورسالت کے تمام لوازم وخصوصیات اور ضروری اوصاف میں فرق وامتیاز ہے۔ کسی انسان کو صاحب وحی ماننے کے ساتھ ہی اس کو تمام اوصاف ولوازم اور خصوصیات کا حامل بھی ضرور ماننا پڑے گا۔ الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔

انبیاء کرام اور ان کے مماثل ومشابہ اشخاص

انبیاء کرام اور اُن کے مشابہ اشخاص میں چار حیثیتوں سے فرق نمایاں ہوتا ہے۔ مبدء اور منبع کا فرق، غرض وغایت کا فرق، دعوت کا فرق، علم وعمل کا فرق۔ نبی کے علم کا مبدء ومنبع، ماخذ اور سرچشمہ جو کچھ ہو وہ تعلیم ربانی، شرح صدر اور وحی والہام ہوتا ہے اور حکیم کے علم کا ماخذ ومنبع تعلیم انسانی، گزشتہ تجربہ، استقراء وقیاس ہوتا ہے یعنی حکیم عقل سے جانتا ہے۔ اور نبی خالق عقل سے۔ اسی طرح ایک حکیم کے تمام اقوال وافعال اور جدوجہد کا منشاء اپنی شہرت طلبی علم کا اظہار

اور قوم یا ملک کی محبت کی خاطر اس کی اصلاح ہوتا ہے مگر ایک نبی کا مقصد خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضا کے لئے مخلوق کی بھلائی ہوتا ہے۔ دعوت کا فرق یہ ہوتا ہے کہ حکیم اپنی دعوت کی عمارت کو تمام تر حکمتوں، مصلحتوں اور علت و اسباب کے ستونوں پر کھڑا کرتا ہے۔ مگر نبی اپنی دعوت کو زیادہ تر خالق کی اطاعت، محبت اور رضا جوئی پر قائم کرتا ہے۔ حکیم کہتا ہے لیکن کرنا اس کے لئے ضروری نہیں۔ نبی جو کہتا ہے وہ کرتا ہے اور اس کو کرکے دکھانا اس کے لئے ضروری ہے۔ وہ صرف جلوت کے منبر پر آراستہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ جلوت و خلوت اور ظاہر و باطن میں یکساں حسنات سے آراستہ اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔

دنیا میں سقراط، بقراط، افلاطون وغیرہ ایک طرف، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام و محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسری طرف ہیں اور دونوں کی سوانح اور سیرتیں اور کارنامے بالکل نمایاں اور ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں کہ ان میں ذرا بھی التباس نہیں۔

بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج و لشکر کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتے ہیں، تاکہ فتنہ و فساد رک جائے۔ فلاسفر اپنے دعووں کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطاب سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی بات لوگ تسلیم کریں۔ لیکن پیغمبر اپنے پیرووں کے قلب کو اس طرح بدل دینا چاہتے ہیں کہ وہ از خود برائی کو چھوڑ کر نیکی اختیار کریں۔ وہ اگر کبھی قانون و حدود و سزا کو اختیار کرتے ہیں یا ساتھ ساتھ عقل کو بھی مخاطب کرتے ہیں، تو ان کا یہ ضمنی یا ثانوی کام ہوتا ہے اولین نہیں بلکہ اُن کی اولین غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے پیرووں کو خدا کا اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اتنا علم اور پختہ یقین ہو جائے کہ وہ اس کے حکموں اور نصیحتوں کو جو ان کے ذریعہ سے آتی ہے بے چون و چرا تسلیم کرلیں۔ اس تحریر سے اندازہ ہوگیا کہ ہر شیریں نوا واعظ، ہر خوش الحان خطیب، ہر دقیقہ رس مقنن، ہر کشور کشا فاتح اور ہر نکتہ داں حکیم، اس لائق نہیں کہ نبوت و رسالت کا اہم اور بلند اور مقدس منصب اس سے منسوب کیا جائے۔ اس منصب کے ساتھ کچھ ایسی شروط، لوازم اور خصوصیات وابستہ ہیں جو اس کے ضروری اجزا اور عناصر ہیں۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ اشخاص بھی نبی جیسا کام نہیں کرسکتے، عوام تو درکنار، تو فہم قرآن اور توضیح جزئیات اور قوانین کی حدود و کیفیات کے بیان میں نبی کی پیروی لازم اور ضروری ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو قرآن نے جس قدر مقامات پر بیان کیا ہے، وہ اوصاف خداوندی کے مقابلے میں ہے۔ قرآن پاک میں تین جگہ وہ آیتیں ہیں جن میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اعلان ہے مگر ہر جگہ توحید کامل کے بیان اور خدا کے مقابلے میں رسولوں کی عبدیت کی تشریح اور اس عقیدۂ باطل کی تردید میں ہے کہ رسولوں کے ہاتھوں میں یہ قوت ہونی چاہئے کہ وہ خدا سے کسی بھی بات کو منوالیں، اور سعی و سفارش کرکے قصور معاف کرادیں۔

پس اعلان بشریت درحقیقت اس غلط عقیدہ کے مٹانے کے لئے تھا جو انبیائے کرام علیہم السلام کی "شان الوہیت" کے متعلق عیسائیوں کے اثر سے لوگوں میں پھیل گیا تھا، اور یہ صد افسوس کا مقام ہے کہ، اس قسم کا غلط خیال آج کل اس نبی کی امت کے ایک گروہ میں بھی پایا جاتا ہے، جو دنیا میں توحید کامل کا مبلغ بن کر آیا تھا۔ دوسری طرف اس اعلان سے ایک تفریط پسند گروہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ پیغمبر ...... اور عام انسانوں میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں اور پیغمبروں کو عام انسانوں پر کوئی بلندی اور برتری حاصل ہے۔ الّا یہ کہ پیغمبروں پر وحی آتی رہتی ہے اور عام انسان اس سے محروم ہیں۔ گویا اس کا منشا یہ ہے کہ پیغمبر صرف اس لمحہ اور آن میں منصب نبوت کا امتیاز پاتا ہے۔ جب اس پر کسی قسم کی وحی نازل ہوتی ہے اور اس سے پہلے اور اس کے بعد وہ عام انسان ہوتا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک اور مختصر فرقہ نے دعویٰ کیا کہ پیغمبرانہ حکم صرف وہی ہے جو وحی قرآن کی صورت میں آیا۔ اس کے علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہیں وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی احکام ہیں۔ جن کی پیروی کرنا اسلامی شریعت ہے نہ اسلام کا جزو ہے، یہ خیالات دین دوسرے مفرطانہ فرقہ کے مقابلہ میں تفریطانہ ہیں اور دونوں اعتدال کی حد سے باہر ہیں، اور حقیقت ان کے

درمیان میں ہے۔

صحیفۂ ربانی اور کتاب اللہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جس کتاب کو لے کر آئے وہ آخری اور ابدی ہے۔ اور ایسی آخری اور ابدی کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ زیادہ تر شریعت کے کلی اور ابدی اصول و مبادی پر زور دے۔

چنانچہ اس آخری وحی الٰہی نے اپنی کتاب الٰہی کو صرف اصول و کلیات تک محدود رکھا اور جزئیات کے لئے اپنی آیتوں میں ایسے اشارے دئیے ہیں جن کے سہارے وہ دل جو علم و معرفت سے پر نور اور علم و حکمت سے معمور اور شرح صدر و تائید الہام ربانی سے فیضیاب ہوں۔ وہ اعلیٰ قدر مراتب جزئیات کو صحیح طور پر جان لیں۔ چنانچہ یہ رتبہ سب سے پہلے خود نبی کریم کو ملا۔ اور چونکہ آپ خطا سے معصوم ہیں اس لئے آپ کے اس منصب کے نتائج بھی خطا سے محفوظ ہیں۔ پھر رسول .... کے وسیلے سے یہ رتبہ خلفاء راشدین، اکابر صحابہ، ائمہ تابعین اور تبع تابعین، مجتہدین عظام اور علماء اعلام کو ہمیشہ کے لئے ملتا رہا۔ اس کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے۔ جس کو ہر زمانہ میں فیضیاب علوم نبوت اور عاملین اسرار شریعت خداداد علمی بصیرت کے مطابق اس کی روشنی میں بحسن و خوبی انجام دیتے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے۔ یہی سبب ہے کہ خدا نے قرآن کی توضیح و تفسیر کی ذمہ داری بھی خود اپنے اوپر لی ہے۔ ثم ان علینا بیانہ یعنی پھر ہمارے ذمہ ہے اس کی شرح کرنا۔

اس بیان اور شرح کی ذمہ داری کبھی بذریعہ وحی ادا ہوئی ہے۔ جو قرآن میں مذکور ہے۔ اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر و عمل سے پوری ہوئی جو عملی تواتر سے منقول اور احادیث کے مستند و معتبر دفتر میں موجود ہے۔

یہ امر کہ اس بیان و شرح کی خدمت اور تفسیر و توضیح کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے عطا ہوا تھا، ذیل کی آیت سے ثابت ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ (اور ہم نے آپ کی طرف یہ نصیحت (کی کتاب) نازل کی تاکہ لوگوں کی طرف جو نازل کیا گیا ہے، آپ اس کو کھول کر بتا دیں شاید وہ سوچیں)

"بیان" اور "تبیین" کے لفظی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں۔ اور استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے۔ ایک اعلان اور اظہار کے معنی میں، یعنی اخفاء کے مقابل۔ دوسرے توضیح و تفسیر کے معنی میں۔ قرآن میں یہ لفظ دونوں معنوں میں آیا ہے لیکن غور و فکر کے مقابلے کے باعث یہاں توضیح و تشریح کے معنی ہونا یقینی ہیں۔ جب قرآن عربی زبان میں ہے اور اہل عرب عربی سمجھتے تھے۔ پھر تفسیر و توضیح کی کیا حاجت ہے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے محض لفظی معنی سمجھنے سے اس کا صحیح علم حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لئے تشریح و وضاحت کا حکم ہوا۔ اور جو توضیح کہ نبی کے بیان سے ہوا، اس کا نام "حدیث و سنت" ہے۔

حدیث و سنّت

حدیث سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال، اور دوسروں کے وہ اعمال جن کو آپ نے برقرار رکھا۔ حدیث صرف قول رسول کا نام نہیں، بلکہ قول رسول کو بھی کہتے ہیں اور فعل رسول کو بھی اور تقریر رسول کو بھی۔ تقریر کے معنی کسی کے فعل کو برقرار رکھنا۔ یعنی کسی کو کرتے دیکھ کر اس کو منع نہ کرنا۔ بلکہ احادیث کی رو سے قول صحابی اور فعل صحابی اور تقریر صحابی بھی حدیث کے ساتھ ملتے ہیں۔ گو درجات اور وقت اختلاف ترجیح میں علماء باہم مختلف ہوں اور مختلف قواعد و ضوابط پر عمل پیرا ہوں۔

نبی کریم کو حق تعالیٰ نے صرف احکام خداوندی کے پہنچانے کے لئے مبعوث نہیں فرمایا۔ بلکہ تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ کی خدمت بھی سپرد کی۔ دوسرے لفظوں میں عملی صورت سکھانے کے لئے مبعوث فرمایا بلا بعثت نبی دین کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی اور ہر عملی صورت کو صحیح جامہ

بتانے کے لئے تین ہی چیزوں کی حاجت ہے۔ قولی، فعلی اور تقریری۔
مثلاً فنِ خوشنویسی میں کتابیں موجود ہیں۔ لیکن کتابوں سے یہ فن اور نہ کوئی دوسرا عملی فن حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کی حاجت ہے کہ استاد زبان سے بھی بتائے اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر اور شاگرد کے ہاتھ سے بنوا کر حرفوں کی صورت ذہن نشین کرائے۔ حتیٰ کہ جب شاگرد کا ہاتھ صاف ہو جائے تو اس کے لکھے ہوئے حرفوں پر سکوت کرے۔ پس زبانی بتانا حدیثِ قولی کی نظیر، اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر دینا حدیثِ فعلی کی، اور شاگرد کے لکھے ہوئے پر سکوت تقریری حدیث ہے۔ جس طرح خوشنویسی کی تعلیم ان تین طریقوں کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ دین کی تعلیم بھی ان تین طریقوں کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

حق تعالیٰ سبحانہٗ نے خود قرآن کی بابت ارشاد فرمایا ہے تفصیلاً لکل شیء وتبیاناً لکل شیء۔ کہ اس کتاب میں ہر شے کی تفصیل اور بیان موجود ہے۔ تو ایسی حالت میں قرآن کو حدیث کی حاجت و ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور قرآن پاک کو تعلیم نبی اور تعلیم حکمت کے محتاج ماننا اس کے منافی ہے۔

یہ بالکل واقعی اور نفس الامری بات ہے کہ قرآن پاک مکمل کتاب ہے لیکن یہ بھی بدیہی بات ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے بہت سے آلات اور علوم کی حاجت ہے۔ عربی زبان، لغت، صرف و نحو، معانی و بیان وغیرہ کے ہم محتاج ہیں کہ بغیر ان علوم میں دستگاہ پیدا کئے، فہم و تفہیم قرآن ناممکن ہے۔ جس طرح ہر علم میں بلا مبادی و مقدمات کے اس علم کی تحصیل ناممکن ہے جو حال اشیاء محسوسات کا ہے کہ آلات کے بغیر ان اشیاء کا حصول ممکن نہیں، اسی طرح اور بالکل اسی طرح علوم کی حالت ہے کہ مبادی و مقدمات کے بغیر ان کا حصول ہی ممکن نہیں۔ جس طرح اقلیدس کی شکلوں کا اصول موضوعہ کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں، یہی حال جملہ مبادی کا ہے۔ جب ہم معانی سمجھنے کے لئے مبادی کے محتاج ہیں، اسی طرح منشاء خداوندی معلوم کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریر میں منحصر ہے، اور اسی کا نام حدیث ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی

خداوندی منشاء کو سمجھنے والا نہیں ہو سکتا۔ اور ہمارے علم اور ہماری فہم و فراست میں تفاوت ہے۔ اس لئے ایک حکم کی ضرورت ہے اور وہ رد الی الرسول ہے۔ اور پھر تفصیل کل شیء اور تبیاناً لکل شیء اور قرآن پاک کا کامل و مکمل و جامع ہونا کب اس امر کو مقتضی ہے کہ اس میں تمام جزئیات کا احاطہ کیا گیا ہو۔ تمام جزئیات کی تفاصیل موجود ہوں توریت کی نسبت قرآن میں ارشاد ہے۔ وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیء موعظۃ وتفصیلاً لکل شیء۔ ہم نے الواحِ توریت میں ہر قسم کی نصیحت اور تمام اشیاء کی تفصیل لکھ دی تھی۔

تو کیا کسی کی عقل اور انسانی تصور اس کو باور کر سکتا ہے کہ اس الواح میں دنیا بھر کی چیزیں لکھی جا سکتی ہیں، ہرگز نہیں کلا واللہ لایمکن ذلک۔

کسی کتاب کے جامع ہونے کا مفہوم ہی یہ ہوتا ہے کہ اس میں مختلف جزئیات کے احکام بہ شکل کلیات اور قواعد موجود ہوں۔ القرآن علی اختصارہ جامع ولا یکون جامعاً الا والمجموع فیہ امور کلیات۔

(قرآن کریم مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔ اور یہ جامعیت اس وقت ہو سکتی ہے، جب کہ اس میں کلیات مذکور ہوں)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

وبلغنی ان جوامع الکلم ان اللہ یجمع الامور الکثیرۃ التی کانت تکتب فی الکتب قبلہ فی الامر الواحد او الامرین او نحو ذالک۔ (بخاری، باب المفاتیح)

(کہ جوامع الکلم کی مجھے یہ تفسیر معلوم ہوئی کہ، جو باتیں اللہ نے پہلی کتابوں میں بہت سے پھیلاوے کے ساتھ بیان فرمائی تھی، وہ ایک — دو جملوں ہی میں جمع کر دی)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی جامعیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ اس کے بعد اب تفصیل و شرح کی حاجت نہیں۔ یا وہ اتنا واضح ہے کہ اس کے لئے کسی معلم و مفسر کی حاجت باقی نہیں رہی بلکہ یہ مفہوم ہے کہ وہ خداشناسی اور آداب عبدیت اور حقوقِ ربوبیت و رسالت کے جملہ اصول پر حاوی ہے۔
پس قرآن کی شانِ جامعیت تشریحات حدیث سے ہرگز بے نیاز

نہیں کرتی۔ بلکہ احادیث کے بغیر قوانین قرآنی کی اشکال وکیفیات، شرائط و جزیات کا علم ہی نہیں ہو سکتا۔ ایک عجیب حیرت اور مضحکہ خیز امر ہے کہ جب حدیث کا انکار مقصود ہوتا ہے تو قرآن اس قدر مفصل بن جاتا ہے کہ قرآن فہمی کے لئے مبادی اور شرائط کی بھی ضرورت نہیں رہتی، خود تبیان اور کامل و مکمل ہو جاتا ہے اور ہر چیز کی تفصیل اس میں مندرج نظر آنے لگتی ہے۔ وہ کسی بیان کا محتاج نہیں رہتا، حتیٰ کہ نبی کے بیان سے بھی مستغنی ہو جاتا ہے۔

اور جب مسئلہ دستور اور قانون کا پیش آتا ہے تو سارا قرآن دستور سے خالی نظر آنے لگتا ہے۔ تیس پاروں میں ایک آیت بھی نظر نہیں آتی۔ یہ بات ہمارے نظریہ اور عقیدہ کے عین مطابق ہے۔ اس لئے کہ قرآنی علوم وہدایت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے چشمہ اور ائمہ مجتہدین کے فہم بغیر سمجھنا اور اسکی روح تک پہنچنا ممکن نہیں۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الرسالہ میں احادیث سنن کی کل تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک وہ جو بعینہٖ قرآن پاک میں مذکور ہیں دوسری وہ جو قرآن کے مجمل حکم کی تشریح کرتی ہیں۔ تیسری وہ جن کا ذکر (بظاہر) قرآن پاک میں نہ تفصیلاً ہے نہ اجمالاً۔ اور یہی تیسری قسم محلِ بحث ہے۔ امام صاحب نے ائمہ سلف کے چار نظریے نقل کئے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے رسول . . . . کی کلی اطاعت فرض کی ہے اور اس کے علم میں پہلے ہی سے یہ ہے کہ رسول . . . . جو کچھ کہے گا اور کرے گا اس میں رضائے الٰہی کی توفیق اس کے ساتھ شاملِ ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ پہلے ہی سے رسول . . . . کو یہ توفیقِ ربانی عنایت کی گئی ہے کہ وہ رضائے الٰہی کو تلاش کرے۔

(۲) رسول . . . . نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا ہے، جس کا اصل کتاب اللہ میں نہ ہو۔ مقصود یہ ہوا کہ اس قسم کے احکام بھی دراصل کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں، گو بظاہر کم بینوں کو ایسا نظر نہ آئے۔

(۳) تمام احادیثِ نبوی "القاء فی الروع" ہیں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خدا تعالیٰ نے ڈالی دی ہیں۔ اور یہ اس حکمت کا نتیجہ ہے جو آپ کے دل میں ڈالی گئی۔

(۴) اس قسم کے تمام امور جو احادیث میں ہیں کتاب الٰہی سے جداگانہ مستقل پیغامِ ربانی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئے ہیں۔

چوتھے نظریہ کو چھوڑ کر بقیہ تین نظریے ایک ہیں۔ پہلے نظریہ کا منشاء یہ ہے کہ صریح وحی کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً نبی پر آتی رہتی ہے، اس کو ابتداء ہی سے ایک توفیقِ ازلی بھی عنایت ہوتی ہے۔ جس سے وہ پیش آمدہ امور میں رضائے الٰہی کو دریافت کرکے فیصلہ کرتا ہے تیسرے نظریئے میں اسی توفیقِ علم کو اطعام القاء فی الروع اور دل میں ڈالنے سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے نظریہ کا منشاء یہ ہے کہ رسول . . . . کے جو احکام بظاہر کتاب اللہ میں نہ ہوں ان کی اصل بھی درحقیقت کتاب اللہ میں ہے اور رسول . . . . اسی اصل سے اپنے احکام کو مستنبط کرتا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ استنباط عام انسانی اور بشری فہم سے نہیں ہوتا۔ ورنہ اس کا غلطی سے پاک ہونا مشتبہ رہے گا بلکہ وہ پیغمبرانہ قوتِ فہم کا نتیجہ ہوگا۔ اور جب ایسا ہے تو اس پیغمبرانہ قوتِ فہم کی تعبیر خواہ "اطعام" سے کرو، "القاء" سے کرو۔ یا اس کو حکمتِ نبوی کا نتیجہ کہو یا توفیقِ ربانی بات ایک ہی ہوگی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بعید نہیں، بلکہ سب آراء اور نظریوں سے انسب ہے کہ رسول . . . . کے تمام صحیح زبانی احکام بھی اس کے صحیفۂ زبانی سے ماخوذ مستنبط ہیں اور ان کی جزیات کتابِ الٰہی کی کلیات کے تحت مندرج ہیں اور رسول اللہ کا اخذ و استنباط اور فہم اس کی اس پیغمبرانہ قوتِ علم کا نتیجہ ہیں جن کو حکماء ملکۂ نبوت اور اہلِ شرع حکمت اطعام اور شرح صدر وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو خطا و غلطی سے یکسر پاک ہے۔

نماز اور اس کے چند حقیقی پہلو

یہ تو آپ سب جانتے ہوں گے کہ اسی رجب کے مہینے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ملی۔ معراج اس لئے ہے کہ خدا عز وجل کی اتنی قربت کسی نبی کو میسر نہیں ہوئی یہ انسان کا حد عروج ہے جو رسول اللہ نے پایا۔ اتنی اہم ملاقات میں رسول پاک کو جو ملا ہوگا ظاہر ہے کہ وہ بھی اتنا ہی اعلیٰ ہوگا۔ وہ تھا جو مدارج انسانیت کو بلند و بالا کرنے کی کلید ہے۔ اور یہ نماز ہے جس سے ہر مسلمان کو خدا کی قربت حاصل ہوتی ہے اگر وہ یکسوئی اور خضوع و خشوع کے ساتھ پڑھے۔

نماز کے اور کیا کیا روحانی فائدے ہوتے ہیں یہ تو آپ نے بارہا اور بیشتر پڑھے ہوں گے۔ آج یہ پڑھئے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے نماز کتنا بہتر پروگرام ہے۔ اور اس قوم کو جو اجتماعی زندگی بسر کرتی ہے دُنیا میں کتنی کامگار ہے۔ مسلمان اگر اس دُنیا میں پھر سربلند ہونا چاہتے ہیں۔ تو وہ صرف نماز ہی پابندی سے پڑھ لیں ان میں وہ ساری خوبیاں پیدا ہو جائیں گی جو ان میں ہونی چاہیئے۔

نماز پڑھ کر اور نماز کی پابندی سے جو قوم عروج پاتی ہے اس کے افراد کی تیاری پر پہلے نظر کیجئے اس پروگرام کے پانچ حصے ہیں۔

(۱) آدمی کے ذہن میں اس حقیقت کے ادراک کو تازہ رکھنا کہ وہ دُنیا میں ایک خود مختار وجود نہیں ہے۔ بلکہ رب العالمین کا بندہ ہے اور یہاں اسی حیثیت سے اس کو کام کرنا ہے۔

(۲) بندہ کی حیثیت میں اس کو فرض شناس بنانا اور اس میں ادائے فرض کی عادت پیدا کرنا۔

(۳) فرض شناس اور نافرض شناس میں تمیز کرنا۔ اور نا فرض شناسوں کو چھانٹ کر الگ کر دینا۔

(۴) خیالات کا ایک پورا نظام۔ ایک پوری آئیڈیالوجی آدمی کے ذہن میں اُتار دینا اور اس کو ایسا مستحکم کر دینا کہ ایک پختہ سیرت بن جائے۔

(۵) آدمی میں یہ قوت پیدا کرنا کہ اپنے عقیدے اور اپنے علم و تمیز کے مطابق جس طرز عمل کو صحیح سمجھتا ہے اس پر عمل کر سکے اور اپنے جسم کی تمام طاقتوں سے اس راہ میں کام لے سکے اس کے کیرکٹر میں اس قسم کا ڈھیلا پن نہ رہ جائے کہ صحیح تو سمجھتا ہو۔ ایک طریقہ کو مگر اپنے نفس کی خواہش سے مجبور ہو کر چلے دوسرے طریقہ پر۔

اسلام جو سوسائٹی بناتا ہے اس کے ایک ایک فرد کو وہ اس طرح نماز کے ذریعہ تیار کرتا ہے دس برس کے بعد اس سوسائٹی کے ہر لڑکے اور ہر لڑکی پر نماز فرض کر دی گئی ہے اور یہ فرض کسی حال میں اس سے ساقط نہیں ہوتا۔ یہ کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو یا عورت حیض و نفاس کی حالت میں ہو بیماری میں سفر میں جنگ کے معرکے تک میں یہ فرض اس کو ادا کرنا پڑتا ہے اٹھ نہ سکے تو بیٹھ کر پڑھے۔ بیٹھنا ممکن نہ ہو لیٹ کر پڑھے ہاتھ پاؤں حرکت نہ کر سکتے ہوں تو اشارے سے پڑھے پانی نہ ملتا ہو مٹی سے تیمم کر کے پڑھے۔ قبلہ کی سمت نہ معلوم ہو تو جدھر گمان ہو اس طرف منہ کر کے پڑھے غرض کوئی عذر اس معاملہ میں مسموع نہیں ہے، نماز کا وقت جب آجائے تو ہر حال میں مسلمان مامور ہے کہ اس فرض کو ادا کرے۔

بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے سوا دُنیا میں کوئی دوسرا اجتماعی نظام ایسا نہیں ہے جس نے اپنے اجزائے ترکیبی یعنی افراد کو فرداً فرداً تیار کرنے کا ایسا مکمل انتظام کیا ہو دُنیا کے اجتماعی نظامات میں عموماً جماعت کی ہیئت ترکیبی بنانے اور افراد کو بیرونی بندشوں سے جکڑنے پر تمام زور دیا جاتا ہے۔ مگر جماعت کے ایک ایک جزو کو اندر سے تیار کرنے اور جماعتی اصولوں کے مطابق بنانے کی کوشش کم کی جاتی ہے حالانکہ جماعت کی حیثیت ایک دیوار کی سی ہے جو اینٹوں سے بنتی ہے اینٹ ایک اگر مضبوط نہ ہو تو دیوار بحیثیت مجموعی کمزور ہوگی اسی طرح افراد کی سیرت میں اگر کمزوری ہو۔ اگر ان کے خیالات جماعتی اصولوں کے مطابق نہ ہوں۔ اور اگر عملاً وہ جماعتی راہ کے خلاف چلنے کے میلانات رکھتے ہوں تو محض بیرونی بندشیں جماعت کے نظام کو زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رکھ سکتیں آخر کار

بغاوت رونما ہو گی۔ اور نظام ٹوٹ جائے گا۔

تنظیم جماعت

اب ہمیں نماز کے دوسرے پہلو [illegible]

یہ ظاہر ہے کہ انفرادی سیرت چاہے [illegible]

جب تک کہ جماعت میں وہی سیرت نہ موجود ہو تو اپنے نصب العین کو پا ہی نہیں سکتا جب تک کہ لوگ جن کے درمیان وہ زندگی بسر کرتا ہے اس نصب العین تک پہنچنے میں اس کے ساتھ تعاون نہ کریں [illegible] اصولوں پر ایمان رکھتا ہے ان کے مطابق تنہا عمل کرنا اس کے لیے [illegible] ہے تاوقتیکہ پوری جماعتی زندگی انہی اصولوں پر قائم نہ ہو جائے۔ آدمی دُنیا میں اکیلا پیدا نہیں ہوا ہے نہ اکیلا رہ کر کوئی کام کر سکتا ہے اس کی ساری زندگی اپنے بھائی بندوں، دوستوں اور ہمسایوں معاملہ داروں اور زندگی کے بے شمار ساتھیوں کے ساتھ ہزاروں قسم کے تعلقات میں جکڑی ہوئی ہے۔ دُنیا میں وہ خُدا کی طرف سے مامور اسی لئے کیا گیا ہے کہ اس اجتماعی زندگی۔ اور ان اجتماعی تعلقات میں خُدا کے قانون کو جاری کرے اس قانون پر عمل کرنے اور اس کو نافذ کرنے کا نام ہی عبادت ہے اگر آدمی ایسے لوگوں کے درمیان گھرا ہوا ہو جو اس قانون کو مانتے ہی نہ ہوں یا سب کے سب اس کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہوں یا ان کے باہمی تعلقات اس طرح کے ہوں کہ اس کو جاری کرنے میں وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے تیار نہ ہوں تو اکیلے آدمی کے لئے خود اپنی زندگی میں بھی اس پر عمل کرنا غیر ممکن ہے کجا کہ وہ جماعتی زندگی میں اس کو نافذ کر سکے۔

علاوہ بریں مسلمانوں کے لئے یہ دُنیا سخت جدوجہد، مقابلہ اور کش مکش کا معرکہ کارزار ہے یہاں خُدا سے بغاوت کرنے والوں کے بڑے بڑے جتھے بنے ہوئے ہیں جو انسانی زندگی میں خود اپنے بنائے ہوئے قوانین کو پوری قوت کے ساتھ جاری کر رہے ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسلمان پر یہ ذمہ داری [illegible] کہ یہاں خُدا کے قانون کو [illegible] اور جاری کرے انسان کا بنایا ہوا قانون جہاں چلتا ہے [illegible] کرنے پر [illegible]

[illegible]

کا [illegible] نہیں ہے کہ ایک [illegible] اجتماعی نظام [illegible] مسلمانوں کی زندگی کا ٹھیک ٹھیک ویسا ہی نقشہ ہو جیسا کہ اسلام چاہتا ہے۔ [illegible] مساوات ہو اور ہمدردی ہو [illegible] اندر خدا کی بندگی کرنے کا جذبہ [illegible] صرف موجود ہو بلکہ [illegible] ہے۔ اور اجتماعی حرکت کرنے کی عادت ان کی طبیعت ثانیہ بن جائے۔ ان میں سے ہر ایک یہ جانتا ہو کہ جب وہ بیٹھے تو جماعت میں اس کا رویہ کیا ہونا چاہئے اور جب کوئی دوسرا ان کا لیڈر ہو تو کس طرح اس کی اطاعت کریں۔ کس طرح اس کے حکم پر حرکت کریں کہاں تک اس کی فرمانبرداری ان پر واجب ہے کہاں انھیں اس کو روکنا چاہئے اور کس حد پر پہنچ کر وہ ان کی اطاعت کا مستحق نہیں رہتا۔

نماز باجماعت

نماز انفرادی سیرت کی تعمیر کے ساتھ یہ کام بھی کرتی ہے وہ اجتماعی نظام کا پورا ڈھانچہ بناتی ہے اس کو قائم کرتی ہے اور قائم رکھتی ہے اور اسے روزانہ پانچ مرتبہ حرکت میں لاتی ہے [illegible]

[illegible]

صحیح صورت پر قائم اور متحرک رہے۔ مسجد کا مجموعہ اجتماع مسلمانوں کے نظام جماعت کی بنیاد ہے اس بنیاد کی مضبوطی اس پورے نظام کی مضبوطی پر منحصر ہے ادھر یہ کمزور ہوئی اور اُدھر سارا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا ہے۔

اذان

حکم ہے کہ اذان کی آواز سُنتے ہی اُٹھ جاؤ اور اپنے اپنے کام چھوڑ کر مسجد کی طرف رُخ کرو۔ اس طلبی کی پکار کو سُن کر ہر طرف سے مسلمانوں کا ایک مرکز کی طرف دوڑنا وہی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے جو فوج کی ہوتی ہے۔ فوجی سپاہی جہاں جہاں بھی ہوں بگل کی آواز سُنتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا کمانڈر ہمیں پکار رہا ہے اس طلبی پر سب کے دل کی ایک ہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی کمانڈر کے حکم کی پیروی کا خیال، اور اس خیال کے آتے ہی سب ایک کام کرتے ہیں۔ یعنی اپنے اپنے کام چھوڑ کر اُٹھنا۔ اور ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جانا فوج میں یہ طریقہ کس لئے رکھا گیا ہے۔ اسی لئے کہ اوّل تو ہر سپاہی میں فرداً فرداً حکم ماننے اور اس پر مستعدی کے ساتھ عمل کرنے کی خصلت و عادت پیدا ہو اور اس کے ساتھ ہی ایسے تمام فرمانبردار سپاہی مل کر ایک گروہ ایک جتھا۔ ایک ٹیم بن جائیں اور ان میں عادت پیدا ہو جائے کہ کمانڈر کا حکم پاتے ہی ایک وقت میں ایک جگہ سب مجتمع ہو جایا کریں تاکہ جب کوئی مہم پیش آئے تو ساری فوج ایک آواز پر ایک مقصد کے لئے اکٹھی ہو کر کام کر سکے۔ فوجی اصطلاح میں اس کو سُرعت اجتماع کہتے ہیں اور یہ فوجی زندگی کی جان ہے اگر کسی فوج میں اس طرح جمع ہونے کی صلاحیت نہ ہو اور اس کے سپاہی ایسے خود سر ہوں کہ جدھر جس کا منہ اُٹھتا ہو اُدھر چلا جاتا ہو۔ تو خواہ ایسی فوج کا ایک ایک سپاہی اپنی جگہ تیس مار خاں ہی کیوں نہ ہو وہ کسی مہم کو سر نہیں کر سکتی۔ اس قسم کے ایک ہزار بہادر سپاہیوں کو دُشمن کے پچاس سپاہیوں کا ایک منظم دستہ الگ الگ پکڑ کر ختم کر سکتا ہے۔ ٹھیک اسی مصلحت کی بنا پر مسلمانوں کے لئے بھی یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جو مسلمان جہاں اذان کی آواز سُنے سب کام چھوڑ کر اپنے قریب کی مسجد کا رُخ کرے اس اجتماع کی مشق ان کو روزانہ پانچ وقت کرائی جاتی ہے کیونکہ اس خدائی فوج کی ڈیوٹی دُنیا کی ساری فوجوں سے زیادہ سخت ہے جیسا کہ اوپر کہہ چکا ہوں دوسری فوجوں کے لئے تو مدتوں میں کبھی ایک آدھ مہم پیش آتی ہے اور اس کی خاطر ان کو یہ ساری فوجی مشقیں کرائی جاتی ہیں۔ مگر اس خدائی فوج کو تو ہر وقت ایک مہم درپیش ہے اس لئے اس کے ساتھ یہ بھی بہت بڑی رعایت ہے کہ اسے دن رات میں صرف پانچ مرتبہ ہی خدائی بگل کی آواز پر دوڑنے اور خدائی چھاؤنی یعنی مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

مسجد میں اجتماع

یہ تو محض اذان کا فائدہ تھا۔ اب آپ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور صرف اس جمع ہونے ہی میں بے شمار فائدے ہیں یہاں جو آپ جمع ہوئے تو آپ نے ایک دوسرے کو دیکھا پہچانا۔ ایک دوسرے سے واقف ہوئے یہ دیکھنا پہچاننا واقف ہونا کس حیثیت سے ہے؟ اس حیثیت سے کہ آپ سب ایک خُدا کے بندے ہیں ایک رسول کے پیرو ہیں ایک کتاب کے ماننے والے ہیں۔ ایک ہی مقصد سب کی زندگی کا ہے۔ اسی مقصد کے لئے آپ مسجد میں جمع ہوئے ہیں۔ اور اسی مقصد کے لئے مسجد سے باہر جا کر بھی آپ کو عمل کرنا ہے اس قسم کا تعارف آپ میں خود بخود یہ خیال پیدا کر دیتا ہے کہ آپ سب ایک قوم ہیں۔ ایک ہی فوج کے سپاہی ہیں۔ ایک دوسرے کے بھائی اور رفیق ہیں۔ دُنیا میں آپ کی اغراض آپ کے مقاصد آپ کے نقصانات اور آپ کے فوائد سب مشترک ہیں آپ کی زندگیاں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں اُٹھیں گے تو ایک ساتھ اور گریں گے تو ایک ساتھ۔

پھر آپ جو ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو ظاہر ہے کہ آنکھیں کھول کر دیکھیں گے۔ اور یہ دیکھنا بھی دُشمن کو دُشمن کا دیکھنا نہیں بلکہ دوست کا دوست کو اور بھائی کا بھائی کو دیکھنا ہوگا۔ اس نظر سے جب آپ دیکھیں گے کہ میرا کوئی بھائی پھٹے پُرانے کپڑوں میں ہے کوئی پریشان صورت ہے کوئی فاقہ زدہ چہرہ لئے ہوئے آیا ہے کوئی معذور لنگڑا لولا یا اندھا ہے تو خواہ مخواہ آپ کے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا

ہوگا۔ آپ میں سے جو خوشحال ہیں وہ غریبوں اور بےکسوں پر رحم کھائیں گے جو بدحال ہیں۔ انھیں امیروں تک پہنچنے اور اپنا حال کہنے کی ہمت ہوگی۔ کسی کے متعلق معلوم ہوگا۔ کہ بیمار ہے یا کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے اس لئے مسجد میں نہیں آیا۔ تو آپ اس کی عیادت کو جائیں گے۔ کسی کے مرنے کی خبر ملی تو آپ اس کے جنازہ میں شریک ہونگے اور غمزدہ عزیزوں کو تسلی دیں گے۔ یہ سب باتیں آپس کی محبت کو بڑھانے والی آپ کو ایک دوسرے کے قریب کرنے والی اور ایک دوسرے کا مددگار بنانے والی ہیں۔

اور ذرا غور کیجئے یہاں جو آپ جمع ہوئے ہیں تو ایک پاک جگہ پاک مقصد کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ آپ کو کسی فلم اسٹار کا عشق یہاں کھینچ کر نہیں لایا ہے۔ آپ شراب خوری یا جوئے بازی کے لئے جمع نہیں ہوئے ہیں، یہ بدکاروں کا اجتماع نہیں ہے کہ سب کے دل میں ناپاک ارادے بھرے ہوئے ہوں، یہ تو اللہ کے بندوں کا اجتماع ہے۔ اللہ کی عبادت کے لئے ہے اللہ کے گھر میں ہے، سب اپنے خُدا کے سامنے بندگی کا اقرار کرنے حاضر ہوئے ہیں ایسے موقع پر اول تو ایماندار آدمی کے دل میں خود ہی اپنے گناہوں پر شرمندگی کا احساس ہوتا ہے لیکن اگر اس نے کوئی گناہ اپنے دوسرے بھائی کے سامنے کیا تھا۔ وہ بھی یہاں مسجد میں موجود ہے تو محض اس کی نگاہوں کا سامنا ہوجانا ہی اس کے لئے کافی ہے کہ گناہ کا اپنے دل میں نٹ کٹ جائے اور اگر کہیں مسلمانوں میں ایک دوسرے کو نصیحت کرنے کا جذبہ بھی موجود ہو، اور وہ جانتے ہوں کہ ہمدردی و محبت کے ساتھ ایک دوسرے کی اصلاح کس طرح کرنی چاہئے تو یقین جانئے کہ یہ اجتماع انتہائی رحمت و برکت کا موجب ہوگا۔ اس طرح سب مسلمان مل کر ایک دوسرے کی خرابیوں کو دور کریں گے۔ ایک دوسرے کے نقائص کی اصلاح کرینگے اور پوری جماعت صالحین کی جماعت بنتی چلی جائے گی۔

یہ صرف مسجد میں جمع ہونے کی برکتیں ہیں۔ اب

صف بندی دیکھیے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں کتنی برکات پوشیدہ ہیں۔

سب مسلمان مسجد میں مساوی الحیثیت ہیں۔ ایک چمار اگر پہلے آیا ہے۔ تو وہ اگلی صف میں ہوگا۔ ایک رئیس اگر بعد میں آئے تو وہ پچھلی صفوں میں رہے گا۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی مسجد میں سیٹ ریزرو نہیں کرا سکتا۔ کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ دوسرے مسلمان کو مسجد میں کسی جگہ کھڑے ہونے سے روک دے یا جہاں وہ پہلے سے موجود ہو، وہاں سے اس کو ہٹا دے۔ کوئی اس کا مجاز نہیں کہ آدمیوں پر سے پھاند کر یا صفوں کو چیر کر آگے پہنچنے کی کوشش کرے سب مسلمان ایک صف میں ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوں گے وہاں نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا، نہ کوئی اونچ نہ نیچ، نہ کسی کے چھو جانے سے کوئی ناپاک ہوتا ہے۔ نہ کسی کے برابر کھڑا ہونے سے کسی کی عزت کو بٹہ لگتا ہے بازار کا جاروب کش گورنر کے برابر کھڑا ہو جائے گا۔ یہ وہ اجتماعی جمہوریت ہے جسے قائم کرنے میں اسلام کے سوا کوئی کامیاب نہیں ہوسکا یہاں روزانہ پانچ وقت سوسائٹی کے افراد کی اونچ نیچ برابر کی جاتی ہے، بڑوں کے دماغ سے کبریائی کا غرور نکالا جاتا ہے۔ چھوٹوں کے ذہن کی پستی دور کی جاتی ہے اور سب کو یہ یاد دلایا جاتا ہے۔ کہ خُدا کی نگاہ میں تم سب انسان یکساں ہو۔

یہ صف بندی جس طرح طبقاتی امتیازات کو مٹاتی ہے اسی طرح نسل قبیلہ وطن اور رنگ وغیرہ کی عصبیتوں کو بھی مٹاتی ہے۔ مسجد میں کسی امتیازی نشان کے لحاظ سے مختلف انسانی گروہوں کے بلاک الگ نہیں ہوتے۔ تمام مسلمان جو مسجد میں آئیں خواہ وہ کالے ہوں یا گورے ایشیائی ہوں یا فرنگی، سامی ہوں یا آرین۔ اور ان کے قبیلوں اور ان کی زبانوں میں خواہ کتنے ہی اختلافات ہوں، بہرحال سب کے سب ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہیں، روزانہ پانچ وقت اس نوع کا اجتماع ان تعصبات کی بیخ کنی کرتا رہتا ہے جو انسانی جماعت میں خارجی اختلافات کی وجہ سے پیدا ہوگئے ہیں۔ یہ انسانی وحدت قائم کرتا ہے۔ بین الاقوامیت کی جڑیں مضبوط کرتا ہے اور اس خیال کو دماغوں میں پیوست کر دیتا ہے کہ حسب و نسب اور برادریوں کی ساری عصبیتیں جھوٹی ہیں۔ تمام انسان خُدا کے بندے ہیں اور خُدا کی بندگی و عبادت پر وہ سب متفق ہو جائیں۔ تو پھر وہ

سب ایک قوم ہیں۔

پھر جب یہ سب ایک صف میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ایک ساتھ رکوع و سجدہ کرتے ہیں تو ان کے اندر منظم اجتماعی حرکت کرنے کی وہی صلاحیتیں پرورش پاتی ہیں، جنھیں پیدا کرنے کے لئے فوج کو پریڈ کرائی جاتی ہے اس کا مدعا یہ ہے کہ مسلمانوں میں یک جہتی اور وحدت فی العمل پیدا ہو۔ اور وہ خدا کی بندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر تن واحد کی طرح ہو جائیں۔

اجتماعی دُعائیں

صف بندی کے ان تمام فائدوں کو وہ دُعائیں پورا کر دیتی ہیں، جو نماز میں خُدا سے مانگی جاتی ہیں۔ سب یک زبان ہو کر اپنے مالک سے عرض کرتے ہیں کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہم سب کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ۔ "ہم سب پر سلامتی ہو اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی۔" نماز کی دُعاؤں میں کہیں آپ کو واحد کا صیغہ نہ ملے گا جہاں آپ دیکھیں گے جمع ہی کا صیغہ پائیں گے۔ اجتماعی عبادت اور اجتماعی حرکات کے ساتھ مل کر یہ اجتماعی دُعائیں ہر مسلمان کے ذہن میں یہ نقش ثبت کر دیتی اور روزانہ ثبت کرتی رہتی ہیں کہ وہ اکیلا نہیں ہے اسے سب کچھ تنہا اپنے ہی لئے چاہنا اور مانگنا نہیں ہے بلکہ اس کی زندگی جماعت کے ساتھ مربوط ہے جماعت کی بھلائی میں اس کی بھلائی ہے، جماعت ہی کے راہ راست پر چلنے میں اس کی خیر ہے۔ خُدا کی طرف سے فضل اور سلامتی جماعت پر نازل ہوگی۔ تب ہی وہ خود بھی اس سے متمتع ہو سکے گا۔ یہ چیز دماغوں سے انفرادیت نکالتی ہے۔ اجتماعی ذہنیت پیدا کرتی ہے افراد و جماعت میں خیر خواہی کے جذبات اور مخلصانہ محبت کے روابط کو نشوونما دیتی ہے۔ اور روزانہ پانچ مرتبہ اس طریقہ سے مسلمانوں کے احساس اجتماعیت کو اکسایا جاتا ہے۔ تاکہ مسجد کے باہر زندگی کے وسیع میدان میں ان کا برتاؤ درست ہوتا رہے۔

امامت

یہ اجتماعی عبادت ایک امام کے بغیر انجام نہیں پاتی۔ دو آدمی بھی اگر فرض نماز پڑھیں تو حکم ہے کہ ان میں سے ایک امام بنے۔ اور دوسرا مقتدی، جماعت جب کھڑی ہو جائے۔ تو اس سے الگ ہو کر نماز پڑھنا سخت ممنوع ہے۔ بلکہ ایسی نماز ہوتی بھی نہیں۔ حکم ہے کہ جو آتا جائے وہ اسی امام کے پیچھے کھڑا ہوتا جائے امامت کا منصب کسی طبقہ یا نسل یا گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں نہ اس کے لئے کوئی ڈگری یا سند درکار ہے ہر مسلمان امام بن سکتا ہے۔ البتہ شریعت یہ سفارش کرتی ہے کہ امام بنانے میں آدمی کی چند صفات کا لحاظ کیا جائے۔

جماعت میں امام اور مقتدیوں کا تعلق جس طور پر قائم کیا گیا ہے اس میں ایک ایک انتہا درجہ کی معنی خیز ہے اس میں ذرا غور کرو ہر مسلمان کو قیادت، اور اتباع قیادت کی مکمل ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اس میں بتایا جاتا ہے کہ اس چھوٹی مسجد سے باہر اس بڑی مسجد میں جس کا نام زمین ہے مسلمانوں کا جماعتی نظام کیسا ہونا چاہئے۔ دوسری طرف جماعت کو اس کی اطاعت کس طرح کرنی چاہئے اور کن باتوں میں کرنی چاہئے۔ اگر وہ غلطی کرے تو مسلمان کیا کریں، کہاں تک غلطی میں اس کی پیروی کریں۔ کہاں وہ اس کو ٹوک سکنے کے مجاز ہیں۔ اور کہاں ان کو اس سے یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ اپنی غلطی کی اصلاح کرے اور کس موقع پر وہ اس کو امامت سے ہٹا سکتے ہیں۔ یہ سب گویا چھوٹے پیمانہ پر ایک بڑی سلطنت کو چلانے کی مشق ہے جو ہر روز پانچ مرتبہ ہر چھوٹی سے چھوٹی مسجد میں مسلمانوں سے کرائی جاتی ہے۔

ہدایت کی گئی ہے کہ امام ایسے شخص کو منتخب کیا جائے، جو پرہیزگار ہو، نیک سیرت ہو۔ دین کا علم رکھتا ہو اور سن رسیدہ بھی ہو، حدیث میں ترتیب بھی بتا دی گئی ہے کہ ان صفات میں سے کون سی صفت پر مقدم ہے یہیں سے یہ تعلیم بھی دے دی گئی کہ سردار قوم کے انتخاب میں کن چیزوں کا لحاظ کرنا چاہیئے۔

حکم ہے کہ امام ایسے شخص کو نہ بنایا جائے جس سے جماعت کی

اکثریت ناراض ہو یعنی تھوڑے بہت مخالف کس کے نہیں ہوتے لیکن اگر جماعت میں زیادہ تر آدمی کسی شخص کا اقتدار کرنے سے کراہت کرتے ہوں تو اسے امام نہ بنایا جائے۔ یہاں سردار قوم کے انتخاب کا ایک قاعدہ بتا دیا گیا۔ ایک بری شہرت کا آدمی جس کی بدسیرتی اور بدکرداری سے عام لوگ نفرت کرتے ہوں۔ اس قابل نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کا امیر بنایا جائے۔

حکم ہے کہ جو شخص امام بنے وہ نماز پڑھانے میں جماعت کے ضعیف لوگوں کا بھی لحاظ رکھے محض جوان۔ مضبوط تندرست اور فرصت والے آدمیوں کو ہی پیش نظر رکھ کر لمبی لمبی قرأت اور لمبے لمبے رکوع اور سجدے نہ کرنے لگے بلکہ یہ بھی خیال رکھے کہ جماعت میں بوڑھے بھی ہیں۔ بیمار بھی ہیں کمزور بھی ہیں۔ اور ایسے مشغول آدمی بھی ہیں جن کو اپنے کام کی طرف واپس جانا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں یہاں تک رحم اور شفقت کا نمونہ پیش فرمایا ہے کہ نماز پڑھاتے ہیں۔ اگر کسی بچے کے رونے کی آواز آجاتی تو آپ نماز مختصر کر دیتے تھے۔ تاکہ اگر بچے کی ماں جماعت میں شامل ہے تو اسے تکلیف نہ ہو یہ گویا سردار قوم کو تعلیم دی گئی ہے کہ جب وہ سردار بنایا جائے تو جماعت میں اس کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے

حکم ہے کہ اگر نماز پڑھانے کے دوران میں امام کو کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے۔ جس کی وجہ سے وہ نماز پڑھانے کے قابل نہ رہے تو فوراً ہٹ جائے اور اپنی جگہ پیچھے کے آدمی کو کھڑا کر دے۔ یہاں پر سردار قوم کے لئے ایک ہدایت ہے اس کا بھی یہی فرض ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو سرداری کے قابل نہ پائے تو خود ہٹ جائے اور دوسرے اہل آدمی کے لئے جگہ خالی کر دے اس میں نہ شرم کا کچھ کام ہے اور نہ خود غرضی کا۔

حکم ہے کہ امام کے فعل کی سختی کے ساتھ پابندی کرنی چاہیے۔ اس کی حرکت سے پہلے حرکت کرنا سخت ممنوع ہے۔ حتیٰ کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں جائے اس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز وہ گدھے کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ یہاں قوم کو سبق دیا گیا ہے کہ اسے اپنے سردار کی اطاعت کس طرح کرنی چاہیے۔

امام اگر نماز میں غلطی کرے مثلاً جہاں اسے بیٹھنا چاہیے تھا وہاں کھڑا ہو جائے یا جہاں کھڑا ہونا چاہیے تھا۔ وہاں بیٹھ جائے تو حکم ہے کہ سُبحان اللہ کہہ کر اسے غلطی سے متنبہ کرو۔ سُبحان اللہ کے معنی ہیں "اللہ پاک ہے" امام کی غلطی پر سبحان اللہ کہنے کا یہ مطلب ہوا کہ خطا سے پاک تو بس اللہ ہی کی ذات ہے، تم انسان ہو، تم سے بھول چوک ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں یہ طریقہ ہے امام کو ٹوکنے کا۔

اور جب اس طرح امام کو ٹوکا جائے تو اس کو لازم ہے کہ بلا شرم و لحاظ کے اپنی غلطی کی اصلاح کرے اور صرف اصلاح ہی نہ کرے بلکہ نماز ختم کرنے سے پہلے اللہ کے سامنے اپنے قصور کے اعتراف میں دو مرتبہ سجدہ بھی کرے البتہ اگر ٹوکے جانے کے باوجود امام کو اس امر کا پورا وثوق ہو کہ اس مقام پر اسے کھڑا ہی ہونا چاہیے تھا یا بیٹھنا ہی چاہیے تھا تو اپنے وثوق کے مطابق عمل کر سکتا ہے اس صورت میں جماعت کا کام یہ ہے کہ وہ امام کا ساتھ دے اگرچہ وہ اپنی جگہ اس امر کا یقین واثق ہی کیوں نہ رکھتی ہو کہ امام غلطی کر رہا ہے نماز ختم ہو جانے کے بعد مقتدیوں کو حق ہے کہ امام پر اس کی غلطی ثابت کریں اور اس سے مطالبہ کریں کہ دوبارہ نماز پڑھائے۔

امام کے ساتھ جماعت کا یہ طرز عمل تو صرف ان غلطیوں کے بارے میں ہیں جو معمولی جزئیات سے تعلق رکھتی ہوں۔ لیکن اگر امام سنت نبوی کے خلاف نماز کی ہیئت اور ترکیب بدل دے یا قرآن کو تحریف کر کے پڑھے یا نماز پڑھانے کے دوران میں کفر و شرک یا صریح معصیت کا ارتکاب کرے یا کوئی ایسا فعل کرے جس سے معلوم ہو کہ یا تو وہ قانون الٰہی کی پیروی سے منحرف ہو گیا ہے یا اس کی عقل میں فتور آگیا ہے تو جماعت کا فرض ہے کہ نماز توڑ کر اس سے الگ ہو جائے اور اسے ہٹا کر کسی دوسرے شخص کو امامت کی جگہ قائم کرے۔ پہلی صورت میں امام کی پیروی نہ کرنا جتنا بڑا گناہ ہے دوسری صورت میں اس کی پیروی کرنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔

بعینہٖ یہی حیثیت بڑے پیمانہ پر قوم اور اس کے سردار کے تعلق کی بھی ہے جب تک سردار اسلامی کانسٹی ٹیوشن کے اندر رہ کر کام کر رہا ہے

اس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے نافرمانی کریں گے تو گناہگار ہوں گے زیادہ سے زیادہ وہ اسے ٹوک سکتے ہیں لیکن اگر ٹوکنے پر بھی وہ فروعی معاملات میں غلطیاں کرے تو انھیں اس کی اطاعت پر قائم رہنا چاہئے مگر جب وہ اسلامی کانسٹی ٹیوشن کی حدود سے نکل رہا ہو۔ تو وہ پھر مسلمانوں کی جماعت کا امیر نہیں رہ سکتا۔

اب اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ نماز کا رُکن اعظم کیوں قرار دیا گیا ہے۔ رکن ستون کو کہتے ہیں۔ جن کے سہارے پر عمارت قائم ہوتی ہے اسلامی زندگی کی عمارت کو قائم ہونے اور قائم رہنے کے لئے جن سہاروں کی ضرورت ہے ان میں سب سے مقدم سہارا یہ ہے کہ مسلمانوں کے افراد میں فرداً فرداً۔ اور ان کی جماعت میں بحیثیت مجموعی وہ اوصاف پیدا ہوں جو خُدا کی بندگی کا حق ادا کرنے اور دُنیا میں خلافت الٰہی کا بار سنبھالنے کے لئے ضروری ہے وہ غیب پر سچا اور زندہ ایمان رکھنے والے ہوں۔ وہ اللہ کو اپنا واحد فرمانروا تسلیم کریں اور اس کے فرض شناس اور اطاعت کیش بندے ہوں۔ اسلام کا نظام فکر و نظریہ حیات ان کی رگ رگ میں پیوست ہو جائے اور اسی کی بنیاد پر ان میں ایک پختہ سیرت پیدا ہو۔ اور ان کا عملی کردار اسی کے مطابق ڈھل جائے۔ اپنی جسمانی اور نفسانی قوتوں پر وہ اتنے قابو یافتہ ہوں کہ اپنے ایمان و اعتقاد کے مطابق ان سے کام لے سکیں۔ ان کے اندر منافقین کی جماعت اگر پیدا ہوگئی ہو یا باہر سے گھس آئی ہو۔ تو وہ اہل ایمان سے الگ ممتاز ہو جائے۔ ان کی جماعت کا نظام اسلام کے اجتماعی اصولوں پر قائم ہو۔ اور ایک مشین کی طرح باہم متحرک رہے۔ ان میں اجتماعی ذہنیت کارفرما ہو۔ ان کے درمیان محبت ہو، ہمدردی ہو، تعاون ہو مساوات ہو، وحدت روح اور وحدت عمل ہو، وہ قیادت اور اقتدار کے حدود کو جانتے اور سمجھتے ہوں اور پورے نظم و ضبط کے ساتھ کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں، یہ تمام مقاصد چونکہ نماز کی اقامت سے حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کو دین اسلام کا ستون قرار دیا گیا ہے یہ ستون اگر منہدم ہو جائے تو مسلمانوں کی انفرادی سیرت اور اجتماعی ہیئت دونوں مسخ ہو کر رہ جائیں اور وہ اس مقصد عظیم کے لئے کام کرنے کے اہل ہی نہ رہیں جس کی خاطر اسلامی جماعت وجود میں آئی ہے اسی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ نماز عماد الدین ہے یعنی دین کا سہارا ہے جس نے اسے گرایا اس نے دین کو گرا دیا۔

کسب معاش کی مذہبی اہمیت

دُنیا میں ایک مذہب اسلام ہی وہ مذہب ہے اور واحد دین ہے جس نے دین اور دنیا کو دوش بدوش رکھا ہے۔ دنیا کی اہمیت کو ضائع نہیں ہونے دیا ہے اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اسلام میں کسب معیشت و تجارت کی جتنی اور جس کثرت سے ترغیب دی گئی ہے اس کی نظیر آپ کو کہیں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گی مسلمانوں کی یہ بدبختی ہے کہ انھوں نے دین کے اس حصّہ کو تو بالکل ترک ہی کر دیا ہے اور آج دنیا میں چند ہی نفوس ایسے ملیں گے جو کسب معیشت کو بھی دین کا جز سمجھتے ہوں۔ دین کا جز سمجھنا تو ایک طرف مسلمان تو اسے عین دنیا داری سمجھتے ہیں ان کے نزدیک بزرگتر انسان وہ نہیں جو دن بھر محنت کر کے چار پیسے کماتا، اپنے اہل وعیال کا پیٹ بھرتا اور نماز پنجگانہ بھی ادا کر لیتا ہے بلکہ وہ ہے جو شبانہ روز مسجد کے ایک گوشہ یا کسی خانقاہ کے ایک کونے میں بیٹھا "اللہ اللہ" کرتا ہے۔ آقا و مولا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب معیشت کو "افضل العبادت" اور "افضل الجہاد" کے نام سے موسوم کیا ہے اور موسوم کرنا چاہیئے تھا اس لئے کہ جس کی دنیا بگڑ گئی اس کا دین کیونکر سلامت رہ سکتا ہے اور جو عسرت وافلاس کے پنجہ میں گرفتار ہے وہ دین کی کیا خدمات انجام دے سکتا ہے۔

غور کیجئے کہ اقرار توحید و رسالت کے بعد دین کے اہم ارکان و فرائض نماز روزہ، زکوٰۃ و حج ہیں ان میں زکوٰۃ و حج تو وہ فرائض ہیں جو تمام تر روپیہ والوں اور دولتمندوں سے متعلق ہیں ان کے بعد روزہ بھی وہی سکون و اطمینان کے ساتھ رکھ سکتا ہے جس کے پاس افطار و سحر صدقات کا اہتمام ہو۔ رہ گئی نماز جس کے لئے حضور قلب اور سکون یکسوئی کی ضرورت ہے جسے فکر معاش لاحق ہو اس کا حضور قلب معلوم! اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مفلسی و ناداری میں تمام دینی فرائض و اعمال خطرے میں پڑ جاتے ہیں یا بدرجہ اقل ان میں عسرت زدوں کو کوئی لطف حاصل نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کسب معیشت پر بھی بے حد زور دیا کہ مسلمان اپنی دنیا اور اپنی روزی کی طرف سے غافل نہ رہیں اور دنیا والوں کے لئے بار نہ بنیں بلکہ چار پیسے پیدا کر کے خود بھی کھائیں اور دوسروں کی بھی مدد کریں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: طلب الحلال فریضۃ بعد فریضۃ یعنی فریضہ عبادت کی بجا آوری کے بعد سب سے اہم اور بڑا فریضہ طلب روزی حلال ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے افضل الاعمال الکسب من الحلال تیسری جگہ وصیت ہوتی ہے طلب الحلال جہاد لیکن اپنے سینہ پہ ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ مسلمانوں میں کتنے لوگ ہیں جو کسب معیشت و حلال کو "افضل الاعمال" اور ایک اہم فریضہ دینی سمجھتے ہوں دنیا میں ایک نہیں لاکھوں مسلمان ایسے ملیں گے جو جہاد کو بہت بڑے ثواب کا کام سمجھتے ہوں گے لیکن ایسے مسلمان چند ہی نکلیں گے جنھیں یہ تصور بھی کبھی قائم ہوا ہو کہ کسب حلال وہ کار ثواب ہے جو جہاد سے بھی افضل ہے جو بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اور جو ایک اہم فریضہ دینی ہے اور مسلمان بھی کیا کریں انھوں نے تو ہمیشہ اپنی آنکھوں سے عبادت گزاروں، گوشہ نشینوں اور ترک علائق کرنے والوں ہی کی عزت ہوتے دیکھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے دماغ میں کسب معیشت کی افضلیت کا تصور بھی کبھی قائم نہیں ہوا۔

اور کسی کے ذہن میں حضور سرور کائنات کے یہ الفاظ ہیں کہ حلال روزی

طلب کرنا ایسا ہے جیسا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور جو شخص رات کو حلال روزی کی طلب میں تھک کر سو جائے تو خدا اس سے خوش ہوتا ہے پھر فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے بچوں کے لیے کوشش سے رزق طلب کرنے کے لیے گھر سے نکلا تو گویا خدا کی راہ میں نکلا۔ کسب معیشت کے مختلف ذرائع ہیں اور ان سب میں افضل اور منفعت انگیز شعبہ تجارت ہے جس کے متعلق ارشاد نبوی ہے کہ "دیانتدار تاجر قیامت کے روز شہداء کے زمرے میں اٹھے گا۔

چونکہ کسب معیشت میں سب سے اہم شعبہ تجارت ہے اس لیے خدائے قدوس نے اپنے پیغمبر آخرالزماں کے لیے بھی اسی کو تجویز فرمایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں عرصہ سے تجارت ہوتی تھی آپ کے جد اعلیٰ ہاشم اپنے زمانہ میں قریش کے سب سے بڑے اور نامور تاجر تھے عبدالمطلب اور آپ کے چچا ابو طالب بھی تجارت ہی کرتے تھے اور وہ آپ کو جوش محبت میں کئی بار بعہد طفولیت قافلہ کے ساتھ بھی لے گئے تھے اور وہ آپ نے بچپن میں اس پیشہ کی سودمندیوں کا اندازہ بھی کر لیا تھا پھر کاروباری ذہانت آپ کو ورثہ میں ملی تھی خاندان اور گھر ہی میں تجارت ہوتی تھی آپ کے دوسرے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایک دولتمند تاجر تھے اس لیے جب آپ سن رشد کو پہنچے تو آپ نے اپنے لیے بھی اسی پیشہ کو تجویز و منتخب فرمایا۔ مکہ میں یہ دستور بھی تھا کہ لوگ نصف منافع کی شرط پر اپنا مال دوسروں کو دے دیا کرتے تھے اور وہ یمن و شام میں جا کر اسے فروخت کر آیا کرتے تھے آپ کے پاس کوئی سرمایہ تو تھا نہیں البتہ آپ کے صدق و دیانت، امانت و پابندی عہد اور پاکبازی و ہوشمندی کی شہرت عام ہو چکی تھی اور قوم سے امین کا خطاب بھی حاصل کر چکے تھے اس لیے آپ کو چنداں وقت نہ ہوئی اور لوگوں نے فروخت کے لیے نصف منافع کی شرط پر اپنا مال دینا شروع کر دیا۔

ظاہر ہے کہ جس شخص کے خاندان میں تجارت موروثی پایہ رکھتی ہو، جو عہد طفولیت ہی میں تجارتی سفر کر چکا ہو ہر قسم کا تجربہ حاصل کر چکا ہو اور اور نیک نام و امین ہو اس کی طرف دنیا والے مائل بھی جلد ہوں گے اور وہ ترقی بھی نسبتاً ایک قلیل وقفہ مدت ہی میں کرے گا آپ کی شہرت دیانت اور مستعدی و خوش خلقی معاون کار ثابت ہوئی اور لوگ از خود آپ کی طرف مائل ہونے اور اپنے کاروبار میں شریک کرنے لگے۔

اب یہ صورت ہو گئی کہ لوگ اپنے مال کے بڑے بڑے ذخائر و کاروان آپ کے حوالہ کر دیتے اور آپ انہیں لیکر شام بصریٰ اور یمن و بحرین تک جاتے اور اپنی خداداد قابلیت و ہوشمندی اور راستبازی و دیانت کی شہرت کی بدولت خوب نفع اٹھاتے ایفائے عہد اور پاکیزگی اخلاق اور سرگرمی کار ایک تاجر کے اعلیٰ جوہر ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں آپ میں موجود تھیں جس سے سامنا پڑتا وہ آپ کا مستقل گاہک بن جاتا چنانچہ الحمسار کے ایک صحابی عبداللہ بن ابی فرماتے ہیں کہ زمانہ قبل نبوت میں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت مال کے متعلق ایک معاملہ کیا تمام مراحل طے ہو گئے صرف چند جزوی امور باقی رہ گئے تھے میں یہ کہہ کر چلا گیا کہ انہیں آ کر طے کرتا ہوں۔ اتفاق تھا کہ مجھے ایک ضروری کام پیش آ گیا جس کے انہماک میں مجھے کچھ یاد نہ رہا اور تین روز کے بعد تکمیل معاملہ کے لیے گیا کیا دیکھتا ہوں کہ جس جگہ آپ کو کھڑا چھوڑ گیا تھا وہیں میرے انتظار میں کھڑے ہیں آپ کی پیشانی پر بل تک نہ تھا صرف اتنا ضرور کہا کہ آپ نے مجھے بہت زحمت دی میں آپ کے انتظار میں تین روز سے اسی جگہ موجود ہوں میں آپ کے اس عمل سے نہایت متاثر و نادم ہوا۔

کاروبار میں ساکھ بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔ جو وہ کام کرتی ہے وہ لاکھوں روپے سے بھی نہیں ہو سکتا۔ آپ کی ساکھ ایک قلیل مدت ہی میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ عرب کے بڑے بڑے تاجر آپ سے شرکت کی آرزو کرتے تھے اتنا کام ہوتا تھا اور اتنا مال ملتا تھا کہ آپ بیک وقت تنہا اس سے عہدہ برآ بھی نہ ہو سکتے تھے آپ کے سر پر تاج پیغمبری عنقریب جگہ لگانے والا تھا وہ تو آپ نے پوری توجہ اور دلی شوق سے کام نہیں کیا ورنہ آپ عرب کے سب سے بڑے اور دولتمند تاجر ہوتے عہد نبوت میں ایک صاحب جن کا نام سائب تھا بارگاہ نبوت میں آ کر مشرف باسلام ہوئے لوگوں نے سائب کی کچھ تعریف کی آپ نے فرمایا کہ میں سائب سے ناواقف نہیں ہوں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

سائب بولے میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ تو میرے شریک تجارت رہ چکے ہیں اور آپ کا معاملہ ہمیشہ صاف و احسن رہا۔

کتب سیر میں ہمیں حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت قیس ہی کے نام ملتے ہیں جن کے ساتھ آپ نے شریک ہو کر تجارت کی اور جنکا مال لے کر آپ اطراف عرب میں گئے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اور لوگوں کے ساتھ بھی معاملہ کیا تھا۔

قیس بن سائب وہی ہیں جن کے غلام مشہور مفسر مجاہد بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ان کے ساتھ آپ کچھ مدت تک برابر کام کرتے رہے لیکن آپ کا معاملہ ہمیشہ صاف رہا اور اس دوران میں کوئی جھگڑا اور مناقشہ پیش نہیں آیا اور آ ہی کیونکر سکتا تھا کہ آپ فطرتاً بہت نیک نفس اور امین تھے اور سریر نبوت پر فائز ہونے کا شرف آپ کے لیے مقدور تھا۔

حضرت ام المومنین بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جہاں نہایت شریف النفس نیک نہاد اور پاکیزہ اخلاق خاتون تھیں وہاں اتنی دولتمند اور صاحب ثروت بھی تھیں کہ جب مکہ والوں کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو تنہا ایک ان کا مال تجارت قریش کے تمام سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا (طبقات ابن سعد) گویا عرب کی ملک التجار بیوہ تھیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال کی ہو چکی تھی اور آپ کمیشن ایجنسی کا کاروبار زور و شور کے ساتھ کر رہے تھے اور آپ کی قابلیت و دیانت شہرت کے پروں پر اڑ رہی تھی۔ عرب میں دور دور تک آپ کا شہرہ پہنچ چکا تھا اور ہر شخص آپ کی لیاقت، عزالت اور امانت کا معترف و مداح تھا۔ شدہ شدہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کانوں تک بھی آپ کی دیانت و امانت اور تجارتی مہارت و سرگرمی کی اطلاعات پہنچ گئیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تجارتی بصیرت بہت زیادہ تھی اور لائق افراد کی دل سے قدر کرتی تھیں انھوں نے آپ کی شہرت سنتے ہی آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ صرف میری ہی شرکت منظور کریں اور میرا مال تجارت فروخت کے لیے لیجایا کریں تو میں جو اور منافعہ دوسروں کو دیتی ہوں آپ کو اس سے بالمضاعف دوں گی چونکہ آپ نہ صرف مکہ بلکہ عرب کی ایک مشہور اور دولتمند تاجر تھیں اس لیے آپ نے ان کی پیشکش کو بخوشی منظور کر لیا اور ان کا مال تجارت لیکر بصریٰ (شام) تشریف لے گئے۔ ابھی صرف تین ماہ ہی آپ کو کام کرتے ہوئے منقضی ہوئے تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کی ذات گرامی میں نہ صرف یہ کہ مکارم اخلاق اور محاسن حیات کی تابانیاں ضوفشاں نظر آئیں ہر بار نفع بھی زیادہ ہونے لگا۔ آپ کو المضاعف نفع دینے کے بعد بھی کثیر رقم حاصل ہونے لگی اس لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی رفاقت کو اپنے لیے مفید اور آپ کی صحبت کو اپنے لیے مبارک سمجھ کر آپ کو عقد کا پیغام دے دیا گو ان کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی مگر دولتمند اور شریف نفس تھیں اس لیے اس زمانہ میں آپ کو یہ رشتہ بہت مناسب ہوا کیونکہ یہ تو وہ خاتون تھیں کہ بڑے بڑے امرائے عرب ان سے ازدواج کی آرزو رکھتے تھے اسے بڑا شرف سمجھتے تھے۔

ایک عرصہ تک تو آپ اپنی اہلیہ محترمہ ہی کا مال لے جاتے اور فروخت کرتے رہے کہ اب ان کا مال آپ کا اپنا مال تھا لیکن اس کے بعد آپ کی حالت میں انقلاب شروع ہوا اور جوں جوں عہد نبوت قریب آتا گیا آپ پر ایک محویت طاری ہوتی گئی آپ وسیع پیمانہ کا روبار کر رہے تھے جس کی وسعت اور دوری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں جب نہ کہیں ریلوے اور تار کا انتظام تھا اور نہ صاف اور پرامن سڑکیں تھیں۔ آپ یمن، شام، بحرین مسقط اور کویت تک انتہائی مقامات پر مال تجارت لے کر گئے اور خرید و فروخت کی۔ اس مال تجارت میں ہر قسم کی کھالیں چمڑا، کھجوریں اور میوے شامل تھے آپ جاشہ جیسے بعید ترین مقام اور یمن کی منڈی جرش میں ایک سے زیادہ بار مال لیکر گئے۔

(علامہ ذہبی)

ایک یوروپین مورخ نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ آپ مصر بھی تشریف لے گئے تھے اور آپ نے بحر مردار کا معائنہ کیا تھا لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہو سکتا

اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کی اصل کرامت

(جناب سید صباح الدین ایم۔اے)

بزرگانِ دین کے حالاتِ زندگی ایسے لکھے نہیں گئے، جیسے ہونے چاہئیں اور جو حالات اُن کے معاصر تذکروں میں لکھے گئے ان کو پڑھ کر آج کل کے کچھ لوگوں کو ان کی زندگی صرف کرامتوں میں گھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان سے کرامتیں صادر ہوتی رہیں، ہندوستان کے سریع الاعتقاد عوام سادھوؤں، رشیوں اور منیوں کے خوارق عادات سے کچھ ایسے متاثر تھے کہ ان بزرگوں کو بھی کرامتوں کے ذریعہ سے تسخیرِ قلوب کرنی پڑی لیکن ان کے یہاں اظہارِ کرامت کوئی اہم چیز نہیں۔ چشتیہ سلسلہ میں راہِ سلوک کے پندرہ درجے مقرر ہیں۔ ان میں پانچواں درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ اس درجہ کے حاصل ہونے کے بعد سالک کشف و کرامت کے ذریعہ سے اپنی ذات کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے اظہار سے وہ بقیہ درجات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے خواجگانِ چشت کے مسلک کے مطابق صوفی کو کشف و کرامت کے اظہار سے منع کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والوں کا کام ہے، اس سے نفس میں کبر پیدا ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی کرامت کے اظہار کی ممانعت سختی سے کی ہے اور اپنے ملفوظات میں یہ بیان کیا ہے کہ ایک بار خواجہ ابوالحسن نوائی دجلہ کے کنارے پہنچے تو دیکھا کہ ایک ماہی گیر دریا میں جال ڈال رہا ہے۔ خواجہ ابوالحسن نوائی نے ماہی گیر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں صاحبِ ولایت و کرامت ہوں گا تو تمہارے جال میں میرے کہنے سے ڈھائی من وزن کی ایک مچھلی پھنسے گی اور مچھلی ٹھیک اسی وزن کی ہوگی۔ نہ کم نہ زیادہ، ان کے کہنے کے مطابق واقعی اس وزن کی مچھلی پھنس گئی۔ اس کی خبر شیخ جنید قدس سرہٗ کو ہوئی تو انھوں نے فرمایا۔ کاش اس جال میں ایک مارِ سیاہ پھنستا اور ابوالحسن کو کاٹ لیتا کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں۔ جواب دیا کہ اگر سانپ ان کو کاٹ لیتا تو وہ شہید ہو جاتے، لیکن اپنی کرامت کے بعد زندہ رہے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ ان کا خاتمہ کس طرح ہوا۔

اصلی کرامت ان بزرگانِ دین کی اصلی کرامت ان کی نفس کشی تھی، ان کا قول تھا کہ دریا کی سطح پر چلنا، آگ میں کود کر زندہ نکل آنا، پہاڑ کو ناخن سے کھود کھود کر گرا دینا آسان ہے۔ لیکن نفس کو قابو میں رکھنا آسان نہیں، اسی لئے وہ نفس کشی کے لئے ہر قسم کا مجاہدہ کرتے، حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ رات کو کم سوتے اور بالعموم عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے۔ عبرت حاصل کرنے کے لئے قبرستان میں قیام فرماتے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ بیس برس تک اطمینان سے نہ سوئے اور نہ زمین سے پیٹھ لگائی۔ حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ عالمِ تفکر میں ایک عرصۂ دراز تک کھڑے رہے، مطلق نہ بیٹھے، ان کے پاؤں سوج گئے تھے اور اُن سے خون بہتا تھا۔ اس درمیان میں ان کو یاد نہیں کہ انھوں نے کچھ کھایا ہو۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء صائم الدہر رہے۔ صرف افطار اور سحری کے وقت آدھی یا زیادہ سے زیادہ ایک روٹی سبزی یا تلخ کریلہ کے ساتھ کھاتے، لیکن کبھی کسی لقمہ میں لذت محسوس ہوتی تو اس کو منھ سے نکال کر دسترخوان پر ڈال دیتے تاکہ کام و دہن لذت آشنا نہ ہونے پائیں اسی لئے ان کے دسترخوان پر ادھ چبے نوالے بھی پائے جاتے۔ وہ تمام رات عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے اور اُن پر غیر معمولی کیفیت و مستی اور بیخودی و وارفتگی طاری رہتی، صبح ہوتی تو شغل باطن سے آنکھیں سرخ رہتیں۔ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی ابتدائی ریاضت کے زمانہ میں کھانے پینے سے پرہیز کرتے۔ جب کبھی اُن پر اشتہا کا غلبہ ہوتا تو درخت کی پتیاں کھا کر بھوک کی شدت رفع کر لیتے۔ حضرت نصیر الدین چراغ

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مجاہدہ میں دس دس روز تک کچھ نہ کھاتے اور جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتے۔

ان بزرگوں کے یہاں فقر و فاقہ کی بڑی اہمیت تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ فقر و فاقہ سے نفس میں فنا دگی اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ بھوک سے جسم بلاؤں میں مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن دل کو روشنی اور جان کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔ کھانے سے گناہوں کا مادہ بڑھتا ہے اور فاقہ سے سب اطاعتوں کی اصل ملتی ہے اور سب سے بڑھ کر اسی سے نفس کشی ہوتی ہے۔

اس نفس کشی کے ذریعہ سے صوفیا کوشش کرتے کہ اُن میں حضرت آدم علیہ السّلام کی توبہ، حضرت ادریس علیہ السّلام کی عبادت، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا زہد، حضرت ایوب علیہ السّلام کی رضا، حضرت یعقوب علیہ السّلام کی قناعت، حضرت یونس علیہ السّلام کا مجاہدہ، حضرت یوسف علیہ السّلام کا صدق، حضرت شعیب علیہ السّلام کا تفکر، حضرت نوح علیہ السّلام کا اخلاص، حضرت ابراہیم کا شکر اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو جائے۔

اور جب اُن کو یہ چیزیں حاصل ہو جائیں تو وہ رشد و ہدایت کی مسند پر جلوہ افروز ہوتے اور ایک طرف سلاطین کا تخت و تاج ہوتا تو دوسری طرف اُن کی فقیری کے جلوہ ہائے صد رنگ ہوتے، بادشاہوں کے درباروں میں جاہ و حشمت، دولت و ثروت اور رتبہ ملتا، لیکن ان فقیروں کے درباروں میں توحید، ایمان، طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تواضع، اخلاص، قناعت، صدق و صفا، محبت رسُول، خدمتِ خلق اللہ، حلم و عفو، حقوقِ ہمسایہ، محبت و مودت وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم ملتی رہی۔

سلاطین اور صوفیا کی زندگی کا تفاوت

دونوں اپنے اپنے حلقہ کے حکمراں تھے، لیکن اُن دنیاوی اور روحانی حکمرانوں کی زندگی میں بڑا تفاوت تھا۔ سلاطین کے لباس و پوشاک میں بڑی نمائش ہوتی، ان کے تاج، قبا اور پٹکے میں موتی اس طرح آویزاں ہوتے کہ پٹکے کی چمک کمر تک، قبا کی گلے تک اور تاج کی سر تک ہوتی۔ اُن کی بعض پوشاک میں زیادہ سے زیادہ زردوزی کا کام ہوتا۔ گلے پر جو کام کیا جاتا وہ جواہرات سے سجایا جاتا اور اس میں یاقوت اور ہیرے ٹانکے جاتے، اور بعض لباس میں اس قدر جواہرات لگے ہوتے تھے کہ کپڑے کا رنگ نظر نہیں آتا تھا۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار میں منقش فرش بچھایا جاتا، زربفت کے پردے لٹکائے جاتے، چاندی اور سونے کے برتن رکھے جاتے جن میں میوے، شربت اور پان رکھ کر اہل مجلس کی تواضع کی جاتی تھی۔ سلطان معز الدین کیقباد نے ایک سال جشنِ نوروز منایا تو اس موقع پر زربفت، اطلس، یاقوت، زری کے کام اور دوسرے قیمتی کپڑوں کی نمائش سے دربار کو جنت بنا دیا۔ جمنا کے بیچ میں زر و جواہر سے ایک مصنوعی چمن بنا دیا گیا تھا۔ محل کے در و دیوار اور فرش و فروش سونے اور موتیوں سے ایسے آراستہ کیے گئے تھے کہ فردوسِ بریں کا دھوکا ہوتا تھا۔ "مسالک الابصار" کے مصنف کا بیان ہے کہ جو شان و شوکت، جاہ و جلال اور کر و فر سکندر ذوالقرنین اور ملک شاہ بن الپ ارسلان کے دربار میں تھا وہی محمد بن تغلق کے دربار میں نظر آتا تھا۔

لیکن ان بادشاہوں کے اسی دارالسلطنت میں اکابر صوفیا کی خانقاہوں میں بوریا کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اُن کے کپڑے پھٹ جاتے تو پیوند لگا لیتے، بعض اوقات ناداری کی وجہ سے پیوند بھی نہیں لگا سکتے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے فقیرانہ لباس میں دو ہزار بخیہ ہوتا تھا۔ اگر وہ پھٹ جاتا تو جس رنگ کا کپڑا مل جاتا اسی کا پیوند لگا لیا کرتے تھے۔ اسی پر اُن کے سلسلہ کے تمام بزرگوں کا عمل رہا۔ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے کپڑے پھٹ جاتے تو بھی علیحدہ نہ کرتے تھے۔ ایک بار کرتا بہت بوسیدہ ہو گیا تھا، ایک شخص نے نیا کرتہ نذر کیا۔ تو لیا لیکن فرمایا جو ذوق مجھ کو اس پرانے کرتے میں حاصل تھا اس نئے کرتہ میں نہیں ہے۔ جس کمبل پر دن کو بیٹھتے اسی کو رات کے وقت اپنا بستر

استراحت بناتے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ کوئی دنیادار ان سے ملنے آتا تو وہ شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتے اور جب وہ چلا جاتا تو کھاروے کا لباس پہن لیتے، شیخ کا جبہ پہن کر لوگوں سے اپنے فقر کو پوشیدہ رکھتے تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلیفہ حضرت برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ بڑے نحیف و منحنی تھے۔ مرشد سے تعلیم و تربیت پانے کے زمانے میں ایک بار ان کے دونوں زانوؤں میں درد رہنے لگا تھا، اس لئے کمبل کو دوتہ کرکے اس پر بیٹھتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی خبر ہوئی تو ان کی یہ تن آسانی ان کو پسند نہ آئی اور جب حضرت برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے جماعت خانہ میں آئے تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہلا بھیجا کہ وہ جماعت خانہ میں نہ بیٹھیں۔ حضرت برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ گھر جاکر سوگ میں بیٹھ گئے اور برابر روتے رہے۔ ان کی عیادت کے لئے لوگ آتے تو ان کے ساتھ وہ بھی روتے۔ بالآخر حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بیچ میں پڑے اور وہ حضرت برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی دستار ان کی گردن میں ڈال کر حضرت خواجہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے تقصیر معاف کی اور تجدید بیعت سے مشرف کیا۔

اس زمانہ میں محل میں کوئی دعوت ہوتی تو دسترخوان پر ایک ہزار سے زیادہ قسموں کے کھانے ہوتے۔ شربت قند کے سینکڑوں پیالے رکھے رہتے۔ منھ کا مزہ بدلنے کے لئے شربت گلاب بھی ہوتا۔ انواع و اقسام کے حلوے ہوتے۔ روٹیوں میں نان تنک، کاک اور سنبوسے وغیرہ کی کئی قسمیں ہوتیں، پالاؤ کے بھی کئی اقسام ہوتے کسی میں گوشت، کسی میں مرغ اور کسی میں انگور پڑا ہوتا۔ بکرے، دنبے، بٹیر، تیتر، تیہو اور [illegible] کے قورمے اور کباب ہوتے کھانے کے بعد [illegible] کا کھی [illegible] لیکن معاملہ [illegible] صوفیا کے گھروں اور خانقاہوں [illegible] میں مادی [illegible] سے فقر و فاقہ، تنگی، عسرت، اور ناداری کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ سلطان شمس الدین التمش کے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں برابر فاقہ رہتا۔ جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تو ان کی حرم محترم پڑوس کی بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ یا ایک بہلول قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو قرض ادا کیا جاتا تھا۔

حضرت فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی اکثر فاقہ ہوتا تھا۔ ایک روز ان کی اہلیہ محترمہ نے آکر عرض کیا کہ فلاں لڑکا بھوک سے مر رہا ہے تو فرمایا۔ فرید کیا کرے اگر تقدیر الٰہی یہی ہے تو یہی ہوگا۔ ان کو دلیہ پسند تھا۔ اس کو عام طور سے نمک اور سرکہ ڈال کر پکایا جاتا تھا۔ ایک روز گھر میں نمک نہ تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لے لیا اور دلیہ پکا کر مرشد کے پاس لے گئے جب انھوں نے کھانے کے لئے پیالے میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی فرمایا کہ اس سے اسراف کی بو آتی ہے اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لاکر ڈالا ہے۔ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ قرض کا ہے۔ یہ سن کر فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے۔ اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی، [illegible] پیالہ کو غربا میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا۔ ایک بار تین دن تک کچھ نہ کھایا۔ [illegible] روز ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا اس کو رزق غیب سمجھ کر کھالیا مگر فوراً ہی کراہت محسوس ہوئی اور اسی وقت قے کر دی، معلوم ہوا کہ جو شخص کھانا دے گیا تھا وہ شرابی تھا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے زمانہ میں ایک جیتل میں دو [illegible] آٹا ملتا تھا لیکن پھر بھی شروع زندگی میں ان کے پاس اتنے [illegible] نہ ہوتے تھے کہ روٹی کے لئے آٹا خرید سکیں، کبھی کئی دن کا فاقہ ہوجاتا، ایک بار مسلسل تین دن کا فاقہ ہوگیا تو کسی نے دروازہ پر دستک دی اور ایک شخص خشک کھچڑی

دے کر غائب ہوگیا۔ حضرت خواجہ نے بھوک کی شدت میں اُس کو کھا لیا۔ اس کو کھا کر جو لذت محسوس کی اس کا ذکر آئندہ بار بار فرماتے اور کہتے تھے کہ پھر کسی کھانے میں ایسی حلاوت محسوس نہیں ہوئی۔ جب گھر میں کھانا کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تھی تو ان کی والدہ ماجدہ کہا کرتیں کہ آج ہم لوگ خداوند تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ حضرت خواجہ اس جملہ سے بڑی لذت ملتی اور جب ان کے گھر میں آذوقہ ہوتا تو وہ افسوس کرتے کہ ان کی والدہ ماجدہ کی زبان پر وہ جملہ نہ ہوگا۔

بعض سلاطین و امراء کے غیظ و غضب اور غصہ و کینہ پروری کی بہت بری مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں عماد الدین ریحان، سنقار اور الغ خاں میں بری معاصرانہ چشمک رہی۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور حصول اقتدار کی خاطر فوجیں جمع کر کے میدان جنگ میں بھی اتر آتے تھے۔ بلبن کے عہد میں لکھنوتی میں طغرل نے بغاوت کی تو اس کی سرکوبی کر کے اس کے رشتہ داروں اور ساتھیوں کو تہ تیغ کیا گیا اور ان کے سروں کو سر بازار لٹکا کر وہاں کے لوگوں میں دہشت پیدا کی گئی۔ علاء الدین خلجی تخت نشین ہوا تو اس نے جلال الدین خلجی کے شہزادوں ارکلی خاں، ابراہیم اور ان کی ماں کے خلاف تیس چالیس ہزار کا ایک لشکرِ جرار الغ خاں اور ظفر خاں کی نگرانی میں ملتان بھیجا، جنھوں نے دونوں شہزادوں اور ان کی ماں کو گرفتار کیا۔ پھر دونوں شہزادے نابینا کر دیئے گئے اور ماں قید خانہ میں ڈال دی گئی۔ ظفر خاں عہدِ علائی کا بہت ہی بہادر فوجی رہنما تھا، اسی وجہ سے دربار کے دوسرے امراء اس سے حسد کرتے تھے۔ وہ تاتاریوں کے خلاف لڑتا ہوا محض اس لیے مارا گیا کہ باہمی چشمک میں فوجی اور امراء اس کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔ علاء الدین خلجی رنتھنبور کی مہم میں جا رہا تھا تو تلپت کے پاس اس کے بھتیجے اکت خاں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا اور وہ ہلاک ہوتے ہوتے بچا۔ اس نے اشتعال میں آکر اکت خاں اور اس کے ساتھیوں کو تہ تیغ کرا دیا۔ وہ رنتھنبور ہی کی مہم میں تھا کہ اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر فخر الدین کوتوال کے لڑکے حاجی مولہ نے علم بغاوت بلند کر دیا اور ایک سید کو تخت پر بٹھا دیا۔ علاء الدین خلجی نے اپنے فوجی سرداروں کو بھیج کر یہ بغاوت فرو کرائی۔ حاجی مولہ اور سید کے ساتھ فخر الدین کوتوال کے لڑکے بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

اسی زمانہ میں صوفیائے کرام نے حلم و بردباری کے جو نمونے پیش کئے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور ان سے مالی امداد کی خواستگار ہوئی۔ انھوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ ان قلندروں نے گستاخی شروع کر دی اور اینٹ پتھر سے ان کو مارنے لگے۔ حضرت بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو۔ جب دروازہ بند ہوگیا تو قلندروں نے دروازے پر پتھر مارنے شروع کئے۔ حضرت بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ تامل کرنے کے بعد خادم سے فرمایا دروازہ کھول دو میں اس جگہ بٹھایا گیا ہوں خود سے نہیں بیٹھا ہوں خادم نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ خدا کی کسی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے۔ غیاث پور کے قریب کا رہنے والا ایک شخص چھجو نامی بلاوجہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا دشمن ہوگیا تھا اور ایذا رسانی پر کمر بستہ رہتا تھا، لیکن جب اس کی وفات کی خبر ان کو ملی تو اس کے جنازہ میں شریک ہوئے اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا کی اور اس کی مغفرت کے لئے دعائیں کیں۔ اگر ان کو کسی پر غصہ آتا تو نہ صرف غصہ کو پی جاتے بلکہ اس کو معاف بھی کر دیتے اور فرماتے کہ جو شخص غصہ کو پی جاتا ہے اور معاف نہیں کرتا ہے تو ممکن ہے کہ اس کے دل میں کینہ جڑ پکڑ لے۔ "فوائد الفواد" میں ہے کہ

ایک بار ایک شخص حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور ان کو گالیاں دینے لگا۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر اُس نے جو کچھ مطالبہ کیا پورا کر دیا اور جب وہ چلا گیا تو حاضرین کو مخاطب کر کے کہا کہ ایک شخص ایک مرتبہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور گستاخانہ طور پر کہنے لگا کہ تو نے اپنے کو بت بنا لیا ہے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے نرمی سے جواب دیا کہ میں نے اپنے کو نہیں بنایا ہے خداوند تعالیٰ نے مجھ کو بنایا ہے۔ "سیر الاولیاء" میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی کو برا کہنا برا ہے، لیکن برا چاہنا اس سے بھی برا ہے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک شخص سے دوسرے کو فائدہ پہنچے، نہ نقصان تو ایسا شخص "جماد" کہلاتا ہے ایسے شخص سے وہ شخص بہتر ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے نقصان نہیں پہنچتا، لیکن ان دونوں سے وہ شخص بہتر ہے کہ اس سے دوسروں کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا ہے، لیکن لوگ اس کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں، پھر بھی وہ تحمل اور حلم سے کام لیتا ہے، یہ کام صدیقوں کا ہے۔

درباری سازشوں سے سلاطین اور امراء کے جتنے قتل ہوئے ان کی گنتی ممکن نہیں۔ مملوک سلاطین میں آرام شاہ، سلطانہ رضیہ، بہرام شاہ، خلجی حکمرانوں میں جلال الدین خلجی، قطب الدین مبارک خلجی اور اس خاندان کا غاصب خسرو خاں، تغلق خاندان میں سلطان ابوبکر شاہ اور خاندان سادات میں معز الدین مبارک شاہ اور لودیوں میں ابراہیم لودی تہ تیغ ہوئے اور پھر باہمی کینہ پروری بغض اور حسد کی وجہ سے سلاطین دہلی کے عہد میں ملک اختیار الدین آستگین، ملک التونیہ، امیر سنقار، ملک طغرل، ملک تاکت خاں، ظفر خاں اور ملک کافور وغیرہ جیسے جلیل القدر امراء بھی نذر شمشیر ہوئے، لیکن اسی عہد میں صوفیائے کرام نے اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا وہ انسانی تاریخ کی عجیب و غریب مثالیں ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ایک بدباطن شخص آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، لیکن انھوں نے نور باطن سے یہ معلوم کر لیا اور اپنے پاس بلا کر کہا کہ جس ارادہ سے آئے ہو اسے پورا کرو۔ یہ سن کر اُس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے کہا کہ مجھے لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کو یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی کرتا ہے تو ہم نیکی سے پیش آتے ہیں۔

ایک روز حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ میں آ کر اپنے حجرہ خاص میں مشغول تھے کہ ایک قلندر تراب نامی نے آپ پر چھری سے پے در پے حملے کیے۔ خون حجرہ کے باہر بہنے لگا لیکن اُن کے استغراق میں فرق نہیں آیا۔ خون دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے، اور قلندر کو سزا دینی چاہی لیکن حضرت نے روکا اور مریدین کو قسم دی کہ قلندر کو کوئی اذیت نہ پہنچائے، پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھریاں مارتے وقت تمہارے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا اور بیس ٹنکے زر دے کر رخصت کیا۔

حبّ جاہ اور حرص اقتدار کی خاطر امراء نے بڑے بڑے نمونے پیش کیے۔ دہلی کی سلطنت کی تاسیس کے چار سال کے اندر قطب الدین ایبک کی وفات ہو گئی تو ناصر الدین قباچہ نے ملتان پر قبضہ کر لیا، بنگال میں علی مردان خلجی نے دہلی کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے روگردانی کی، بدایوں کے لوگ التمش کے ساتھ ہو گئے۔ اسی طرح التمش کی وفات کے بعد سندھ اور اوچہ پر سیف الدین قرلغ حملہ آور ہو گیا، اودھ میں بغاوت ہو گئی بنگال، بہار، ملتان مرکز سے منقطع ہو گئے۔ امراء کی بغاوتوں کو سر کرنے میں سلاطین کی فوجی، مالی اور دماغی قوتیں برابر صرف ہوتی رہیں لیکن اسی زمانہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اپنے مریدوں کو یہ تعلیم دے رہے تھے کہ عاشق صادق وہ ہے کہ اس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو اور نہ وہ کسی کی ملک میں ہو۔ عارف کا اختیار بے نیازی ہے عارف وہ نہیں ہے جو کسی چیز کے پیچھے پریشان ہو۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیاوی آلائشوں سے دور رہنے کی تلقین اس طرح فرمائی کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ستر سال تک عبادت کی اگر جب مقام قرب آیا تو ان کو قربت محض اس وجہ سے حاصل نہ ہو سکی کہ ان کے پاس دنیاوی آلائشوں میں سے مٹی کا ایک کوزہ اور چمڑے کا ایک خرقہ باقی رہ گیا تھا۔ ان کو پھینک دیا تو یہ درجہ حاصل ہوا۔

حضرت خواجہ گنج شکر فرماتے تھے کہ سالک کو رزق حاصل کرنے کے لئے بھی پریشان خاطر نہ ہونا چاہئے۔ اگر وہ اس کے لئے پریشان رہتا ہے تو بد دین اور بد دیانت ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے فقر و فاقہ کی خبر جلال الدین خلجی کو ہوئی تو اس نے ان کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ اگر وہ حکم دیں تو ان کے خدمت گزاروں کے لئے کچھ گاؤں نذر کئے جائیں، مگر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے فاقہ مست جانثاروں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے یہاں ہم کبھی کبھی روٹی کھا لیتے ہیں، لیکن یہ گاؤں قبول کر لئے گئے تو اس کے بعد ہم آپ کے یہاں پانی پینا بھی پسند نہ کریں گے۔ یہ جواب سن کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ بے حد محظوظ ہوئے۔

قاضی محی الدین کاشانی حضرت خواجہ نظام الدین کے بڑے ممتاز مرید تھے۔ ان کے پاس ایک جاگیر کا شاہی فرمان تھا، لیکن جب حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو اپنی جاگیر کا شاہی فرمان مرشد کے سامنے لا کر چاک کر دیا اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگے۔

سلاطین و امراء جب دنیاوی آلائشوں میں مبتلا ہو کر جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں کوئی امتیاز نہ کرتے تھے، تو اس وقت یہی بزرگان دین رضا و تسلیم، صبر و شکر، توکل و قناعت اور ذکر و فکر کے ذریعہ تزکیۂ نفس، تصفیۂ دل اور تجلیۂ روح میں لگے ہوئے تھے، جن کو حاصل کرنے کے بعد وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے اور ان کی حکومت سلاطین کی حکومت سے زیادہ مقبول ہوتی، وہ فوجوں کے بجائے دلوں کو فتح کر کے ان میں ایک طوفان بپا کر دیتے جس سے لوگوں کے کردار میں صفائی، اخلاق میں پاکیزگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی رہتی اور ان ہی خوبیوں سے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار بنتا۔ اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر مسلمان ہندوستان میں آکر بحیثیت مجموعی اچھے اخلاق اور مستحکم کردار کا ثبوت نہ دیتے تو شاید اس زمین میں جڑ نہیں پکڑ سکتے تھے بلکہ اور قوموں کی طرح یہاں کے باشندوں میں ضم ہو جاتے، کردار و اخلاق کو سنوارنے کے لئے اسلام کی باضابطہ تعلیم ضروری تھی، لیکن اس کے عملی نمونے ہندوستان میں صوفیا اور صلحا پیش کرتے رہے اور یہ کہنے میں تامل نہیں کہ شروع میں ان ہی بزرگان دین کے فقر سے مسلمانوں میں اخلاق کے اسرار جہاں گیری واضح ہوتے رہے۔ انہی بزرگوں کی قلندری سے مسلمانوں کو صحیح معنوں میں سیرت کی تونگری حاصل ہوتی رہی اور ان ہی کی درویشی سے مسلمانوں کے لئے کردار کی سکندری راہ کھلی۔

(صفحہ ۳ سے آگے)

بقایا نوائے آغاز

یہ اطلاع دیتے ہوئے ہم مسرت محسوس کر رہے ہیں کہ آئندہ شمارے سے ہم "تفسیر قرآن" اور "توضیح احادیث" کے زیر عنوان مستقل مضامین پیش کریں گے۔ فتاویٰ و مسائل سے متعلق ایک عنوان "باب الافتاء" کا بھی شامل رہے گا۔

......ایڈیٹر

اسلام اور سرمایہ داری

والذین یکنزون الذھب
والفضة ولا ینفقونھا فی
سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم.
یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم
فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم
وظھورھم ھذا ما کنزتم
لانفسکم فذوقوا ما کنتم
تکنزون (۹-۵ع)

جو لوگ سونا چاندی جمع کر رہے ہیں اور اس کو خدا کے کاموں میں صرف نہیں کرتے۔ اے پیغمبرؐ ان کو آپ دردناک عذاب کی بشارت دیدیں جبکہ سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں رکھ کر تپایا جائے گا پھر اس سے ان کے ماتھے، ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی تمہاری محبوب دولت ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھی تھی آج اپنے جمع کیے کا مزہ چکھو۔

اسلام دنیا کے لیے ایک پیغام امن اور مکمل نظام عمل ہے۔ اسلام کا مقصد دنیا میں خدا کی حکومت کا قائم کرنا اور اس کی ماتحتی میں ایک ایسی انسانی برادری کی تشکیل ہے جس کی زندگی کا مقصد مخلوقِ خدا کی بے غرضانہ خدمت، قربانی، ایثار، اخوت اور تمام مکارم اخلاق کی تکمیل ہے۔ پس ہر وہ چیز جس میں خود غرضی، بے رحمی، سنگدلانہ بے اعتنائی ہو گی، جس میں انسانی اخوت کی بجائے تعبد اور غلامی کو دخل ہو گا، اسلام کے نزدیک اس قابل ہے کہ مٹا دی جائے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کا امن و راحت دن بدن مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور انسانی دماغ رات دن ایسے آلات کی تیاری میں مصروف ہیں جن سے انسانوں کے قتل کرنے اور دوسری قوموں کو غلام بنانے میں زیادہ سے زیادہ آسانی حاصل ہو۔ اور انسانی اخوت کی بجائے تعبد اور غلامی کے راستے صاف ہو سکیں۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ ان تمام برائیوں اور سیہ کاریوں کا سر چشمہ کیا ہے؟ سرمایہ داری، یہ ایک ایسی لعنت ہے جو دوسرے ملکوں کی تمام پیداوار کو چھیننے، دوسری قوموں کے مال و دولت پر قابض ہونے اور انھیں غلام بنانے کا باعث بن رہی ہے۔ اس نے دنیا کے امن و راحت کو غارت کر دیا ہے۔ اور لوگوں میں بے غرضانہ خدمت خلق کے جذبات کی بجائے خود غرضی اور بے رحمی کے مذموم اوصاف پیدا کر کے انسان کو انسان کے خون کا پیاسا کر دیا ہے۔

سرمایہ داری کا یہ دیو صرف بڑی بڑی حکومتوں ہی کی شکل میں نظر نہیں آتا بلکہ غلام قوموں میں بھی بڑی سرمایہ دار قوم چھوٹی سرمایہ دار قوم کو اپنا غلام بنانا چاہتی ہے۔ اور چھوٹی سرمایہ دار قوم اپنے غریبوں کو ذلت و نامرادی کے گڑھے میں پھینکنا چاہتی ہے۔ اور یہی وہ مفاسد ہیں۔ جن کے باعث اسلام نے سرمایہ داری کے خلاف جہاد کیا ہے۔ اور اس کو بدترین معصیت ٹھہرایا ہے۔ اور اس کی کثرت اور عمومیت کو وجہ فساد قرار دیا ہے — ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض۔ اگر اللہ اپنے بندوں کی روزی فراخ کر دے تو وہ زمین میں فساد مچانے لگیں۔ کثرت مال و ز[illegible] کی بد انجامی اور غافلانہ کوری کو سورۃ تکاثر میں اس طرح بیان کیا ہے الھاکم التکاثر حتی زرتم المقابر کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون (۲۔ ۱ع۱)

جو لوگ محض دولت کو فضل و بزرگی اور دنیا کی تمام خوبیوں کا [illegible] سمجھتے تھے۔ ان کے خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

ولولا ان یکون الناس [illegible]

امۃ واحدۃ لجعلنا لمن — کا خطرہ نہ ہوتا تو جو لوگ خدا کے
یکفر بالرحمان لبیوتھم — نافرمان ہیں ان کے گھروں کی
سقفا من فضۃ ومعارج — چھتوں کو چڑھنے کی سیڑھیوں
علیھا یظھرون ولبیوتھم — کو اور ان کے گھروں کے دروازوں
ابوابا وسررا علیھا یتکئون — کو اور ٹیک لگا کر بیٹھنے کے تختوں کو
وزخرفا۔ — سونے چاندی کے بنا دیتے۔

لیکن باوجود اس کے قرآن کریم میں تجارت کی ترغیب دی گئی ہے۔ حلال طریق پر کمائی ہوئی دولت کو اللہ کا فضل بتایا ہے۔

فاذا قضیت الصلوۃ — جب نماز ہو چکے تو خدا کی زمین میں
فانتشروا فی الارض وابتغوا — پھیل جاؤ اور اس کے فضل
من فضل اللہ۔ — یعنی (معاش) کی جستجو میں لگ جاؤ۔

یاایھا الذین آمنوا — مسلمانو! خدا کی راہ میں عمدہ
انفقوا من طیبات ما کسبتم — چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے
ومما اخرجنا لکم من الارض — تجارت وغیرہ سے آپ کمائی ہوں
(البقرہ ۲۷) — یا ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں۔

اور کئی ایک مقام پر مال و دولت کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وما تنفقوا من خیر فلانفسکم — تم اپنے مال میں جو کچھ بھی خرچ کروگے سو وہ اپنے لئے ہی ہوگا۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ تجارت اور جائز ذرائع سے دولت کا حاصل کرنا مذموم چیز نہیں ہے۔ اور نہ اسلام اس سے روکتا ہے۔ بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن دولت کا جمع کرتے چلا جانا اور اس میں قوم کے غریب طبقے کے حقوق کو فراموش کر دینا ہی برائی اور اصل جرم ہے۔

ویل لکل ھمزۃ لمزۃ الذی — ہر عیب جو پر افسوس جو آوازے کستا
جمع مالا وعددہ — ہے مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے

اور یہی وہ سرمایہ داری ہے جس کے خلاف اسلام نے جہاد کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ اول کے زمانہ میں جب بعض لوگوں نے حکومت کے مقرر کردہ عاملوں کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جہاد کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروع میں مخالفت کی لیکن یہی وہ مقام ہے جہاں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ کرام سے ممتاز اور صدیقیت کے اس مقام پر جلوہ افروز نظر آتے ہیں جہاں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ اور از سرتاپا صدق کے زبانی بن کر فرماتے ہیں۔

واللہ من فرق بین الصلوۃ — خدا کی قسم! جس نے نماز اور زکوٰۃ
والزکوٰۃ لاقاتلنہ — کی فرضیت میں کوئی فرق یا امتیاز روا رکھا۔ میں اس سے ضرور جہاد کروں گا۔

لیکن اسلام نے دولت اور سرمایہ داری ہونے والے مفاسد کے انسداد کے لئے زکوٰۃ فرض کر دی۔ تاکہ ایک طرف مال کی محبت اور بخل و امساک امرا کے اخلاق کو مغلوب نہ کر سکے اور دوسری طرف غربار کی جماعت کو ایسے دولت مند اور سرمایہ داروں سے انس و محبت ہو۔ اور قوم ایک ایسی کمپنی کے سرمایہ کی مثال پیش کرے جس میں چھوٹے اور بڑے حصہ دار سب شامل ہوتے ہیں۔ اسلام نے سود کو بھی اسی لئے حرام کیا کہ یہ فی الحقیقت ملعون سرمایہ داری کی اصل و اساس ہے۔ خود غرضی، بے رحمی، سنگدلانہ بے اعتنائی کا مظہر اتم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح جس آسمانی بادشاہ کا اعلان فرماتے تھے۔ اس میں دولت کے لئے کوئی جگہ نہ تھی لیکن اس بادشاہت کو صرف اسلام ہی قائم کر سکتا ہے۔ جس کے مقاصد حیات میں ایک اہم مقصد یہ بھی ہے

لایکون دولۃ بین الا — مال و دولت گھوم پھر کر صرف اغنیاء
غنیاء منکم وحش — میں نہ رہے۔

روس کے اشتراکین نے سرمایہ داری سے پیدا ہونے والی برائیوں کا علاج تجویز کیا ہے۔ اقتصادی دنیا میں مساوات کبھی قائم نہیں ہو سکتی۔ قرآن ارشاد فرماتا ہے۔

نحن قسمنا بینھم معیشتھم — ہم نے دنیا میں ان کی روزی کو تقسیم
فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا — کر دیا ہے۔ اور ایک کو دوسرے

بعضهم فوق بعض درجات سے بلند کیا ہے۔

پس قدرت کی طرف سے جو اقتصادی فرق مراتب قائم رکھا گیا ہے۔ اس کو مٹانے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ سرمایہ داری کی ملعون ہستی کو مٹانے کی سب سے بہتر تجویز یہ ہے کہ دنیا کی طرز حکومت کو بدل دیا جائے۔ اور دنیا اسلام کے پیغام امن کو قبول کرے اور سود اور زکوٰۃ کے متعلق قرآن پاک کی آواز کو سمجھے۔ آج مسلمانوں کی زیادہ مصیبتوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اگر مسلمان سرمایہ دار "زکوٰۃ" دینا شروع کر دیں اور یتیموں، بیواؤں، مفلس اور نادار افراد کی پرورش کریں۔ اور ان کو اپنی قوم کا جزو سمجھ کر ان کی تکالیف دور کرنے کی کوشش کریں۔

(صفحہ ۱۹ سے آگے)

بقایا۔ کسب معاش کی مذہبی اہمیت

ہے کہ آپ نے سفر بحرین میں خلیج فارس کا مشاہدہ کیا ہو اور سفر شام میں ساحل بحر تک پہنچے ہوں لیکن مصر جانا ثابت نہیں۔ عہد نبوت میں بحرین سے عبدالقیس کا وفد آیا تو آپ دیر تک بحرین کے حالات دریافت کرتے رہے لوگوں نے تعجب سے کہا کہ آپ بحرین کے حالات ہم سے زیادہ جانتے ہیں اور ایک ایک مقام کا نام لے رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں نے بحرین کی خوب سیر کی ہے اور تمہارے ملک کو خوب دیکھا ہے۔

مسلمان سوچیں اور دیکھیں کہ ان کے پیشوائے اعظم نے تجارت میں کتنا کمال حاصل کیا تھا کتنے دور دراز کے سفر کئے تھے اور کتنی شہرت پیدا کر لی تھی۔ آپ مسلسل چالیس سال کی عمر تک کاروبار کرتے رہے اس مدت میں آپ نے ہزارہا روپیہ پیدا کیا اور اس سے غرباء ضعفاء اور مساکین کی بارہا امداد کرتے رہے۔ فرزندان توحید کو چاہئے کہ وہ آپ کے اس اسوۂ عمل پر کاربند ہوں اور غور کریں کہ کامیاب تاجر کیسے ہوتے ہیں۔

غزل

کہکشاں جبیں

درد کے سانچے میں ڈھلتی جا رہی ہوں دیکھئے
کچھ نکھر کے نئے رنگ پر اب آ رہی ہوں دیکھئے

یار کی یاری کا کچھ تو حق ادا ہوتا رہے
جان کر دھوکے پہ دھوکا کھا رہی ہوں دیکھئے

آج کوئی حادثہ پھر غالباً پیش آئے گا
زندگی کو خوبصورت پا رہی ہوں دیکھئے

تجربات زندگی کو حادثہ سمجھیں نہ آپ
کس سلیقے سے انھیں بہلا رہی ہوں دیکھئے

پھر نہ جانے کتنے زخموں کی چبھن محسوس ہو
پھر وہ بھولی داستاں دوہرا رہی ہوں دیکھئے

تذکرۃ الصالحین

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ جب حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ظاہری علوم میں بے نظیر عالمیت حاصل کر چکے تو آپ کی حقیقت شناس طبیعت معرفت الٰہی کی طرف مائل ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت حاصل کیا اور مجاہدے شروع کر دیئے آپ کی جہد و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ دن میں ڈھائی سو رکعتیں نماز کی پڑھتے تھے۔ اور تین ہزار مرتبہ یہ درود پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ وَاٰلِهٖ وَسَلِّمْ۔ باوجود اس شدید ریاضت اور مجاہدے کے آپ کی صحت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اور ہر نماز کے وقت غسل کرتے تھے۔ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ دن میں بھی بہت کم سوتے تھے۔ آپ پر اکثر وجد کی حالت طاری رہتی تھی عالم کیف و مستی میں اس قدر روتے تھے کہ آنکھیں سُرخ ہو جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک دوست نے اس بے پناہ گریہ وزاری کا سبب دریافت کیا تو فرمایا "میں گنہگار ہوں اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا ہوں۔

ایک دن حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جامع ابو عاصم میں اعلانِ حق کی فضیلت پر وعظ فرما رہے تھے۔ اتنے میں حجاج بن یوسف وعظ میں حاضر ہوا اور ایک امتیازی شان کے ساتھ ایک قالین پر بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اس محفل میں بعض ایسے آدمی موجود ہیں جو اپنی ہستی کو مرتبۂ انسانیت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کو ایک حقیر مچھر سے بھی زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں۔ ان کے حضور میں غریبوں کا بیٹھنا ممنوع ان کے سامنے بولنا گناہ اور اُن کے کسی فعل پر ادنیٰ سا اعتراض بھی موجب قتل ہے۔ اے فنا ہونے والے انسانو! کیوں اپنی فانی قوتوں پر اتنا غرور کرتے ہو" حاضرین محفل کو یقین تھا کہ اس بے باکانہ تقریر پر حجاج بن یوسف خواجہ صاحب کے قتل کا حکم صادر کرے گا مگر حجاج بن یوسف خاموش بیٹھا آپ کی تقریر سنتا رہا۔ اور خاموش اُٹھ کر چلا گیا۔ ایک ہفتہ بعد حجاج بن یوسف نے خواجہ صاحب کو ایک خط تحریر کیا۔ ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس خط کو لینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا جس چیز کو ایک ظالم کے ہاتھ نے مَس کیا ہے میں اُسے چھونا نہیں چاہتا۔" اور اس خط کی پشت پر لکھوا دیا۔ خُدا کے مظلوم بندے حجاج کو معلوم ہو کہ غریب تیرے ظلم سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں تجھ سے ملاقات پسند نہیں کرتا۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے جود و کرم کا یہ عالم تھا کہ آپ کے دَر سے کوئی سائل محروم نہ جاتا تھا۔ آپ نہایت رحمدل تھے لیکن قانونِ شریعت کے جاری کرنے میں آپ نے عدل و انصاف کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ اربابِ نخوت و تکبر کے مقابلہ میں کبھی آپ نے عاجزی کا اظہار نہیں کیا۔ آپ کی امتیازی شان تھی کہ ریاکار عالموں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ سرمایہ داروں کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا وہ خدائے قدوس کی بادشاہت سے بے نیاز ہیں۔ اور اپنے مال و زر کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ اس لئے اُن کا دل پیامِ ہدایت سے بیزار ہے۔ آپ کی تقریر کا ایک ایک لفظ درد، اثر، سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا۔ آپ کے اکثر جملے ایسے روح پرور ہوتے تھے کہ سننے والوں کے دلوں میں تیر و نشتر کی طرح اُتر جاتے تھے۔ آپ کی ہر تقریر میں چھ سات ہزار کا مجمع ہوتا تھا۔ اگر آپ کبھی مسجد میں وعظ فرماتے تو باہر راستہ بند ہو جاتا تھا۔ اور راہگیر آپ کی تقریر سُن کر اشکبار اور بیقرار ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے توحید الٰہی کی عظمت بیان کی تو چھ سو یہودی اور چار سو عیسائی آغوشِ ضلالت سے نکل کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ایک باعظمت عالم ہونے کے باوجود نہایت خلیق اور شیریں زبان تھے۔ بُردبار اور نرم دل تھے ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے نہایت متانت اور نرمی سے بات کرتے تھے۔ اور کسی کو حقیر نگاہوں

سے نہ دیکھتے تھے۔ آپ کے ہر انداز سے ذوقِ معرفت اور عشقِ الٰہی کا اظہار ہوتا تھا۔ ان کی راتیں اشکباری اور بے قراری کے لئے وقف تھیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ سے بے انتہا محبت تھی۔ وہ اپنی زندگی کے ہر کام میں اُسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ ہمیشہ غریبوں اور بیواؤں کی خدمت کرتے اور بیماروں کی عیادت کو تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غریب طالب علم نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے امیرِ سمرقند کی شکایت کی اور یہ بیان کیا کہ وہ حد درجہ مغرور اور سنگدل ہے۔ حضرت خواجہ ان الفاظ کو سُن کر اس امیر کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اور انتہائی بے باکی سے کہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنی ہستی کو مرتبۂ انسانیت سے بالاتر سمجھتے ہو اور تمہارے حضور میں غریبوں کا بولنا گناہ ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میں نصیحت کرتا ہوں کہ تمہاری شمعِ حیات بجھنے والی ہے اور شہرِ خموشاں کے رہنے والے تمہارے انتظار میں ہیں۔ اگر تم اچھے اعمال کا سرمایہ لیکر جاؤ گے تو آغوشِ رحمت میں جگہ ملے گی ورنہ یاد رکھو کہ اپنی جگہ سے سیدھے جہنم میں چلے جاؤ گے۔" حضرت خواجہ رحمۃ اللہ کے یہ الفاظ امیرِ سمرقند کے دل میں تیر و نشتر کی طرح اُتر گئے۔ اور تائب ہو کر حضرت خواجہ کے قدموں میں گر پڑا۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اجودھن کے قریب ایک مُلّا صاحب رہا کرتے تھے جن کو اپنے علم پر بڑا گھمنڈ تھا اور درویشوں کو بے علم سمجھ کر ان کی تحقیر کیا کرتے تھے ایک دن وہ حضرت شیخ المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت مجلس میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ مُلّا صاحب نے اپنی علمیت اور ہمہ دانی کے قصّے بیان کرنے شروع کر دیئے حضرت شیخ العالم رحمۃ اللہ علیہ نے مُلّا صاحب کی بے تکی باتیں سُنتے سُنتے فرمایا۔ مولانا صاحب اسلام کے کتنے رُکن ہیں؟ جواب دیا پانچ کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ حضرت شیخ العالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میں نے سُنا ہے کہ چھٹا رُکن بھی ہے۔ مُلّا صاحب نے بگڑ کر جواب دیا۔ چھٹا رُکن کوئی نہیں ہے آپ نے جو کچھ سُنا غلط سُنا۔ حضرت شیخ العالم نے فرمایا۔ جی نہیں میں نے معتبر علماء سے سُنا ہے کہ اسلام کا چھٹا رُکن روٹی ہے۔ اس پر مُلّا صاحب کو غصّہ آگیا اور سخت و سُست لہجہ میں کہنے لگے۔ آپ لوگ بے علم اور کم فہم ہیں عالم بننے کی کوشش نہ کریں۔ میں نے جو پانچ رُکن بیان کئے ہیں وہ حدیثوں میں فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں اور جس چھٹے رُکن کا آپ ذکر کرتے ہیں اُس کا تذکرہ نہ حدیث میں ہے نہ فقہ کی کتابوں میں۔ حضرت شیخ العالم رحمۃ اللہ نے تبسم کے بعد فرمایا۔ نہیں مولانا چھٹا رُکن قرآن میں بھی موجود ہے، حدیث میں بھی ہے فقہ میں بھی ہے۔ یہ سُن کر مولانا کو اتنا غصّہ آیا کہ وہ وہاں سے اُٹھ کر چلنے لگے۔ حضرت شیخ العالم نے ان کو کمالِ ملاطفت سے روکنا چاہا مگر وہ کسی کے روکے نہ رُکے۔

حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے ناراض ہو کر اُٹھ کر چلے جانے کے کچھ عرصہ بعد مُلّا صاحب پورے ساز و سامان کے ساتھ سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ اور مکہ معظمہ میں سات سال کامل قیام کرنے کے بعد عازمِ وطن مالوف ہوئے تو سمندر میں طوفان آیا۔ اور مُلّا صاحب کا جہاز تباہ ہو گیا۔ مُلّا صاحب جہاز کے ایک تختہ پر بہتے بہتے کنارے پر پہنچے۔ اور تختہ سے اُتر کر خشکی پر آئے۔ جس جگہ مُلّا صاحب پہنچے وہاں خشک پہاڑ تھے۔ درخت اور گھاس پھونس نام کو نہ تھا۔ مُلّا صاحب تین دن بھوک پیاس کی حالت میں پہاڑ کے ایک غار میں بیٹھے رہے۔ یکایک ایک نان فروش اس غار پر آیا اور روٹی کی آواز لگائی۔ مُلّا صاحب نے کہا میں عالم ہوں سات حج کئے ہیں۔ میرا جہاز تباہ ہو گیا۔ میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں۔ میں تین دن سے بھوکا پیاسا ہوں۔ نان فروش نے جواب دیا۔ میرے پاس کھانا پانی دو دو چیزیں موجود ہیں مگر بغیر قیمت کے نہیں دے سکتا۔ مُلّا صاحب نے ہر چند خوشامد کی وعظ کہا۔ مگر نان فروش بغیر قیمت کے دینے سے انکار کرتا رہا۔ مُلّا صاحب کی آہ و زاری پر بالآخر رحم آ ہی گیا۔ نان فروش نے کہا اچھا اس شرط پر کھانا اور پانی دے سکتا ہوں کہ تم اپنی زبان سے کہدو کہ میں نے ساتوں حج کا ثواب تمہیں دیا۔ مُلّا صاحب نے خیال کیا زبان سے کہدینا کوئی چیز نہیں ہے۔ اس سے میرا ثواب ضائع نہ ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میں نے روٹی پانی کے بدلے سات حج کا ثواب تمہیں دیا۔ نان فروش نے

یہ سنتے ہی خوان ان کے آگے رکھ دیا اور انھوں نے خوب پیٹ بھر کر روٹی کھائی اور ٹھنڈا پانی پیا۔ کھا پی کر مُلّا صاحب نے نان فروش سے پوچھا تم کہاں رہتے ہو، یہاں قریب کوئی آبادی بھی ہے۔ نان فروش نے کہا کہ میں روٹی فروخت کرتا ہوں اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا یہ کہہ کر وہ اپنے خالی برتن لے کر غار سے باہر آیا۔ مُلّا صاحب چھپ کر اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ لیکن وہ غار سے باہر نکلتے ہی پہاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ مُلّا صاحب نے اس نان فروش کو ہر چند تلاش کیا کہیں پتہ نہ لگا۔ مجبور ہو کر مُلّا صاحب دریا کے کنارے آ بیٹھے۔ شاید کوئی کشتی یا جہاز ادھر سے گذرے۔ تین دن رات گذر گئے بھوک پیاس سے پھر ان کی حالت خراب ہو گئی وہی نان فروش پھر خوان سر پر رکھے دکھائی دیا اور اس نے اس شرط پر روٹی کھلائی کہ ساری عمر کے روزوں کا ثواب زبانی ان سے لے لیا۔ آج وہ جانے لگا تو مُلّا صاحب نے تعاقب کیا مگر وہ پھر غائب ہو گیا۔ تین دن کے بعد وہ کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد وہ تین دن کے بعد پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی نمازوں کا ثواب لے کر چلا گیا۔ تین دن رات کے بعد وہ شخص پھر کھانا لے کر آیا۔ مُلّا صاحب کہنے لگے کہ میں سات حج کا ثواب دے چکا، ساری عمر کے روزوں کا ثواب بخش چکا، ساری عمر کی نمازوں کا ثواب دے چکا۔ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ نان فروش نے کہا۔ اچھا ایک تحریر لکھ دو کہ میں نے ایک وقت کی روٹی پانی کے بدلے میں سات حج کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کے روزوں کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کی نمازوں کا ثواب فروخت کیا۔ اور آج میں ایک وقت کی روٹی پانی کے بدلے یہ تحریر دے رہا ہوں۔ نان فروش کی ہدایت کے بموجب مُلّا صاحب نے تحریر دے دی۔ اور نیچے اپنا نام و مقام اور پتہ تحریر کر دیا۔ کھانا کھانے کے بعد خالی برتن لے کر نان فروش حسب معمول پہاڑیوں کے چکر میں غائب ہو گیا۔ مُلّا صاحب مجبور ہو کر سمندر کے کنارے آ کر بیٹھ گئے۔ سامنے سے ایک جہاز آتا دکھائی دیا۔ مُلّا صاحب نے اپنا عمامہ ہلا کر جہاز رانوں کو اپنی طرف توجہ دلائی۔ تھوڑی دیر میں جہاز کنارے آ لگا۔ اور وہ اس میں سوار ہو کر ہندوستان آ گئے۔ اس جہاز میں ہندوستانی حجاج سوار تھے۔ انھوں نے مُلّا صاحب کی خوب خاطر تواضع کی۔ مُلّا صاحب اپنے گھر آئے۔ بال بچوں کو دیکھا اور اطمینان کا سانس لیا۔

ایک دن مُلّا صاحب حضرت شیخ العالم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کیلئے آئے۔ اس وقت بڑے بڑے علماء و فضلاء حضرت کی خدمت میں دست بستہ حاضر تھے۔ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر مولانا صاحب پر پڑی تو آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور بہت ہی اخلاق کے ساتھ ارشاد فرمایا آیئے۔ مولانا صاحب بہت عرصہ کے بعد آنا ہوا۔ ہم آپ کو ہمیشہ یاد کرتے رہے تھے۔ کہئے کیا وجہ ہوئی اتنے عرصے تک آپ یہاں تشریف نہیں لائے؟ مُلّا صاحب نے اپنی خشک عادت کے موافق حضرت سے مصافحہ کیا اور آپ کے قریب بڑی نخوت و تمکنت کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حاضرین مجلس کو اگرچہ مُلّا صاحب کی یہ حرکت سخت ناگوار محسوس ہوئی مگر وہ بپاس ادب اس وقت کچھ بول نہ سکے۔ آخر بابا صاحب نے مولانا صاحب سے دریافت کیا۔ آخر اتنی مدت تک آپ کہاں رہے کیوں نہیں آئے تھے؟ مُلّا صاحب نے متکبرانہ انداز میں جواب دیا۔ جناب میں اس ملک میں موجود نہ تھا حج کرنے گیا تھا۔ سات برس تک مکہ معظمہ میں رہا۔ سات دفعہ مدینہ طیبہ کی زیارت کی۔ واپسی میں جہاز کی تباہی کا صدمہ اٹھایا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راستہ کی مصیبتیں ختم ہوئیں اور میں بخیریت تمام گھر پہنچا۔ اور سب اہل و عیال کو سلامت اور خوش و خرم دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔

حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مُلّا صاحب سے کہا۔ یہ تو فرمایئے کہ آپ ہم سے خفا تو نہیں۔ مُلّا صاحب نے جواب دیا۔ میں خفا ہی کب تھا۔ شیخ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ سات سال پہلے آپ یہاں سے ناراض ہو کر گئے تھے میں اس خفگی کا ذکر کر رہا ہوں۔ مُلّا صاحب نے کہا۔ مجھے یاد نہیں کیا بات ہوئی تھی۔ آپ ذکر کیجئے، شاید مجھے یاد آ جائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ اسلام کے رکن کتنے ہوتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا تھا کہ اسلام کے پانچ رکن ہوتے ہیں لیکن میں نے کہا تھا کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی بھی ہے آپ خفا ہو گئے تھے اور خفا ہو کر چلے گئے تھے۔ (م بقیہ مضمون صفحہ ۴۰ پر ملاحظہ ہو)

آداب سلام و کلام

قرآن و احادیث کی روشنی میں

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا (سورہ نساء) جب تم کو سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طریقے سے اس کا جواب دو یا ویسا ہی جواب دو

عن النبی ...... قال افشوا السلام تسلموا

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام کو رواج دو سلامت رہو گے"

آپ نے فرمایا کہ تم جنت میں داخل نہ ہو گے، جب تک کہ مومن نہ ہو گے اور مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس محبت نہ رکھو۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتا دوں جس کے سبب سے تم میں محبت پیدا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ "سلام کو آپس میں رواج دو" (عن ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشکوٰۃ ص ۲۹۵)

"اللہ کی عبادت کرو اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو شہرت دو، جنت میں داخل ہو جاؤ گے" (عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قریب تر خدا سے وہ لوگ ہیں جو پہلے سلام کرتے ہیں" (عن ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو داؤد ترمذی) سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ "سلام کرنا نفل ہے اور جواب دینا فرض ہے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کے گھر میں جاؤ تو گھر والوں سے سلام علیک کرو اور جب واپس ہونے لگو تب بھی گھر والوں کو سلام کرو (مشکوٰۃ) سوار پیدل کو سلام کرے اور ...... چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والوں میں سے جو پہلے سلام کرے وہ افضل ہے۔ (عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) "خورد بزرگ کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور قلیل کثیر کو سلام کریں"۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم شب کو (اپنے گھر میں) آتے تھے اور سلام علیک کہتے تھے اور سوتے ہوؤں کو سلام کے لئے بیدار نہیں فرماتے جو جاگتا ہوتا وہ سن لیتا تھا (ادب المفرد) "اور" جب آپ کا گزر بچوں پر ہوتا تو ان کو سلام کہتے۔ حضرت اسما بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ہم پر نساء میں گزرے ہم کو سلام کیا (عن انس نسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ترمذی کا لفظ یہ ہے کہ (آپ نے) سلام کے لئے ہاتھ جھکایا (ابو داؤد ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اسلام میں کیا چیز بہتر ہے آپ نے فرمایا کہ "کھانا کھلانا" اور واقفوں اور ناواقفوں سے سلام علیک کرنا (ادب المفرد ص ۱۴۷) حدیث عمران بن حصین میں آیا ہے ...... بڑا عاجز وہ شخص ہے جو دعا میں عاجز ہے بڑا بخیل وہ شخص ہے جو سلام میں بخل کرتا ہے۔ (رواہ طبرانی فی الاوسط) حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ سوار ہو گیا وہ ایک قوم کے پاس سے گزرے وہ السلام علیکم کہتے تو لوگ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے تھے۔ اور وہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے تو وہ لوگ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آج یہ لوگ فضیلت میں ہم سے بہت بڑھ گئے (ادب المفرد) حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک

شخص آپ کے پاس سے گزرا اس نے کہا السلام علیکم آپ نے فرمایا کہ اس کے لیے دس نیکیاں ہیں پھر دوسرا گزرا تو اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے بیس نیکیاں ہیں اور پھر تیسرا شخص گزرا تو اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ نے فرمایا کہ اس کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔ ایک شخص مجلس سے اٹھ کر گیا اور سلام نہیں کیا آپ نے فرمایا کہ تمہارا دوست کیسا جلد بھول گیا۔ جب تم میں سے کوئی شخص محفل میں آئے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ سلام کرے اگر بیٹھنے کا ارادہ ہو تو بیٹھے اور جب وہاں سے اٹھے تو بھی سلام کرے (ادب المفرد) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصری میں نکلتے تو راستہ میں ہر شخص کو ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرتے۔ (اسوہ صحابہ ج ۱ ص ۳۰۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ بازار میں جاتے تو ہر دوکاندار، ہر مسکین اور ہر مسافر غرض ہر شخص کو سلام کرتے، ایک شخص نے پوچھا کہ جب بازار میں آپ سودا خرید تے ہیں، نہ بھاؤ کرتے اور نہ کہیں بیٹھتے ہیں پھر کس کام سے تشریف لاتے ہیں فرمایا صرف سلام کرنے کے لیے وہ جب سلام کا جواب دیتے ہیں تو سلام کرنے والے کے جواب میں بعض فقرے کا اضافہ کر دیتے۔ ایک بار ایک شخص نے سلام کہا تو آخر میں انھوں نے جو جواب دیا وہ بہت طویل تھا یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ وطیب صلوٰتہ (اسوہ صحابہ ج ۱ ص ۳۰۱)

اگر صحابہ کے درمیان ایک درخت بھی حائل ہو جاتا تو اس کی آڑ سے نکلنے کے بعد جب دوبارہ سامنا ہوتا تو باہم سلام کرتے۔ (ادب المفرد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی، عیسائی، مجوسی کوئی ہو سب کے سلام کا جواب دینا چاہیے۔ (اسوۂ صحابہ ج ۱ ص ۳۰۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ شراب پینے والوں کو سلام علیک نہ کرو (کیونکہ) تم پر فاسق کا کوئی حق نہیں۔ (ادب المفرد) سلام علیکم کی بجائے بندگی کہنا قریب کفر ہے باقی الفاظ تسلیم، آداب وغیرہ بدعت ہیں۔ (ہدایت المتقین ص ۱۹۸)

مصافحہ من تمام ادی تمام اخلاق سلام علیک کا تتمہ ہے کہ اپنے بھائی سے مصافحہ کیا جائے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (باہم) ملتے مصافحہ کرتے جب سفر سے واپس آتے تو معانقہ کرتے۔ (الجامع)

جناب حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مرفوع ہے کہ جب دو مومن (باہم) ملتے ہیں اور پھر سلام کر کے ایک دوسرے کا مصافحہ کے لیے ہاتھ پکڑتا ہے تو دونوں کی خطائیں ایسی جھڑ جاتی ہیں جیسے درخت کے پتے۔

حدیث میں ذکر معانقہ کا ایک ہاتھ سے آیا ہے دونوں ہاتھ سے مصافحہ سنت مرفوعہ سے نہیں ہے بعض سلف سے ماثور منقول ہے (ترغیب ترہیب)

دست بوسی سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی ۔۔۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو بوسہ دیتی تھیں (عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادب المفرد)

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو دیکھا کہ وہ (حضرت) عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیتے تھے۔ (ادب المفرد)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا تھا۔ (کیمیائے سعادت ص ۲۰۸)

بغل گیر ہونا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جب ہم کسی دوست کے پاس جائیں تو جھک کر تعظیم کریں فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا کہ اس کا ہاتھ چومیں فرمایا [illegible] کیا مصافحہ کریں فرمایا ہاں۔ لیکن جب سفر سے کوئی آئے تو [illegible] اور بغل گیر ہونا سنت ہے۔ (کیمیائے سعادت)

[illegible] تاکہ اللہ [illegible] رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد اور تعظیم کرو۔

[illegible] حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر تشریف لائے جب مسجد سے قریب ہوئے تو حاضرین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہو جاؤ طرف اپنے بشر کے یا آپ نے سردار کے سیّد (بخاری و مسلم)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرماتے اور باتیں کرتے رہتے پھر جب حضور تشریف لے جانے لگتے تو ہم اتنا قیام کرتے کہ حضور اپنی بعض بیویوں کے گھروں میں داخل ہو جاتے۔ (مشکوٰۃ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مدینہ آئے تو آپ نے ان کے لیے قیام فرمایا اور ان سے معانقہ کیا اور ان کو بوسہ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ محکوم کا اپنے رئیس فاضل اور حاکم عادل کے لیے اور شاگرد کا استاد کے لیے قیام کرنا مستحب ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی پر سہارا دیئے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح عجمی لوگ (اپنے سردار کو) تا دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور ایک کی ایک تعظیم دیتے ہیں تم (لوگ) اس طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔ (الادب المفرد وسنن ابی داؤد) آپ ہی سے یہ دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص ہمیں محبوب نہ تھا آپ کے واسطے ہم سروقد دیکھنے کی (لیے) اٹھتے تھے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جہاں یہ عادت ہو گئی ہو کہ وہاں اگر کوئی تعظیم کے واسطے سروقد کھڑا ہو تو مضائقہ نہیں ہے لوگوں کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا منع ہے۔ (کیمیائے سعادت)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس بات کو دوست رکھے کہ لوگ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں اور وہ خود بیٹھا رہے اس سے کہو کہ دوزخ میں اپنی جگہ مقرر کرے۔ (کیمیائے سعادت)

[illegible] اور اپنی آواز کو پست کر۔

قُولُوا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا — نرمی سے بات کرو

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا — لوگوں سے اچھی بات کرو۔

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا — ٹھکانے کی بات کرو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل تم لوگ کے جلدی جلدی بات نہ کرتے تھے بلکہ صاف کلام کے ساتھ بات کرتے اور (گفتگو میں الفاظ جدا جدا ہوتے) جو شخص پاس بیٹھا ہوتا اس کو یاد کر لیتا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۳۸)

(بلکہ تمہاری طرح بہت گفتگو نہ فرماتے تھے آپ کا کلام مختصر ہوتا تھا اور تم کسی قدر اس کو پھیلاتے ہو۔ (صحیحین عن عائشہ)

آپ کم سخن نرم گفتار جب بولتے تو بہت کلام نہ کرتے آپ کی تقریر منظم موتیوں کی سی لڑی تھی (طبرانی عن سعید)

آپ کی آواز بلند اور لہجہ سب سے اچھا تھا سکوت بہت فرماتے اور بدون حاجت لب مبارک کو گفتگو کے لیے نہ ہلاتے (ترمذی)

لفظ نامعقول زبان پر نہ لاتے اور حالت رضا اور غضب میں بجز حق کے اور کچھ نہ فرماتے (ابوداؤد)

جو کوئی بُرا لفظ بولتا اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے (ترمذی) اور جو لفظ آپ کو بُرا معلوم ہوتا اور بہ مجبوری کہنا پڑتا تو اس کو صراحتاً نہ فرماتے اشارۃً ارشاد فرماتے۔ (احیاء العلوم) جب آپ خاموش ہو جاتے تو جلیس بولتے آپ کے پاس کوئی دوسرے کی بات نہ کاٹتا۔ (ترمذی در شمائل)

سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام سے ان کے رشتہ کے ماموں روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان نہ کھولتے تھے مگر اس بات میں جو آپ کے صحابہ کے لیے مفید ہوتی اور صحابہ سے الفت کی باتیں کیا کرتے (ان سے سخت کلامی اور کج خلقی کر کے) انھیں متنفر نہ کرتے۔ اپنے صحابہ کی آپ خبر گیری فرماتے تھے اور لوگوں کے حالات پوچھا کرتے تھے۔ جو بات اچھی ہوتی اس کی تعریف فرماتے اور اس کی تائید بھی کر دیتے تھے اور جو بات بُری ہوتی اس کی برائیاں بیان کر دیتے تھے اور اس کو کمزور کر دیتے تھے حق کہنے میں کبھی آپ کمی نہ کرتے تھے اور اس سے آگے نہ

بڑھتے تھے۔ (اسد الغابہ جلد اول) اللہ تعالیٰ بُرا جانتا ہے بلند آواز والے کو اور دوست رکھتا ہے پست آواز والے کو۔ (عن ابی امامہ)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اگر تم تین آدمی ہو تو دو آدمی تیسرے سے چُھپا کر بات نہ کرو اس لیے کہ اس سے تیسرے کو رنج ہوگا۔ (ادب المفرد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں سے اُن کے درجے کے موافق پیش آؤ۔ (مشکوٰۃ)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی آدمی بات کر کے کہیں چلا جائے تو اس کی بات امانت ہے (کنز)

صدق وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٥ — اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ گڈ مڈ نہ کرو اور جان بوجھ کر حق بات کو نہ چھپاؤ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ مرفوع یہ ہے کہ حضور سرور کائنات نے فرمایا میرے لئے چھ چیزوں کو تم قبول کر دیں تمہارے لئے جنت قبول کرتا ہوں کوئی شخص تم میں کا جب بات کرے تو جھوٹ نہ بولے جب وعدہ کرے تو خلاف نہ کرے جب امین مقرر ہو تو خیانت نہ کرے۔ تم چشم پوشی کرو۔ ہاتھوں کو روکو۔ شرمگاہوں کو بچاؤ۔ (ابو یعلیٰ)

اِجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ كُوْنُوا مَعَ الصَّادِقِيْنَ — جھوٹ بات سے بچو۔ سچوں کا ساتھ دو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سچ (کا) بولنا تم پر لازم ہے کیونکہ سچ بہتری کی ہدایت کرتا ہے اور بھلائی جنت میں پہنچاتی ہے اور بیشک جو آدمی سچ بولتا ہے اللہ کے نزدیک صدیق کہلایا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

جھوٹ کسی طرح بھی ٹھیک نہیں خواہ مذاق میں ہو یا بغیر مذاق اور ہرگز ٹھیک نہیں کہ [illegible]

کا ارادہ نہ ہو (ادب المفرد) سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے جھوٹ بات ایسے طور پر بیان کرو کہ اس کو سچا سمجھے (عن سفیان بن اسد آداب المتقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات (باور کر کے) بیان کرتا رہے۔ (مشکوٰۃ)

"اچھی بات کرنا نہ بولنے سے بہتر ہے۔"

"نہ بولنا بُری باتیں لانے سے اچھا ہے۔"

(۱) اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ — اپنی زبان قابو میں رکھو۔

(۲) اَلصِّدْقُ يُنْجِي وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ — سچ بچاتا ہے اور جھوٹ مارتا ہے۔

(۳) اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ۔ — غصہ آئے تو چپ ہو جاؤ۔

(۴) بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا — خوشی کی باتیں بتاؤ بھڑکاؤ نہیں۔

(۵) مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ — جسے قسم کھانی ہی پڑے وہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔

(۶) اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ — بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے

غیبت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (سورہ حجرات) — مسلمانوں (لوگوں کی نسبت) بہت شک کرنے سے بچتے رہو کیونکہ بعض شک (داخل) گناہ ہیں اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک کو ایک پیٹھ پیچھے برا کہے۔

غیبت یہ ہے کہ وہ عیب بیان کرے بھائی کا جو اس میں موجود نہیں (کنز) ایک روایت میں ہے کہ اگر تم وہ عیب بیان کرتے ہو جو تمہارے بھائی میں موجود ہیں تو غیبت کرتے ہو اور اگر ایسی بات بیان کرو جو اس میں نہیں تو بہتان لگاتے ہو (مشکوٰۃ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا۔

اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا — غیبت زنا سے سخت تر ہے۔

(بخاری)

زبان کی حفاظت حضرت انس رضی تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو فحش گو تھے نہ لعنت کرنے والے اور نہ دشنام دینے والے تھے بلکہ غصہ اور عتاب کے وقت آپ صرف اتنا فرمایا کرتے تھے۔ اُسے کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔" (بخاری)

جناب سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس چیز کی نگہداشت کرے گا جو اس کے دونوں جبڑوں (کے درمیان) میں ہے (یعنی زبان) اور جو اس کی دونوں ٹانگوں میں ہے میں اس کے لئے بہشت کا ذمہ دار ہوں۔ (عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشکوٰۃ)

کم گوئی قَالَ عَلَیْكَ — (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهٗ مَطْرَدَةٌ — ارشاد فرمایا تو (ابوذر) ....
لِلشَّیْطَانِ وَعَوْنٌ لَّكَ — .... بہت سکوت و
عَلٰی اَمْرِ دِیْنِكَ — خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرلے
کیونکہ اس سے شیطان بھاگے گا اور تیرے دینی کام میں تجھے مدد ملے گی۔ (مشکوٰۃ)

جناب عمران بن حصین سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی آدمی کا رتبہ خدا کے نزدیک صرف خاموشی کی وجہ سے ۶۰ برس کی عبادت سے افضل ہوتا ہے۔ (حصین)

بدگمانی جناب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لوگو) اپنے تئیں بدگمانی سے دور رکھو کیونکہ بدگمانی بہت ہی جھوٹی بات ہے اور لوگوں کے پوشیدہ عیوب نہ ٹٹولو اور ان کی جستجو نہ کرو (عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب الادب المفرد)

عیب جوئی وَلَا تَلْمِزُوْٓا — اور آپس میں ایک دوسرے کو
اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا — طعن نہ دو اور نہ ایک دوسرے
بِالْاَلْقَابِ۔ (حجرات) — کو نام دھرو۔

جب تم اپنے ساتھی کی عیب جوئی کرو تو اول اپنے عیوب پر نظر کرلو۔

چغل خوری هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ (نون) عیب جو چغل خور ہر عیب
وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (ہمزہ) خواہ ازلی کسنے والے کی خرابی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چغل خور بہشت میں نہیں جائے گا۔" (کتاب الادب بخاری)

تمسخر کرنا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ — مسلمانوں! مرد مردوں پر نہ
اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ — ہنسیں عجب نہیں کہ (جن پر
عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ — ہنستے ہیں) وہ (خدا کے نزدیک)
وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ — ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں
یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا — عورتوں پر (ہنسیں) عجب نہیں
اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ — کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ ان سے
بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ — بہتر ہوں اور آپس میں ایک
وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ — دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ
الظّٰلِمُوْنَ۔ (حجرات) — ایک دوسرے کو نام دھرو ایمان
لائے پیچھے بدتہذیبی کا نام ہی برا ہے اور جو (ان حرکات سے) باز نہ آئیں تو وہی (خدا کے نزدیک) ظالم ہیں

لَا تُمَارِ اَخَاكَ — نہ (اپنے بھائی سے) ہنسی کرو۔

غزلیں

شہاب جعفری

اس دھوپ سے کیا گلہ ہے مجھ کو
سائے نے جلا دیا ہے مجھ کو

میں نالۂ سکوتِ سنگ کا ہوں
صحرا نے بہت سنا ہے مجھ کو

میں لفظ کی طرح بے زباں تھا
معنی نے ادا کیا ہے مجھ کو

پتھر پہ مری صدا کا سایہ
آئینہ دکھا رہا ہے مجھ کو

ہر سچ کا نصیب سنگ ساری
اور سچ ہی سے واسطہ ہے مجھ کو

خائف نہیں مرگِ ناگہاں سے
جینے کا وہ حوصلہ ہے مجھ کو

آواز دے مجھ کو تیرگی میں
آواز ہی نقشِ پا ہے مجھ کو

اب میں بھی اٹھاؤں کوئی پتھر
سچ بول کے کیا ملا ہے مجھ کو

آزاد گلاٹی

شب کا پردہ بھی نہ یادوں پہ گرانے دے گا
چاند نکلا، تو کئی زخم پرانے دے گا

گر ملا بھی تو وہ پوچھے گا، کہ تم کیسے ہو
وہ خوشی دے گا تو اشکوں کے بہانے دے گا

زہر اس کا ہی مرے واسطے امرت ہو گا
ناگ غم کا مجھے خوشیوں کے خزانے دے گا

اس کی پرچھائیں ڈرائے گی اسے رات گئے
اس کا سایا ہی نہ اس کو یہاں آنے دے گا

کھو بھی جاؤں میں اگر وحشتِ فراموشی میں
میرا ماضی مجھے یادوں کے فسانے دے گا

اپنی انجمن کے سرابوں کا ہی آسیب آزاد
چپ کے صحرا میں نہ آواز لگانے دے گا

ظہیر غازی پوری

صحراؤں میں گم ہو جا کہیں شہر میں کھو جا
یا اے مرے احساس تو پتھر ہی کا ہو جا

چہرے پہ لگائے ہوئے رنگوں کو پرکھ لے
ہر شخص کو تنقید کی بارش سے بھگو جا

اے بادِ مخالف ذرا دیکھوں تری رفتار
مجھ کو بھی کسی ریت کے تودے میں سمو جا

ہر نقش کو تو بخش دے اک منفرد انداز
یا پھر کسی اک نقش کا پابند ہی ہو جا

اب تک نہ ملا کوئی مرے جذبوں کا ثانی
لفظوں کے سمندر میں اتر کر بھی تو کھو جا

یوں کہہ نہ غزل خونِ جگر جلنے لگا ہے
پھر رات ہی باقی ہے ظہیر اب ذرا سو جا

تنقید و تبصرہ

برائے تبصرہ ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہے

کتاب: ندائے یارسول اللہ
مصنف: علامہ مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی
ناشر: حق اکیڈمی مبارک پور اعظم گڈھ (یو۔پی)

بحرالعلوم علامہ مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دنیائے مذہب و ملت میں کسی تعارف کے محتاج نہیں اس باوقار شخصیت کو اپنے علم و ادب، خلوص و محبت اور مجاہدانہ کردار کی شمع جلائے کوئی دو چار برس نہیں بلکہ زمانہ بیت گیا۔ حقیقت یوں بھی ظاہر ہے کہ جو بیک وقت عظیم الشان مدرس و مفتی، خطیب و مناظر اور قلم کا مایۂ ناز شہنشاہ ہوگا اس کی مجموعی حیثیت پوشیدہ بھی کہاں رہ سکتی ہے۔ فرائض افتاء انجام دینے کا وقت آتا ہے تو دلائل و اثبات اور مستند حوالہ جات کا انبار لگا کر رکھ دیتے ہیں۔ تختِ تدریس پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو افہام و تفہیم اور ذہنی وسعتوں کا فلک تعمیر کر دیتے ہیں۔ میدان خطابت میں قدم رکھتے ہیں تو حدیث و تفسیر اور منطق و فلسفہ کا سمندر معلوم ہوتے ہیں۔ سریر مناظرہ پر براجمان ہوتے ہیں تو پرستاران باطل کے چہرے بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں اور یہی حال ہے قلم کی تجربہ کاری کا کہ جب جب بھی اپنے رنگ پر آتا ہے نام نہاد مسلمانوں کو صدق و صداقت کی چوکھٹ چومنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔

"ندائے یارسول اللہ" کے سلسلے میں جذبۂ تنکیر کے اظہار نے دنیائے حق شناس میں جو زبردست رخنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اہلِ صداقت سے پوشیدہ نہیں۔ حقیقت پرستی سے کتراتے ہوئے سفاکانہ رول ادا کرنے والوں نے جب جب بھی عظمت اسلامی کو کفری راستے کی جانب لے جانے کی سعی لاحاصل کی ہے عاشقانِ رسول نے کلائیاں مروڑ کر رکھ دی ہیں۔ انھیں محافظین دین کی صف میں علامہ مفتی عبدالمنان صاحب کا بھی نام گرامی شامل ہے۔ علامہ موصوف کی تازہ ترین تصنیف "ندائے یارسول اللہ" جو محنت و کاوش کا لازوال نتیجہ ہے حقیقت کے ان تمام گوشوں کو اجاگر کرتا ہے جو ندائے یارسول اللہ کے سلسلے میں صحابہ و تابعین، علماء و صلحاء، ائمہ و مجتہدین اور مفتی و قاضی وغیرہ سے ثابت ہے۔ مستند اور ایمان افروز کتابوں کے حوالہ جات اور ٹھوس استدلال کی روشنی میں ڈوبی ہوئی یہ کتاب دشمنان رسول کے چہروں پر ایک ایسا بھرپور طمانچہ ہے کہ جس کی ضرب کی آواز سے دنیائے معترضین کانپ کانپ جائے گی۔

الغرض مسئلہ "ندائے یارسول اللہ" کی تاریخی حقیقت کا محاصرہ کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے کہ اس عظیم تحفۂ دین کا ضرور مطالعہ کریں علامہ مفتی صاحب نے اتنی ایمان افروز تصنیف فرما کر دنیائے سنت پر بلاشبہ احسان فرمایا ہے۔ ساتھ ہی حق اکیڈمی مبارک پور کی اشاعتی سرگرمیاں بھی قابل داد ہیں۔ "ندائے یارسول اللہ" سلسلۂ اشاعت کی ۳۰ ویں منزل ہے پروردگار ایسے کار خیر کیلئے مزید حوصلہ عطا فرمائے۔ کتابت، طباعت اور کاغذ سبھی غنیمت ہیں۔ نوٹے پیسے کے عوض میں یہ کتاب حق اکیڈمی مبارک پور اعظم گڈھ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

کتاب: "اشرفیہ کا ماضی اور حال"
مصنف: مولانا بدر عالم مصباحی (بدر القادری)
ناشر: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڈھ (یو۔پی)

مدرسہ اشرفیہ (مبارکپور اعظم گڈھ) سے لیکر الجامعۃ الاشرفیہ تک کی پھیلی ہوئی عظیم تاریخ کا ایک اجمالی خاکہ شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے شائع کر کے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ "اشرفیہ کا ماضی اور

حال" کے زیر عنوان رفیق محترم مولانا بدر عالم مصباحی کے نوک قلم سے بھی ہوئی یہ مکمل کتاب جو موصوف کی بے لوث محبت و عقیدت اور بھرپور کاوشوں کا نتیجہ ہے منظر عام پر آچکی ہے اہل صداقت کے لئے اطلاع ہے کہ اس کتاب کو حاصل کرکے پورے اسلامی انہماک کے ساتھ مطالعہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ چند عالمان اسلام کے سائے میں پلنے والی مختصر سی جاں فروش جماعت نے مبارک پور ضلع اعظم گڈھ کی ایک معمولی سی قصباتی حیثیت کو کتنی عظیم تاریخیت کے سانچے میں ڈھال کر رکھ دیا ہے۔ مولانا بدر عالم کی عقیدت مند قلمی کاوشوں نے اشرفیہ یا اجزائے اشرفیہ کا کوئی ایسا پہلو نہیں چھوڑا جس پر روشنی ڈالنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ اس عظیم الشان قصر العلوم کے شب و روز جس کی مذہبی رفتار اور علمی خدمات نے پرستاران اوہام کی دنیا میں کھلبلی مچا کر رکھ دی۔ نتیجہ ہے حضور شاہ حافظ ملت کی دیرینہ مجاہدانہ عظمت اور اجتماعی قربانیوں کا جو آغاز تا ہنوز روح الاشرفیہ بھی تسلیم کئے گئے اور حاصل الجامعۃ الاشرفیہ بھی۔ مزید کیا عرض کروں کتاب منظر عام پر ہے مطالعہ کیجئے اور اس مایۂ ناز بوڑھے مجاہد کی اسلامی خدمات کی ضو فشانیوں میں ڈوب جائیے جسے کائنات اسلام تا قیامت نہ فراموش کر سکے گی۔

اس کتاب کے صفحات پر اشرفیہ کی ان دینی سرگرمیوں کا بھی ذکر ملتا ہے جنھیں آفاقی حیثیت کا علمبردار تسلیم کرتے ہوئے آج زرہ برابر بھی تکلف نہیں ہو رہا ہے۔ مادر علمی کے فرزندان حق شناس نہ یہ کہ صرف اطراف ہند ہی میں تبلیغ اسلام و سنن کے جذبات اجاگر کرتے رہے بلکہ ممالک مغربیہ کے ان گمراہ خطوں میں بھی نعرۂ تکبیر بلند کرکے رکھ دیا جہاں اسلام کا کوئی شعبہ تک محفوظ نہیں تھا اب بفضلہ تعالیٰ نوعیت یہ ہے کہ اشرفیہ کے علمی سمندر میں نہائے ہوئے چند عاشقان رسول نے نہ جانے کتنوں کو حق شناس بنا ڈالا اور نہ جانے کتنے سیاہ آلود علاقوں میں دین و ایمان کے فانوس روشن کردیئے۔ گو کہ موصوف نے ان آفاقی دینی سرگرمیوں کا ذکر اختصاراً کیا ہے۔ تاہم معلومات کے لئے خاصی روشنی ڈال دی گئی ہے۔

آخر میں مجھے اس کتاب کے سلسلے میں یہ اعتراف کرتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ متعلقہ حالات و اطلاعات کے پیش نظر صاحب تصنیف نے جہاں ہر جگہ حقیقت نگاری کے ربط کو برقرار رکھا ہے وہاں ایک دو جگہ پر زبردست چوک کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مثلاً الجامعۃ الاشرفیہ کے سنگ بنیاد کے موقع پر منعقدہ ۵، ۶، ۷، مئی ۱۹۷۲ء کی تعلیمی کانفرنس کی صدارت کس نے فرمائی نظر انداز کر دیا گیا۔ ہفت روزہ "تاجدار" الہ آباد کی مطبوعہ اجلاسی رپورٹ کے ایک حوالہ کی روشنی میں تو کسی قدر یہ پتہ چلتا ہے کہ تعلیمی کانفرنس کی صدارت حضور سید العلماء رشید شاہ آل مصطفےٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی مگر اس سلسلے میں صاحب تصنیف کی جانب سے کوئی وضاحت نہیں کی گئی افسوس ہے۔ حالانکہ بعض تعارفی توضیح جن کے لئے اختصار ہی مناسب سمجھا جاسکتا تھا۔ ان پر بھرپور روشنی ڈالی گئی اور بعض اشارے یا حوالے جو توضیح کے طلبگار تھے محض جھٹکے کی نذر ہو کر رہ گئے۔

بہرکیف مجموعی اعتبار سے "اشرفیہ کا ماضی اور حال" قوم و ملت کے لئے سودمند ثابت ہوگا۔ معلومات کے اضافے اور دینی جذبات کو اجاگر کرنے کے لئے پڑھنا چاہیئے۔ کتابت، طباعت اور کاغذ سبھی بہتر ہیں۔ خصوصاً کتاب کا گردپوش بہت حسین ہے

شعری مجموعہ: اشک خوں

شاعر : مولانا بدر عالم مصباحی

ناشر : انجمن بزم احباب گھوسی اعظم گڈھ (یو۔پی)

مولانا بدر عالم صاحب جتنے اچھے نثر نگار ہیں اتنے ہی اچھے شاعر بھی ہیں۔ شاعری کا رجحان فطری ہے لیکن محض تفریح طبع یا دلچسپی کے طور پر کم شعر کہتے ہیں ان کے شعر و سخن کا بیشتر حصہ اسلامی نظام حیات کی فلاح و بہبود اور قوم بیداری کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ زیر نظر مجموعہ "اشک خوں" جس میں صرف چھ طویل جوشیلی نظمیں شامل ہیں اس حقیقت کی کھل کر نشاندہی کردی ہیں کہ مذہب اسلام اور قوم مسلم کا کیا آفاقی وقار تھا اب کیا ہو کر رہ گیا۔ احساسات و جذبات اور جوش و خروش کی روشنی میں نہائی ہوئی نظموں کا

[illegible] لکھا ہے کہ اے عزت و ناموس اور صراطِ مستقیم سے بچھڑ جانے والی قوم ذہنی جمود کے محبس سے نکل کر اور صاف کہن کی آب و ہوا میں کھو جاؤ۔ شجاعت و انقلاب کی دنیا پر چھا جاؤ فتح و نصرت تمہارے استقبال کے لیے سراپا منتظر ہے۔

۱۔ پیکے اٹھو پھر عزم نو کا ایک طوفان عظیم
تا کہ یاد آجائے دشمن کو ترا زورِ قدیم
ہے ضرورت کام لے تو اسوۂ شبیر سے
ظلم کی بنیاد ڈھا دے نعرۂ تکبیر سے

۲۔ جو کچھ ایسے دیوانے کہ فرزانے بھی شرمائیں
جبیں سائی تمہارے در پہ اہلِ دہر فرمائیں
وفا کی سوزشیں قلب جہاں سوزی کو سکھلائیں

نہ کھاؤ ٹھوکریں رنج و غم درماندگی لیکر
اٹھو پھر نوجوانو! انقلابِ زندگی لیکر

اس مجموعہ میں نظم بہ عنوان "انقلاب زندگی" خصوصیت کے ساتھ متاثر کرتی ہے۔ یوں اپنے اپنے اسلوب و بیان کے اعتبار سے باقی نظمیں بھی دل پر خاصا نقش چھوڑتی ہیں۔ کتابت، طباعت اور کاغذ گوارہ ہے مگر ٹائٹل کود معمولی ہے۔

ایڈیٹر

مضامین صاف اور خوشخط

تحریر فرمایئے

.....ادارہ

تذکرۃ الصالحین

(بقایا)

یہ سن کر مولانا ہنسے اور کہا۔ ہاں ہاں اب مجھے یاد آیا۔ یہ ٹھیک ہے۔ میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ درویش لوگ بے علمی اور کم علمی کے سبب ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں۔ جو شریعت کے خلاف ہوتی ہیں اسلام کے رکن تو پانچ ہی ہیں چھٹا رکن کوئی نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا میں اگرچہ کم علم اور بے علم ہوں مگر میں نے لکھا دیکھا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ مولانا نے خفا ہو کر کہا۔ لکھا ہوا دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھاؤ۔ فوراً ہی حضرت نے خادم کو آواز دے کر فرمایا۔ ہماری فلاں کتاب اٹھا کر لاؤ حضرت نے حاضرین سے فرمایا کہ تم سب لوگ میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ سب لوگ

دور ہٹ گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مولانا کو قریب بلا کر ورق الٹتے ہوئے وہ چیز تلاش کرنے لگے جس کے لئے یہ کتاب منگائی گئی تھی۔ یکایک حضرت نے فرمایا۔ یہ لیجئے یہ عبارت موجود ہے۔ مولانا نے جونہی کتاب کے اوراق پہ نظر ڈالی تو ان کو انہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ عبارت نظر آئی جو انہوں نے بہار کے نان فروش کو دی تھی۔ مولانا نے اپنی تحریر پڑھتے ہی چیخ ماری حضرت شیخ العالم رحمۃ اللہ نے کتاب بند کر دی۔ مولانا حضرت شیخ العالم رحمۃ اللہ کے قدموں پر گر پڑے۔ توبہ کی اور اسی وقت بیعت سے مشرف ہو کر سکوتِ دوام اختیار کیا۔ مرتے دم تک کسی سے بات نہ کی۔

زیر سرپرستی :- حکیم الحاج سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ - سجادہ نشین خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، الہ آباد

ماہنامہ الہ آباد

نمائندہ

جلد ۱ ستمبر ۱۹۷۵ء شمارہ ۳

ایڈیٹر:
سید شمیم گوہر

تہذیب و تزئین:
انیس حنفی
ذوالقدر صدیقی
سید ضمیر اختر

رفقائے ادارہ:
حضرت سید شاہ خلیل احمد صاحب ایم۔ اے
جناب ضمیر صاحب بدایونی
جناب الحاج برکت اللہ صاحب ہندوستان انجینئرنگ ورکس الہ آباد
جناب ارشاد احمد صاحب جنتا ٹرانسپورٹ الہ آباد
جناب انفعال احمد صاحب " "
جناب حافظ قاری الحاج حکیم منور علی صاحب
جناب الحاج جمیل احمد انصاری۔ بعد دہی
جناب ذوالفقار صدیقی صاحب
جناب سید غلام سرور صاحب۔ ایم۔ اے۔ فائنل

شرح خریداری

سالانہ ———— ۱۶ روپے
فی شمارہ ———— ایک روپے پچاس پیسے

کتابت:
وقار صدیقی، الہ آباد

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ:
منیجر ماہنامہ "نمائندہ" ۱۲۷ چک نیا حجرہ
الہ آباد

سید شمیم گوہر ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے اسرار کریمی پریس الہ آباد میں چھپوا کر دفتر نمائندہ ۱۲۷ چک الہ آباد سے شائع کیا۔ صرف کور نیشنل پرنٹرس ۲۷۲ چک میں چھپا۔

سوغاتِ نو

پندرہ اگست

جنگ سے آزادی کے نتیجے میں جو اپنا خون جگر نچھاور کر دینے والے جاں نثاروں کی بنیادی تمنا یہی ہوا کرتی ہے کہ ہمارا دیش نرغۂ اعداء سے نجات پاکر... ایک نئے انقلاب کی سرحد پر قدم رکھے اک نئی اور پُرجوش زندگی کا آغاز کرے جس میں امن وامان کی تجلیاں بھی ہوں اور حق وانصاف کا چمکتا سورج بھی، جمہوریت کی پاکیزگی دیانتداری بھی ہو اور حسنِ مساوات کی بلندی وسرفرازی بھی، فلاح وبہبود کے جذبات بھی ہوں اور اتحاد واستحکام کی بے لوث حرارت بھی، ارتقائی دیانتداری کے جواہر بھی ہوں اور زراعتی عروج کے لئے عرق فشانی بھی، عوام کو سکون واطمینان بھی حاصل ہو اور اشیائے خورد ونوش کی ارزانی بھی، جاں نثارانِ مملکت کی یہی بنیادی خواہش ہوتی ہے اور اسی لئے وہ شمشیر کی دھاروں سے ہنس کر گزر بھی جاتے ہیں مگر آزادی حاصل کرنے کے بعد ان کے خوابوں نے کیا کیا پایا کیا کھویا وہ کسی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ غلامی سے نجات پانے کے بعد شہیدوں کا خون یہی تقاضہ کرتا رہا کہ اے ملک کے باشندو! دیش کی ترقی اور ملی اتحاد کے لئے خون پسینہ ایک کر دو، خلوص ومحبت اور بھائی چارگی کا سمندر بہادو، آزادی کی بہاروں کو گلے سے لگاؤ مگر اندر ہی اندر نعمتِ آزادی سے بغاوت کرنے والے ان تمام خوابوں کو مجروح کرنے پر آمادہ رہے جنھیں اہلِ دفا اپنے ملک کا خیر خواہ اور سچا ہمدرد تصوّر کرتے رہے حالانکہ وہی آستین کا سانپ ثابت ہوئے دیکھنے میں یہی آیا کہ اگر ایک طرف فرزندانِ ملک، دیش کے جمہوری نظام کے لئے قربانیاں پیش کرنے پر کمربستہ رہے تو دوسری طرف ضمیر فروش عناصر دیش کی آبرو کو تہہ وبالا کرنے کا بھی پلان مرتب کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سرگرمیاں جو ناسور بن کر ملک کے داخلی مفاد کا جنازہ نکال دینا چاہتی تھیں اس حد تک تجاوز کرتی چلی گئیں کہ سارا جمہوری آئین درہم برہم نظر آنے لگا اور یہ سلسلہ ابتدائے آزادی سے لیکر تاہنوز جاری رہا۔ آخر کار ایک وقت ایسا بھی آیا جب پانی سر سے اونچا اٹھتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ کیفیتیں نازک سے نازک تر ہوتی گئیں جنھیں محض مسئلۂ غور وفکر سے تعبیر کرنے کے بجائے آخر میں ایسی زنجیروں کے حوالہ کر دیا گیا جہاں جرائم نوازیوں کو حرکت کرنے کی بھی مہلت نہ میسّر ہو پائی، سنگین پوزیشن کا تاریخی تجزیہ کرنے کے بعد مسز اندرا گاندھی نے اپنی وزارتِ عظمیٰ میں ایمرجنسی کے نفاذ کا اعلان کرنے کے بعد ہندستان کو جس بحرانی کیفیت سے بچایا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ہنگامی حالات کا اعلان ہوتے ہی اعدائے مملکت کے سارے کس بل ڈھیلے ہو کر رہ گئے اور ہر وہ شعبہ جہاں جہاں بھی ناسور نما عناصر نظر آئے نیست ونابود کر کے رکھ دیا گیا۔

ایمرجنسی کی اس تاریخ ساز حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس کے ساتھ مکمل انصاف کرتے ہوئے فلاحِ ملک کے سلسلے میں جتنے بھی جمہور نواز اقدامات کا ثبوت پیش کیا گیا ہے آج انھیں دیش کا بچہ بچہ سراہ رہا ہے اور گلے سے لگا رہا ہے۔ ہندوستان کا ہر باشندہ اچھی طرح جان گیا ہے کہ اس ایمرجنسی کے نفاذ نے جتنے بھی معاشی، اقتصادی، سماجی اور زراعتی کارنامے انجام دیئے ہیں اس سے پہلے کبھی نہیں

دیے گئے، یہی وجہ ہے کہ آج ہر طرف سکون و خوشیوں کی لہریں دوڑ چکی ہیں اور اطمینان و آرام کا سانس لیا جا رہا ہے۔ لہٰذا عوام کا فرض ہے کہ اس پندرہ اگست یعنی یوم آزادی کے پرمسرت موقع پر ہنگامی حالات کا استقبال کرتے ہوئے پوری یک جہتی اور محنت کے ساتھ منزلِ ترقی کی طرف قدم بڑھائیں اور وزیر اعظم ہند محترمہ اندرا گاندھی کے ۲۰ نکاتی پروگرام کا فراخ دلانہ احترام کریں۔

شری بہوگنا جی کے قابلِ صد تحسین اقدامات

اتر پردیش کے حوصلہ مند اور غریب نواز وزیر اعلیٰ شری ہیم وتی نندن بہوگنا کے دورِ وزارت کے سماجی، معاشی اور مساواتی حالات و کیفیات کو اگر دورِ زریں سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تجزیاتی پہلو اور عملی کردار آج علی الاعلان دعویٰ کر رہے ہیں کہ آزادی کے بعد سے اتر پردیش کے ایسے سنہرے حالات کبھی نہیں رہے جو آج شری بہوگنا کے دم خم کی بدولت ارتقائی مراحل طے کر رہے ہیں۔ موصوف کے انتظامی اور فراخ طبعی کے کارناموں کا چند سطروں میں شمار کرنا تو ذرا مشکل کام ہے لیکن اس زاویۂ عمل کے ذکر کو اختصار کے باوجود بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو اقلیتوں یا پس ماندہ طبقوں کے سراہے جانے سے متعلق ہے۔ شری بہوگنا جی کے انصاف پسندانہ رجحان نے ان تمام داغہائے کہن کو دھو کر رکھ ڈالا جس سے پہلے جن کی طرف نظرِ التفات تک نہیں کی گئی تھی۔

ہم مثال کے طور پر پورے انہماک کے ساتھ یہ عرض کریں گے کہ اکثر و بیشتر سرکاری محکموں میں جس فراخ دلی کے ساتھ مسلمانوں کو شامل کیا جا رہا ہے اور جتنی خصوصیت کے ساتھ مسلم طبقوں کے دیگر کاروباری سہولتوں کی طرف توجہ مبذول کی جا رہی ہے اس سے پہلے ایسے موجودہ مشاہدات کی نظیر نہیں ملتی۔ جھانسی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے مسٹر وحید ملک اور یو۔ پی گورنمنٹ کے چیف سکریٹری کی حیثیت سے مسٹر محمود بٹ کا تقرر ہونا مسلم اقلیت کے جذبات کا بھرپور احترام کرنا نہیں تو پھر کیا ہے۔

شری بہوگنا جی کی ریاستی حکومت کی ادارہ "نمائندہ" بھرپور اور پورے حوصلہ کے ساتھ تائید و احترام کرتا ہے۔

... ... ادارہ

نوائے آغاز

گزشتہ شمارے کے صفحہ "نوائے آغاز" میں ہم نے یہ بڑے انہماک اور والہانہ طور سے عرض کیا تھا کہ اگر ایک طرف تلخ نوازوں تیرہ ذہنوں اور کھوکھلے لوگوں نے اپنا اپنا ماحول بنا رکھا ہے تو دوسری طرف حق پرستوں، پاکیزہ دماغوں، اور راہ مستقیم پہ چلنے والوں کی بھی ایک وسیع دنیا آباد ہے جس طرف چلے جایئے گا ان کے جلوے نظر آئیں گے اسلامی سرگرمیاں دکھائی دیں گی۔ ایمانی جاہ وجلال کا پتہ چلے گا اور ان کی وہ آوازیں بھی سنائی دیں گی جو کئی مختلف تقاضوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ان آوازوں کی بھیڑ میں ایک وہ آواز جس کی حیثیت کا تعین شاید آج تک نہیں کیا جا سکا۔ ہندوستان میں اس کا خصوصیت کے ساتھ بڑا زور رہتا ہے۔ ہر جانب سے یہ صدا آتی ہے کہ ہندوستان میں سنّی رسائل و جرائد کا مستقبل بہت تاریک ہے۔ ہزاروں پرچوں کے درمیاں چار چھ سنّی پرچے بھی معیاری نہیں شائع ہوتے جو شائع ہونا شروع بھی ہوتے ہیں آئندہ ان کے استحکام کے لئے ذہن مطمئن نہیں رہتا تین چار شمارے کے بعد یہی خدشہ غالب رہتا ہے کہ نہ جانے کب اور کس ماہ میں داغ مفارقت دے جائے۔

ہمیں لوگوں کے ایسے خیال سے انکار اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ایسی غیر مربوط اشاعتی صورت حال ایک بار نہیں بہتیرے مشاہدے میں آچکی ہے۔ بہت سے اخبار و رسائل جاری ہوئے اور روپوش ہوگئے (یا روپوش کر دیئے گئے) لیکن ہم اس سلسلے میں جو عرض کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آخر اکثر وبیشتر سنّی رسائل کے لئے ایسی نازک پوزیشن پیدا کیسے ہو جاتی ہے کچھ دور جانے کے بعد اس کی ناؤ ڈگمگانے کیوں لگتی ہے۔ اس پہلو پر شاید آپ کو ابھی تک فکر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ایسا بھی نہیں کہ اس امر سے متعلق کبھی آپ کو سوچنے یا عمل کرنے کی دعوت نہیں دی گئی۔ سیکڑوں بار دعوت عمل دی جا چکی ہے ہزاروں بار جرس بیداری بجایا جا چکا ہے مگر آپ ہر بار اپنی جمود نوازی ہی کا ثبوت پیش کرتے پر آمادہ رہے اگر آپ اس مسئلہ پر سنجیدگی اور پوری گہرائی کے ساتھ غور کریں گے تو اس حقیقت کا بہر حال اعتراف کرنا پڑے گا کہ سنّی رسائل کو ڈبوتے اور ان کا جنازہ نکالنے کے لئے جتنا بڑا ہاتھ آپ کی غیر ذمہ دارانہ رفتار کا رہتا ہے کسی اور کا نہیں رہتا۔ جب کوئی سنّی رسالہ نکلنا شروع ہوتا ہے تو ابتدائی دور میں لوگ سالانہ خریدار بننے یا مالی معاونت کرنے سے اس طرح احتراز کرتے ہیں جیسے معلوم ہو کوئی بھاری خطا سرزد ہو جائے گی۔ اور جب وہی رسالہ ستم ظریفئ یاراں کی بھینٹ چڑھ کر دنیائے اہل سنّت کو خیرباد کہہ جاتا ہے تو بجائے اپنے گریباں میں جھانکنے کے تضحیک نوازی سے کام لینا شروع کر دیا جاتا ہے اب آپ ہی غور کریں کہ بنیادی ذمہ داری کس پہ عائد ہوتی ہے۔

گوناگوں تجربات کی ضرب کاریوں نے ہمیں بھی کافی متاثر ہونے پہ مجبور کیا ہے ہمارے بھی حوصلوں کو چھین لینا چاہا تھا مگر ہر کا یہ مزاج نہیں کہ راہِ فرار اختیار کرنے کا خواہاں ہو جائے حالانکہ اجرائے نمائندہ سے پہلے ہم بھی بڑے بڑے وعدوں کا ذائقہ چکھ چکے ہیں ہم بھی

نرم وشیریں زبانی سہاروں سے لطف اندوز ہو چکے ہیں مگر جہاں تک ہمارے کرم فرماؤں کی افادہ بخش نتیجہ خیزی کا تعلق ہے ابھی تک وہ اجتماعی صورت حال نہیں پیدا کر سکی جس کی بنیاد پر ہم تجزیہ سرا دنچا کر سکتے مگر ہاں ان کیفیات کے باوجود بھی خالقِ کائنات کا لاکھ لاکھ احسان وکرم ہے کہ ہم حسرت ویاس کی اس منزل پر اپنے آپ کو قطعی نہیں پا رہے ہیں جہاں اپنا کوئی نظر نہ آتا ہو۔ نمائندہ نے ابتدائی ہی مراحل میں بے شمار لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور انشاء اللہ پوری پوری توقع ہے کہ اس کے خیر خواہوں اور قدردانوں کی تعداد میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا۔ اکثر وبیشتر لوگ نئے رسالہ کے خریدار بننے یا معاونت کرنے سے اس لئے اجتناب کرنے لگتے ہیں کہ کہیں چار چھ شماروں کے بعد سلسلۂ اشاعت دم نہ توڑ دے جیسا کہ گذشتہ مشاہدوں سے ظاہر ہے ایسے حضرات کے لئے ہمارا پیغام ہے کہ ایسے فرسودہ نظریہ کے تحت ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ قاعدہ یہی ہے کہ کسی کام کے ابتدائی مراحل میں زیادہ سے زیادہ تقویت پہنچانے کی سبیل اختیار کرنی چاہیئے جب ابتدا مستحکم ہو جاتی ہے تو انتہائی تنزلی کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔ آپ حضرات سے ہماری درخواست ہے کہ ایسے رجحان کے پیشِ نظر ہمیں اور زیادہ فکرمندی کا شکار نہ بنائیں اور سالانہ خریدار بننے بنانے، اشتہارات دینے اور شہر شہر، قصبہ قصبہ ایجنسیاں قائم کرانے میں قطعی تکلف سے کام نہ لیں۔ نمائندہ کی فلاح وبقا اور اس کا دارومدار آپ ہی حضرات کی معاونت اور خیر خواہی پر ہے سنّی رسائل کو زندہ رکھنا آپ کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔

جہاں تک نمائندہ کے تحریری معیار کی بات ہے اس سلسلے میں ہماری برابر یہی کوشش رہتی ہے کہ مضامین اچھے، معیاری معلوماتی اور دلچسپ ہوں اور ہر مکتبۂ ذہن وفکر کے افراد استفادہ کر سکیں۔ معیاری اور صاف ستھرے مضامین کی فراہمی گو کہ اک دشوار کن مسئلہ تاہم نمائندہ پھکڑ، سستے اور ڈھیلے مضامین سے برابر دور رہتا ہے۔ مزید کچھ نہیں عرض کرنا ہے تیسرا مستند شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ تازہ شمارہ کی روشنی میں آپ کی اچھی یا بُری آرا کا ہمیں انتظار رہے گا ساتھ ہی ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ اب آپ کے دینی حوصلے اور نمائندہ نوازی کے جذبات کس حد تک ساتھ دینے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

..... ایڈیٹر

"اِنّا للہ ––––––––"

حضرت ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقؔ

خشتِ اوّل
پئے تعمیر مکانِ امکاں
جس کی تخلیق میں قدروں کا توازن پنہاں
لاجرم بن کے رہی رقصِ زمیں کا محور
حلقۂ نور ہوئی سطحِ مدارِ ارضی
قطرۂ شبنم صبحِ کاذب
چمنِ زیست میں ہر غنچۂ نورس کے لئے
باعثِ چشم کشادن ٹھہرا
شانۂ موجِ نسیمِ گلشن
پئے بہ پئے کھول چلا
گیسوئے مشکین و گرہگیر نگارِ ہستی
جل اٹھی شمعِ یقیں
دل میں اجالا پھیلا
ہر روش آیتِ آیاتِ الٰہی کی طرح
دعوتِ فکر و نظر دینے لگی
وہ نظر جس کے لئے حق ہے مِنَ العِلمِ قلیلُ کی سند
اس قدر تیز ہوئی تیز ہوئی تیز ہوئی
سرحدِ کشورِ ادراک سے آگے جاکر
اک چکاچوندھ میں کھو آئی بصیرت اپنی
سانحہ سخت جو تھا
ہل گئی بنیادِ وفا
گر گیا نخوتِ علمی کا حجابِ اکبر
آہ! وہ عشق کا فانوسِ ضیا بارِ حسیں
ضربتِ سنگِ شک و وہم کی زد میں آکر
بسکہ معدوم ہوا
شمعِ یقیں بجھ گئی
اِنّا للہ ....

○

گذشتہ سے پیوستہ

حقائق و معارف

نقطۂ بائے بسم اللہ

صاحب ہفت لسان حضرت علامہ الحاج محمد عاشق الرحمن رضا قبلہ قادری

جیسا کہ اس سے پہلے نقطۂ بائے بسم اللہ کے عنوان پر لکھتے ہوئے بتایا جا چکا ہے صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ بسم اللہ کی حرف ب سے عدم سے وجود ظاہر ہوا ہے اور اس نقطے سے بندے کو خدا سے تمیز ہوئی ہے۔ حضرت شیخ اکبر سیدنا محی الدین ابن العربی حاتمی طائی اندلسی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں۔ یالباء ظھر الوجود و بنقطتہ تمیّز العابد من المعبود اگر اس کا مصداق کا مل تلاش کیا جائے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سوا کوئی دوسرا نہیں مل سکتا۔ انھیں سے وجود کا ظہور ہوا ہے اور امور اضافیہ میں سے ہونے کی وجہ سے ان سے پہلے معبود سے عابد کو تمیز بھی نہیں ہے۔

اگر اسم اللہ سے مذکورہ سابق کے طریق پر اللہ کی ذات کو مراد نہ لیا جائے تو یہاں اللہ کا اسم مراد ہو گا۔ ظاہری طور پر اس کا ترجمہ ہوگا اللہ کا نام لیکن صوفیائے کرام کے نزدیک اسم کے معنیٰ کچھ اور ہی ہوتے ہیں ان کے نزدیک اسمائے حسنیٰ کے باب میں اسم کی تعریف ہے مایقوم بہ العالم۔ جس کے ساتھ عالم قائم ہو یعنی وجود عالم کا جو تقاضا کرے اسمائے حسنیٰ میں سے چند امھات الاسمأ ہیں مثلاً عالم، قادر، وغیرہ مثال کے طور پر اگر ایک موجود کو لے لیں تو اس سے متعلق مختلف حقائق کا تقاضا کرنے والے مختلف اسماء پائے جائیں گے اسم قادر ایجاد کا تقاضا کرتا ہے۔ اسم مرید وجہ اختصاص کا تقاضا کرتا ہے اسی طرح الگ الگ اسماء کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔

اسم جلالت یعنی لفظ اللہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا یہ علم ہے بعض نے کہا صفت ہے لیکن اس پر علمیت کا غلبہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح یہ لفظ کسی دوسرے لفظ سے ماخوذ ہے یا نہیں اگر ہے تو کس سے ہے اور جس سے ہے وہ کس معنیٰ میں ہے ان اعتبارات سے بھی بہت سے اقوال علمائے کرام کے ہیں محققین حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس اسم کے معاملے میں بھی بندوں کو متحیر کر دیا ہے جس طرح وہ اسکی ذات میں متحیر ہیں کُنہ ذات کے ادراک سے بندہ عاجز ہے اسم ذات کے امر میں وہ پریشان ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم شان ہے۔

عام طور پر اسم جلالت کے یہ معنیٰ بتائے جاتے ہیں واجب الوجود المستجمع لجمیع صفات الکمال۔ یعنی جس کا ہونا ضروری ہو اور نہ ہونا محال اور جو کمال کے تمام صفات کا مستجمع ہو قادر، عالم، مرید، سمیع بصیر

وغیرہ انفرادی طور پر جن کمالوں پر دلالت کرتے ہیں یہ اسم جلالت ان سب پر دلالت کرتا ہے۔

رحمت کے معنیٰ اصل لغت میں دل کے نرم ہونے کے ہیں۔ اللہ کی رحمت ثابت ہے لیکن یہ معنیٰ اس کے لئے محال مجازاً یہاں رحمت سے تفضل و احسان مراد ہے لفظ رحمٰن اور لفظ رحیم مصدر رحم سے مشتق ہیں مصدر کے معنیٰ مجازی کا مشتق پر اجرا کر دیا گیا مجاز بالمرتبتین ہو گیا اور معنیٰ ہو گئے تفضل فرمانے والا، احسان فرمانے والا۔ لیکن دونوں کے معنیٰ میں کچھ فرق ہے ایسا نہ ہوتا تو کلام ربانی میں دونوں کیوں ہوتے بعض حضرات نے فرمایا رحمٰن کے معنیٰ ایسے مہربان کے ہیں جو آخرت میں رحم فرمائے اور رحیم کے معنیٰ ایسے مہربان کے ہیں جو دنیا میں رحم فرمائے بعض حضرات نے یوں فرمایا رحمٰن کی مہربانی مومن اور کافر دونوں کو عام ہے اور رحیم کی مہربانی صرف مومن کے ساتھ خاص ہے۔

پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ظاہری ترجمہ ہوا اللہ کے نام کے ساتھ جو مہربان ہے رحمت والا ہے یہ امور کے شروع ہونے سے متعلق ہے۔ مذکورہ سابق کے طریق پر مفہوم یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ یعنی نور محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس طرح متعلق ہے کہ وہاں دوسرے کی گنجائش نہیں۔ لی مع اللہ وقت لا یسع فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ اور جب اسم سے صوفیائے کرام کے معنیٰ یعنی ما یقوم بہ العالم مراد لیا جائے اس وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم خبر مبتدا لئے محذوف ہوگی اور مفہوم یہ ہوگا کہ وجود کا ظہور اور دوسرے حقائق اسمائے حسنیٰ کے تقاضے سے ہیں۔

(باقی آئندہ)

بارگاہِ ایزدی میں

حضرت نسیم شاہجہان پوری

کبھی کسی کو نہ ہو پائی جراَتِ انکار
کیا ہر ایک نے تیرے وجود کا اقرار

ترے وجود کا اقرار عقل کی معراج
ترے وجود سے انکار، خود سے ہے انکار

کسے مجال ترے حکم کے بغیر چلے
ہوائے کوہ و بیاباں ہو یا نسیم بہار

ترے اشارے کی پابند گردشِ کونین
ترے ہی جلوے ہیں یہ جلوہائے لیل و نہار

ہر ایک نقش خود اپنی جگہ ہے تیری دلیل
یہ کائنات ترا فن ہے اور تو فنکار

عمل ہی صرف ضروری نہیں بشر کیلئے
رہِ حیات میں تیرا یقیں بھی ہے درکار

ترے یقین سے روشن جہانِ قلب و نظر
ترے یقین پہ ایماں کا ہے دارومدار

متاعِ اہلِ یقیں، تیری یاد، تیرا خیال
بہشتِ اہلِ نظر، تیری صنعتوں کی بہار

ترے کرم کے ہیں محتاج بادشاہ و گدا
جبینِ کون و مکاں تیرے در پہ سجدہ گزار

دلِ نسیم کی ہر بات تجھ پہ روشن ہے
یہ تجھ سے کیا کرے اپنے یقین کا اظہار

(گذشتہ سے پیوستہ)

الفاظ الاحادیث

حضرت مولانا حافظ قاری الحاج سید مقبول حسین صاحب مدظلہ العالی

حضرت سیدنا ابو طالب مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا جن کا ۳۸۶ھ میں بغداد مقدس میں وصال ہوا اپنی کتاب قوت القلوب میں تحریر فرماتے ہیں ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ لوگ کتنے بدل گئے پہلے یہ کیفیت تھی کہ جب ایک دوسرے سے ملتے تھے تو یہ فرماتے تھے۔ ماخبرك؟ وماحالك۔ یعنی آپ کی کیا خبر ہے۔ کیسی حالت ہے اور وہ حضرات اس سے یہ مراد لیتے تھے کہ آپ کی دینی کیفیت کیسی ہے۔ ایمان کا کیا حال ہے (یہاں حال سے اصطلاح صوفیا رکرام کا حال مراد ہوتا ہے) تقویٰ میں اضافہ ہے یا نہیں طاعت میں لذت حاصل ہوتی ہے یا نہیں۔ رب سے کیسا معاملہ ہے قلبی کیفیت کیسی ہے۔

لیکن اب یہ کیفیت ہے کہ سوال تو وہی ہے لیکن مراد بدل گئی۔ جواب بدل گیا۔ اب اسی سوال ماحالك وماخبرك کے جواب میں بندہ اپنے رب کریم وجلیل کی شکایت اس کے بندہ ذلیل سے کرتا ہے یعنی دنیا بھر کی شکایتوں کے دفتر کھول دیتا ہے۔

عبارت ملاحظہ ہو۔

کان الناس قدیماً اذا التقوا یقول احدهم لصاحبه ماخبرك وماحالك یعنون بذلك ماخبر نفسك فی مجاهدتها وصبرها وماحال قلبك من مزید ایمان وعلم الیقین ویریدون ایضاً ماخبرك فی المعاملة لمولاك .... فقد جهل هذا الیوم فترك فهم اذا التساء لوا عن الخبر والحال انما یریدون به امور الدنیا واسباب الهوی ثم لیشکوا کل واحد مولاه الجلیل سبحانه وتعالیٰ الی عبده الذلیل

(قوت القلوب صـ ۱۶۳ جلد اوّل)

یہ ۳۸۶ھ سے پہلے کے انقلاب کی کیفیت ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جن آنے والے واقعات کی خبر دی تھی یہ ان کا مصداق ہے۔ مزید ملاحظہ فرمائیں کہ عوام تو عوام خواص میں کتنا تغیر وانقلاب پیدا ہو جائے گا۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج فی آخر الزمان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

رجال یختلون الدنیا بالدین یلبسون للناس جلود الضان من اللین السنتھم احلی من السکر وقلوبھم قلوب الذیاب یقول اللہ ابی یغترون ام علی یجترئون فبی حلفت لابعثن علی اولئک منھم فتنۃ تدع الحلیم فیھم حیران

۱۴ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف)

کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ نکلیں گے جو دنیا سے دین کو آلودہ کریں گے۔ لوگوں کے لئے (اللہ کے لئے نہیں) بھیڑ کی کھال پہنیں گے نرمی اور مسکینی ظاہر کرنے کے لئے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ شیریں ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے دل کی طرح ہوں گے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا کیا وہ مجھ سے بے خوف ہو رہے ہیں یا وہ مجھ پر جری ہو رہے ہیں۔ مجھے اپنی قسم ہے میں ضرور ان لوگوں پر انھیں میں سے ایسا فتنہ اٹھاؤں گا جو ان میں سے بردبار کو حیران چھوڑ دے گا۔

یہ حدیث پاک اس زمانے کے کتنے علماء و صوفیا پر کس طرح صادق ہے محتاج وضاحت نہیں۔ آج کے دور میں کتنے علماء و صوفی ایسے ہیں جو اس حدیث پاک کے مصداق ہیں۔ پہلے علوم دین تو محض رضائے رب و اعلاء کلمۃ الحق کے لئے حاصل کئے جاتے تھے مگر اب یہی علوم حصول دنیا کا ذریعہ بن کر رہ گئے ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

حدیث پاک کا یہ جز (لابعثن علی اولئک) اس کی وضاحت میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں۔

ہر آئینہ می فرستم براں مرداں (منھم) ناشی از ذاتہائے ایشان یا از جانب آدمیان کہ ایں مرداں آنھا را می فریبند۔

یعنی ان لوگوں پر بیشک خود انھیں کے نفسوں انھیں کی ذاتوں میں سے فتنہ بھیجوں گا یا ایسے لوگوں کی جانب سے بھیجوں گا جو انکو فریب دیں گے۔

(فتنۃ تدع الحلیم فیھم حیران) کی وضاحت میں فرماتے ہیں۔

بلا و آشوب را کہ میگذارد مرد عاقل آگاہ را در ایشاں متحیر و عبرت گیرندہ

یعنی وہ ایسی بلا اور آفت ہوگی جو ان میں کے ہوش مند کو متحیر کر دے گی۔

حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اس حدیث پاک کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

والاظھر ان معناہ یخدعون اھل الدنیا بعمل الدین

یعنی وہ لوگ اہل دنیا کو دھوکا دیں گے دین کے عمل سے

مزید فرماتے ہیں:۔

فالمعنی انھم یلبسون الاصواف لیظنھم الناس زھادا وعبادا تارکین الدنیا راغبین فی العقبی (من اللین) ای من اجل اظھار التلین والتلطف .... وارادتہ فی حقیقۃ الامر التملق والتواضع

یعنی وہ لوگ صوف (پشم) پہننگے تاکہ ان کی نرمی کی وجہ سے لوگ انھیں زاہد و عابد تارک دنیا اور راغب عقبیٰ سمجھیں۔ اس سے حقیقت میں ان کا یہ مقصد ہوگا کہ لوگوں کے سامنے انکا انکسار اور تواضع ظاہر ہو۔ تاکہ وہ لوگ ان کے مرید و

فی وجوہ الناس لیصیروا من مریدین لھم والمعتقدین لاحوالھم	معتقد ہو جائیں۔

وہ لوگ جو خدا و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانیوں کے باوجود اپنے دنیوی مقصد میں بظاہر کامیاب ہیں ان کے دنیاوی مقاصد پورے ہو رہے ہیں اپنے دنیوی مقصد کے پورے ہونے کو وہ اپنے لئے خیر سمجھ رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم غلط طریقے پر ہوتے یا ہمارا یہ فعل غلط ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ فرماتا اس کا فضل فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم لوگ حق پر ہیں حالانکہ ان کا یہ گمان فاسد ہے یہ اللہ تعالیٰ سے ان کا قرب نہیں بلکہ دوری ہے۔

ان کے متعلق حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رأیت اللہ عز وجل یعطی العبد من الدنیا علی معاصیہ ما یحب فانما ھو استدراج ثم تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذناھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون رواہ احمد (مشکوٰۃ شریف)	عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو دیکھے کہ اللہ عز وجل کسی بندے کو اس کی معصیت کے باوجود وہ دنیاوی نعمتیں جو اس کو مرغوب ہیں مرحمت فرما رہا ہے تو یہ اس کے لئے خیر نہیں، بلکہ استدراج (ڈھیل) ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلیل میں یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یعنی پھر جب انھوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئی تھیں ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انھیں ملا تو ہم نے اچانک انھیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے۔

اس حدیث پاک کی وضاحت میں ملا علی قاری ارشاد فرماتے ہیں:-

فکلما جدد علیھم نعمۃ ازدادوا بطرا وجددوا معصیۃ فیتدرجون فی المعاصی بسبب ترادف النعم ظانین ان متواتر النعم اثرۃ من اللہ وتقریب وانما ھی خذلان منہ وتبعید (مرقاۃ)	جب ان پر نعمتوں کی تجدید ہوتی تو سرکشی میں اور زیادتی کرتے ہیں نئی نئی معصیت کرتے ہیں ڈھیل پا کر معصیت میں اور اضافہ کرتے ہیں نعمتوں کے بار بار حاصل ہونے سے انھیں یہ گمان ہو جاتا ہے کہ مسلسل اور متواتر نعمتیں اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی اور اس کے

مقرب بنانے کی وجہ سے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے درحقیقت رسوائی اور دوری ہے۔ . . . .

والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

(معصیت کی دو قسمیں ہیں معصیت فی العمل اور معصیت فی العقیدہ۔ معصیت فی العقیدہ معصیت فی العمل سے بدتر ہے اس کی وضاحت آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے)

رحمتوں کی پھوار

حضرت علامہ ارشد القادری
پرنسپل۔ اسلامک مشنری کالج، بریڈ فورڈ (لندن)

اے بادہ کشانِ جامِ غفلت ، مژدہ باد !! کہ سلطانِ رحمت کی بارگاہ کے دروازے کھل گئے۔ اب صرف ایک حرفِ ندامت، ایک عذرِ شرمسار، اور بھیگی ہوئی پلکوں کا صرف ایک چمکتا ہوا قطرہ دل کی طہارت کے لئے کافی ہے۔

اے گیتی کے روسیاہ مدہوش ؟ اٹھو! اور اس چشمۂ نور میں غوطہ لگالو جو تمہاری نظر کے نشانے پر بہہ رہا ہے۔ گیارہ مہینے کے بعد برسات کا یہ سہانا موسم اسی لئے آیا ہے کہ تمہارے چہرے کا غبار دھل جائے۔ اور رحمت و نور کی موسلا دھار بارش میں تمہارا دامنِ زندگی نکھر جائے۔

اے خفتگانِ شبِ ملامت ! دنیا کی بڑی بڑی امیدگاہوں سے تم نے لو لگا کر دیکھ لیا فرصت ہو تو پل بھر کے لئے ذرا حافظے پر زور دیکر یاد کرو کہ تم نے مادی اقتدار کی چوکھٹوں پر اپنی کتنی فریادیں ضائع کی ہیں ؟ وقت کے روٹھے ہوئے فرعونوں کو منانے کے لئے تمہیں کتنی بار اپنی سطحِ مرتفع سے نیچے اترنا پڑا ہے۔ ؟ لیکن سچ بتاؤ ان ساری منتوں سماجتوں۔ اور خوشامدوں کے بعد ذلتوں کی شکست اور نامرادیوں کی ٹھوکر کے سوا ابھی کوئی چیز تمہارے ہاتھ آئی ہے ؟ پیہم فریب کی جھڑکی کھانے کے بعد اب تو پلٹ آؤ اس رحمتِ حق کی طرف جس نے اپنے امید واروں کو کبھی مایوس نہیں کیا ہے۔ اور جو پلکوں کا آنسو دامن میں جذب ہونے سے پہلے چوکھٹ کے فریادی کی پکار سن لیتا ہے۔

رمضان کا یہ مبارک مہینہ جو ہمارے سروں سے گذر رہا ہے یہ مایوس چہروں کے نکھرنے کا بہترین موسم ہے ، قدم قدم پر رحمت و غفران کی جو نہریں بہہ رہی ہیں۔ اب بھی اگر ہم نے اپنی روح کی تشنگی نہیں مٹائی تو اس کے بعد پھر کوئی ایسا دل نواز موسم نہیں ملے گا

رمضان کی رحمت بھری راتوں میں گھائل فریادیوں کی طرح ہمیں اپنے رب کے حضور پھوٹ پھوٹ کر رونا ہے بلک بلک کر تڑپنا ہے. غفلتوں کی گہری نیند میں ہم نے جتنی خطائیں کی ہیں. ساری عمر کا رونا بھی اس کے لئے ناکافی ہے۔ ایک بندۂ مومن کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا شقاوت ہو سکتی ہے کہ رمضان کے مہینے میں بے روزہ دار رہ کر کافر و مسلم کے درمیان امتیاز کی ظاہری دیوار کو توڑ کر مسمار کردے۔ خدائے قدیر ہمیں اس مہینے کی برکتوں سے مالا مال کرے۔ اور ہمیں ظاہر و باطن اور قلب و روح کی توانائی عطا فرمائے۔ آمین۔

رمضان المبارک

خیر و برکت کا مہینہ

..... ادارہ

(۱) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (قرآن)

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح کہ ان پر فرض ہوا جو تم سے پہلے ہوئے تاکہ تم گناہوں سے محفوظ رہ سکو۔

(۲) شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ۔ (قرآن)

ماہِ رمضان جس میں قرآن حکیم اتارا گیا لوگوں کی ہدایت کے لئے۔

۳۔ رسول کریم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب رمضان آتا ہے تو رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے (حدیث)

۴۔ رسول کریم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں دوں گا۔ (حدیث)

۵۔ حبیب اللہ فرماتے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ اس کا اول رحمت ہے اس کا درمیان مغفرت ہے اور اس کا آخر جہنم سے رہائی ہے (حدیث)

۶۔ روزہ جہنم کی آگ سے بچنے کے لئے ایک ڈھال ہے۔ (حدیث)

۷۔ جب تک میری امت کے افراد روزہ رکھتے رہیں گے ذلیل و رسوا نہ ہوں گے۔ (حدیث)

۸۔ روزہ داروں کو ایک خاص دروازے سے جنت میں داخل کیا جائیگا (حدیث)

۹۔ جو ایمان کی وجہ سے اور ثواب کے پیش نظر روزہ رکھے گا اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (حدیث)

۱۰۔ روزہ دار کی دعاء بوقت افطار رد نہیں کی جاتی۔ (حدیث)

۱۱۔ روزہ دار کے لئے دو مسرتیں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔ (حدیث)

۱۲۔ روزہ دار کے منہ سے نکلنے والی بُو پروردگار کے نزدیک مشک و عنبر سے بڑھ کر ہے۔ (حدیث)

۱۳۔ اگر بندے باخبر ہوتے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری امت تمنا کرتی کہ پورا سال رمضان ہی ہو۔ (حدیث)

۱۴۔ جو ایک گھونٹ دودھ یا ایک خرما یا ایک گھونٹ پانی سے روزہ افطار کرائے اور جس نے روزہ دار کو بھر پیٹ کھانا کھلایا اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے پلائے گا۔ (حدیث)

۱۵۔ جس شخص نے روزہ رکھنے کے باوجود بھی جھوٹ اور غیبت سے پرہیز نہیں کیا تو وہ بھوکا اور پیاسا رہا۔ (حدیث)

۱۶۔ روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانا مسنون اور ثواب ہے سحری آخری وقت کھانا اور اول وقت افطار افضل ہے۔ کھجور سے روزہ افطار کرنا سنت ہے۔ کھجور نہ ہو تو کسی شیریں چیز یا پانی سے روزہ افطار کرے۔

۱۷۔ تراویح سنت مؤکدہ ہے اس کی بہت فضیلت آئی ہے۔ ترک کرنیوالا گنہگار ہوگا

باقی صفحہ ۳۴ پر

مولانا غلام مصطفےٰ صاحب کوثر امجدی

زکوٰۃ کی اہمیت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۔ اور متقی وہ لوگ ہیں کہ ہم نے جو
(سورہ بقرہ پ اول ع۱) انھیں دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ
میں) خرچ کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا

وَالَّذِیْنَ ھُمْ اور فلاح وہ لوگ پاتے ہیں، جو
لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ط زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پہ ارشاد ہوا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا ہرگز نیکی حاصل نہ کرسکوگے جبتک
مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ اس میں سے خرچ نہ کرو جسے
شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ہ محبوب رکھتے ہو۔ اور جو کچھ
(سورہ آل عمران پ۴) خرچ کروگے اللہ اسے جانتا ہے۔

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پہ ارشاد فرمایا گیا۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں
وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ
سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب
اَلِیْمٍ ط کی خوش خبری سنادو۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو مسلمانوں کو بڑی دشواری کا سامنا ہوا انھوں نے سمجھا کہ مطلقاً چاندی سونا جمع کرنا حرام ہے ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں تم سے مصیبت دور کردوں گا، پھر آقائے دوعالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ یہ آیت کریمہ حضور کے اصحاب پہ گراں معلوم ہوئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے کہ تمہارے باقی مال کو پاک کردے یعنی مطلقاً مال جمع کرنا حرام ہوتا تو زکوٰۃ سے مال کی طہارت نہ ہوتی۔ بلکہ جمع کرنا وہ حرام ہے، کہ جسکی زکوٰۃ نہ دے ۔ اس پہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدا کی کبریائی کا نعرہ بلند کیا۔
(ابوداؤد شریف)

احمد مختار مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو قوم زکوٰۃ نہ دے گی اللہ تعالیٰ اسے قحط میں مبتلا فرمائے گا (طبرانی شریف)

امیر المومنین سیدنا حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے دوعالم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فقیر ہرگز ننگے بھوکے ہونے کی تکلیف نہ اٹھائیں گے۔ مگر مالداروں کے ہاتھوں۔ سن لو ایسے مال داروں کا اللہ تعالیٰ سخت حساب لیگا اور انھیں دردناک عذاب دے گا۔

احمد مختار مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں قیامت کے دن مالداروں کے لئے محتاجوں کے ہاتھوں خرابی ہے محتاج عرض کریں گے لے اللہ تعالیٰ ہمارے حقوق جو تونے انپر فرض کئے تھے انھوں نے ظلماً ہمیں نہ دیئے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا مجھے قسم ہے اپنی عزت وجلال کی کہ تمہیں اپنا قرب عطا کروں گا اور انہیں دور رکھوں گا اپنے سے۔ (طبرانی شریف)

حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اسلام میں چار چیزیں فرض کی ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان، حج بیت اللہ، جو ان میں سے تین ادا کرے وہ اسے کچھ کام نہ دیں گی۔ جب تک پوری چاروں نہ بجالائے۔

حضور اکرم تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اپنے مال کی زکوٰۃ نکالو۔ کہ وہ پاک کرنے والی ہے تمہیں پاک کردیں۔ اور رشتہ داروں سے سلوک کرو۔ اور مسکین و پڑوسی اور سائل کا حق پہچانو۔ آقائے نامدار مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ جو میرے لئے چھ چیزوں کی کفالت کرے میں اسکے لئے جنت کا ضامن ہوں، راوی نے عرض کیا وہ کیا ہیں یا رسول اللہ؟۔ آپ نے فرمایا۔ نماز و زکوٰۃ و امانت و شرمگاہ و شکم و زبان

شہنشاہ عالم پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ دے کر اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں محفوظ کرلو، اور اپنے بیماروں کا علاج صدقہ سے کرو اور بلا نازل ہونے پر دعاء و تضرع سے استعانت کرو۔ (ابوداؤد شریف)

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے اسوقت اعراب (بدوؤں) میں سے کچھ لوگ زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر ہوگئے۔ صدیق اکبر نے ان پر جہاد کا حکم دیا، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا، ان سے آپ کیونکر قتال کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ۔ مجھے حکم ہے لوگوں سے قتال کروں۔ یہانتک کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہیں۔ اور جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لیا اس نے اپنی جان اور اپنا مال بچالیا۔ مگر حق اسلام میں (یعنی جب کسی اسلامی حد میں گرفتار ہوگا تو اس وقت کسی چیز کا لحاظ نہ ہوگا) اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ یعنی یہ لوگ تو لا الہ الا اللہ کہنے والے ہیں۔ ان پر کیسے جہاد کیا جائے گا۔ صدیق اکبر نے فرمایا خدا کی قسم میں اس سے جہاد کرونگا جو نماز و زکوٰۃ میں تفریق کرے۔ یعنی نماز کو تو فرض جانے اور زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کرے۔ خدا کی قسم بکری کا بچہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس وہ لوگ حاضر کیا کرتے تھے۔ اگر مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے ضرور جہاد کروں گا،،

اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ واللہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ کھول دیا اس وقت میں نے بھی پہچان لیا کہ وہی حق ہے جو صدیق اکبر کی رائے ہے۔ (بخاری شریف)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف کلمہ گوئی ہی اسلام کیلئے کافی نہیں جبتک کہ تمام ضروریات دین کا اقرار نہ کرے۔ نماز کی فرضیت کو ماننا اور زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار یا اس پر عمل نہ کرنا سراسر کفر و بے دینی ہے۔ قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ یعنی قرآن حکیم کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو۔

علم اقتصادیات کا سب سے مشکل ترین مسئلہ یہ ہے کہ افرادِ قوم میں فقر و دولت کے لحاظ سے کیونکر ایک تناسب قائم کیا جاسکتا ہے۔ املاک سے مالکان کا حقِ ملکیت اٹھا دیا جانا اس قدر عملاً محال ہے۔ کہ دنیا میں کبھی بھی اس کا رواج نہ ہوسکے گا کوئی انسانی دماغ اس کی عقدہ کشائی نہ کرسکا، اسلام نے اس مسئلہ پر توجہ دی اور اسے ہمیشہ کے لئے بڑی خوبیوں کے ساتھ طے کر دیا اور اسکا نام فرضیت زکوٰۃ رکھا، زکوٰۃ ۲ھ ہجری مسلمانوں پر فرض ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نیک اور رحیم دل پہلے ہی سے مسکینوں کا ہمدرد، غریبوں پر رحم کرنے والا اور دردمند و غمگسار تھا غرباء و مساکین کی دستگیری پر مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی جاتی تھی ان کی ہمدردی کو غرباء کا رفیق بنایا جاتا تھا اور مسلمان اس پاک تعلیم کی بدولت غرباء و مساکین کے لئے بہت کچھ کیا کرتے تھے لیکن کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہ تھا جس پر آئین و ضابطہ کے مطابق عمل کیا جاتا اس لئے دولت مند مسلمان جو کچھ بھی کرتے تھے اپنی فیاضی و نیک دلی سے کرتے تھے۔

اسلام نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا اور کلمہ شہادت اور نماز کے بعد اس کو اسلام کا تیسرا رکن ٹھہرایا۔ زکوٰۃ درحقیقت اس صفت ہمدردی و رحم کے باقاعدہ استعمال کا نام ہے۔ جو انسان کے دل میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ قدرتاً اور فطرتاً موجود ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ مال کی محبت اس کے اخلاق کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ اور بخل و کنجوسی کے عیوب سے انسان پاک رہتا ہے۔ اور زکوٰۃ دینے کا یہ فائدہ بھی ہوتا ہے وہ غرباء و مساکین کو اپنی قوم کا جز و سمجھتا ہے۔ اس لئے بے حد دولت جمع ہو جانا بھی اس میں تکبر اور غرور پیدا نہیں ہونے دیتا۔

زکوٰۃ دینے والے کو یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ غرباء و مساکین کے گروہ کثیر کو اس کے ساتھ انس و محبت اور اس کی دولت و ثروت کیساتھ ہمدردی و خیر خواہی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کے مال میں اپنا ایک حصہ موجود قائم سمجھتے ہیں۔ گویا دولت مند مسلمان کی دولت ایک ایسی کمپنی کی دولت کی مثال پیدا کرلیتی ہے۔ جس میں مستحقین اپنے اپنے حق کے حصہ دار ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ دینے سے قوم کو یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ بھیک مانگنے کی رسم قبیح قوم سے ختم ہو جاتی ہے۔ غرضکہ زکوٰۃ میں بے شمار فوائد ہیں۔ زکوٰۃ کا ایک یہ بھی فلسفہ ہے کہ مسلمان بڑی سے بڑی تجارت کریں خوب مال و دولت کمائیں۔ اور اسقدر مالدار رہیں کہ ان پر ہمیشہ زکوٰۃ دینا فرض رہے۔ یعنی ہمیشہ اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے رہیں۔ زکوٰۃ نہ دینے سے بہت سے دینی و دنیاوی نقصانات ہوتے ہیں۔ آج بہت سے یتیم و نادار مجبور ولاچار مسلمان مالداروں کی لاپروائی کے سبب بے کس و بے بس تذبذب کے عالم میں پڑے ہوئے ہیں۔ اے خدائے واحد کے پرستارو! اور اے مدنی تاجدار کے شیدائیو! فدائیو! اور جاں نثارو! ہوش میں آؤ فانی دولت کی محبت دل سے نکالو۔ باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرکے قوم سے مفلسی کی لعنت کو ختم کرو اور سعادت دارین حاصل کرو۔ یہ دنیا اور اس کی ساری بہاریں چند روزہ اور فانی ہیں۔ انسان کی موت کب آجائے کسی کو معلوم نہیں دنیا کا سارا سامان و مال دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ اور سوائے نیک اعمال کے کچھ مفید نہ ہوگا۔

؎ آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں ⁏ سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

جناب سیّد شاہ ابو طاہر صاحب

کامِل اور مُکمل اِنسان

دنیا کے تمام بانیانِ مذہب و مصلحین کی صف میں جو امتیازی اور روحانی شان و رفعت حضرت رسالت مآب حضور پر نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے دنیا کے کسی بشر کو نہ حاصل ہوئی اور نہ ہو سکے گی۔ آپ کی زندگی کے تمام اجزا پیدائش سے لیکر وفات تک کا ہر لمحہ آپکے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور آپ کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے۔ آپ کے صحیفۂ حیات کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل یا تاریخ و سیر کی کتابوں سے مخفی و پوشیدہ ہو۔ کیا دنیا نے خدا کے اس مقدس اور برگزیدہ انسان کی زندگی کا مطالعہ نہیں کیا ہے؟ آج آقائے دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مقدس سیرت گھر گھر پہنچ چکی ہے۔ کسی دوسرے انسان کی زندگی کے حالات آج تک اتنے عام نہیں ہوئے جس قدر کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہر متنفس کے سامنے پیش ہو چکی ہے۔

آپ کا خلق عظیم، آپ کا صبر و تحمل، آپ کا عزم و استقلال، آپکا لطف و کرم، آپ کی سادہ معاشرت و معیشت، آپ کی روحانیت و عبادت، آپ کی امانت و صداقت، آپکی شفقت و عنایت اسی قسم کے بے شمار اوصاف ایسے ہیں جنھوں نے نہ صرف کفارِ مکہ ہی کو عاجز و متحیر نہیں کیا تھا بلکہ کفار امریکہ و لندن اور پیرس و جاپان بھی آج اسی طرح حیران و ششدر رہیں جس طرح کسی زمانے میں ابوجہل اور ابولہب جیسے سرکش و مغرور متحیر ہو چکے تھے۔ اگر تعصب و عناد کے ناپاک جذبہ سے قطع نظر کر لیا جائے تو آج کا وہ کون سا دل ہے کون سا دماغ ہے جو کمالات اور اوصاف محمدیہ کا معترف نہیں کون سی گردن ہے جس پر صاحب المعراج کے احسان و کرم کا بار نہیں۔ کائنات میں وہ تنہا اور خدا کی خدائی میں وہ اکیلا انسان تھا جس کو قدرت نے اپنے گوناگوں صفات کا کامل آئینہ اور مکمل مظہر بنا کر بھیجا تھا۔ ان کی تعلیم ایک طرف حقوق اللہ کی ضامن ہے تو دوسری طرف اسی آب و تاب سے حقوق العباد کی کفیل۔ ان کی تلقین ایک طرف خم خانۂ عشق الٰہی سے سرشار کرتی ہے تو دوسری طرف عبودیت اور آداب و احترام کی منزل سے ہٹنے نہیں دیتی رزم و بزم، سفر و حضر، خلوت و جلوت مجمع و تنہائی ہر حال میں حکم عام تھا "جو کچھ دیکھو منظر عام پر لے آؤ" اور یہ اسلئے کہ وہ اپنی حیات طیبہ کا ایک مجسمہ اور اپنی تعلیم کا مکمل نمونہ تھے۔ انسانوں کے مجمع عام میں جو کچھ ارشاد فرماتے تھے گھر کے خلوت کدۂ نیاز میں بھی اسی طرح نظر آتے تھے۔ حضرت ابوطالب جو حضور پُر نور کے مربی اور چچا تھے جن کی نگاہوں کے سامنے آپ کے بچپن اور عنفوان شباب کا دفتر کھلا ہوا تھا وہ آپ کے متعلق کہتے ہیں۔ میں نے آپکو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے یا ہنسی مذاق کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ کبھی جاہلیت کا کام کرتے ہوئے اور نہ کبھی بازاری لڑکوں کے ساتھ میل جول کرتے ہوئے پایا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو نبوت سے پیشت

اور نبوت کے بعد ۲۵ سال تک آپکی خدمت زوجیت میں رہی تھیں زمانۂ آغاز وحی میں آپ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی ہیں۔ "ہرگز نہیں، خدا کی قسم آپکو پروردگار کبھی غمگین نہ کرے گا آپ صلۂ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت فرماتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت فرماتے ہیں اور مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔"

حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف اپنے عقیدتمندوں ہی کے ہجوم میں نہیں رہے بلکہ مکہ میں نبوت سے پہلے چالیس سالہ زندگی قریش کے ساتھ گذاری اور پھر صرف یہی نہیں بلکہ معاملات اور تاجرانہ لین دین کے تعلقات بھی ان کے ساتھ رکھے جس کے قدم قدم پر خیانت و بدنیتی ہوا کرتی تھی مگر انھوں نے ہمیشہ آپکی دیانتداری اور حسن معاملہ کا اعتراف کیا حتیٰ کہ قریش نے متفق ہو کر آپکو امین کا بھی خطاب دیا۔ اگرچہ نبوت کے بعد بھی قریش بغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے لیکن پھر بھی ان کی دولت کے لئے مامون مقام آپ ہی کا کاشانۂ اقدس تھا۔ جب حضور پرنور کو بارگاہِ ایزدی سے حکم ہوا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا "یا معشر قریش" جب سب لوگ جمع ہوگئے تو فرمایا "اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا۔ سب نے کہا، ہاں، کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

سب سے بڑھ کر نازک شہادت وہ ہے جبکہ قاصد نبوی قیصر روم کے دربار میں پہنچا تھا اور قیصر نے اپنے دربار میں آپکے متعلق آپ کے سب سے بڑے دشمن و مخالف ابوسفیان نے تصدیق حال کے لئے جو چند سوالات کئے تھے ان میں سے دو سوال یہ بھی ہیں "دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی تم نے اسکو دروغ پایا؟ ابوسفیان نے کہا "نہیں"، کیا محمد نے کبھی بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو جواب دینا پڑا "نہیں"۔ حالانکہ یہ شہادت ایک ایسے دشمن کے حق میں ہوتی ہے جبکہ ابوسفیان صفحۂ ارض سے مٹا دینا اپنا نصب العین سمجھتے تھے اور وہ بھی ایک ایسے باسر و ساماں بادشاہ کے دربار میں جس کی اعانت سے بہ بظاہر کامیاب بھی ہو سکتے تھے اس سے بڑھ کر کاملیت کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ مشہور فرانسیسی پروفیسر سیدیو لکھتا ہے آپ (صلعم) خنداں پیشانی، خلیق، بکثرت خدا کا ذکر کرنیوالے، بیہودہ اور فضول باتوں سے نفرت کرنے والے اور بہترین عقل اور بہترین رائے رکھنے والے انسان تھے، ٹامس کارلائل جیسے متعصب شخص کا قلم بھی اس مقدس ذات کے متعلق یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ "متعصب عیسائیوں نے آپ (صلعم) پر جتنے بھی الزامات لگائے تھے وہ سب ہماری روسیاہی کا باعث ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ توہم پرستی کو مٹا کر خدائے واحد کی عبادت ایک ایسی قوم میں رائج کر دینا جو انتہا کی بدعقیدہ ہو اور خدا کو بھول گئی ہو فی الحقیقت ایک ایسے ہی شخص کا کام تھا جسے خدا نے خود مقرر کیا ہو۔

عام متعصبین یوروپ کا خیال ہے کہ آنحضرت جب تک مکہ میں رہے تو پیغمبر تھے مدینہ پہنچکر یہ نبوت بادشاہت سے بدل جاتی ہے اور یہ حلم وعفو کے واقعات اس وقت تک کے ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام عرب زیر نگیں ہو جانے پر بھی آپ فاقہ کش ہی رہے فتوحات کی کثرت گو کہ ہر دفعہ بیت المال کو معمور کرتی رہی تھی لیکن دست کرم کو اسی وقت آرام ملتا تھا جب سارا خزانہ ارباب حاجت اور فقراء میں تقسیم ہو چکا ہوتا تھا۔ جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا۔

(باقی صفحہ نمبر ۴۲ پر)

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی بصیرت

مولانا سبطین اصغر امام صاحب

امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی بصیرت ایک مسلمہ مسئلہ ہے جسے موافق و مخالف سبھوں نے تسلیم کیا ہے بلاشبہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو فقہ میں وہی مقام حاصل ہے جو ارسطو کو منطق میں اور اقلیدس کو علم ہندسہ میں علم فقہ کا ہر ہر مسئلہ امام اعظم کی دقت نگاہ، جدتِ طبع، وسعت معلومات کا آئینہ دار ہے، امام اعظم کی علمی زندگی کا عظیم کارنامہ "علم فقہ کی تدوین" امام اعظم کی فقہی بصیرت کی زندہ جاوید شہادت ہے، اسباب جرح و تعدیل۔ مناہج ترجیح و تطبیق مناشئ حکم و مقاصد شرع، مصالح زمن، معضلات حکم علل مؤثرہ، جوامع مغیرہ، مسالک تعدیہ، موارد قصر مبادی ادبیہ و اصولیہ، آیات و احادیث، مذاہب سلف اور لغت و قیاس میں امام اعظم بحر ذخار تھے۔ جملہ ما لہ و ما علیہ کے لحاظ سے منصوص سے مسکوت کا حکم استنباط کرنے میں بے نظیر و بے عدیل تھے باریک بینی اور دقت نگاہ میں اپنی مثال آپ تھے آپ کی فقہی بصیرت ایک ایسا تسلیم شدہ مسئلہ ہے جس سے بارہ سو سال کی مدت میں شاید ہی کسی نے انکار کیا ہو، موافق و مخالف، ہم عصر و ہم فن علماء کے اقوال آپ کے اعلم و افقہ، اعقل و احوط ہونے پر شاید ناطق ہیں، قرطاس و قلم میں یارا نہیں کہ آپ کے تمام فضائل کو معرض تحریر میں لایا جاسکے۔ اخطب خطباء الشرق و الغرب ابوالموید موفق ابن احمد مکی خوارزمی نے کیا خوب کہا ہے۔

اَیا جبلی نعمان ان حصاکما
لیحصیٰ و لا تحصیٰ فضائل نعمان

اے دونوں نعمان کے پہاڑ بلاشبہ تمہارے سنگریزے گنے جاسکتے ہیں مگر نعمان بن ثابت (امام اعظم ابوحنیفہ) کے فضائل شمار نہیں کئے جا سکتے۔

لیکن بحکم ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ چند اقوال بطور نمونہ درج ہیں۔

صاحب طحطاوی تحریر فرماتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے احمد بن محمد بلخی سے روایت کی ہے کہ میں نے شداد بن حکیم سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو حنیفہ سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا عبداللہ بن داؤد فرماتے تھے کہ جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو اس کے لئے ابو سفیان ہیں اور جب آثار و احادیث کے حقائق اور موشگافیوں کو معلوم کرنا ہو تو ابو حنیفہ ہیں۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کے متعلق عقود الجواہر المنیفہ کے مؤلف امام اعمش سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے امام اعظم اور امام ابو یوسف سے خطاب کر کے فرمایا کہ ہم لوگ دوا فروش ہیں اور تم طبیب ہو، طبیب اور دوا فروش کی مثال سے فقیہ اور محدث

کا فرق ظاہر ہے، محدث، مواعظ و قصص فضائل، سیر ہر ایک قسم کی روایت کا استقصار کرتا ہے۔ بخلاف اس کے مجتہد حدیث کا مطلب سمجھ کر مسائل کا استنباط کرتا ہے۔ طبابت فقہ میں امام اعظم کی عظمت و عبقریت تمام فقہا سے اولیٰ و برتر ہے۔ بلاشبہ وہ امام الائمہ اور افقہ الفقہاء ہیں۔ آپ کے ہم عصر اور ہم فن علماء نے آپ کی افقہیت اور افضلیت تسلیم کی ہے۔ حضرت علامہ امین ابن عابدین شامی اپنی معروف و مشہور زمانہ کتاب رد المحتار میں ابن حجر سے نقل فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ابو حنیفہ علم و تقویٰ زہد و اختیار آخرت میں اس جگہ میں تھے جہاں کوئی نہیں پہنچا۔

امام الجرح والتعدیل حضرت امام وکیع تلمیذ رشید امام اعظم اور استاذ امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو ابو حنیفہ سے افقہ نہیں پایا (قلائد عقود العقیان)

صاحب زہد و اتقاء امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ ابن مبارک ارشاد فرماتے ہیں کہ امام مالک اور حضرت سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ میں امام اعظم ابو حنیفہ از روئے اجتہاد کے احسن اور از روئے رسائی کے ادق اور دونوں سے افقہ ہیں (قلائد عقود العقیان) مولفہ علامہ ابن حجر نافع الکبیر کے مولف تحریر فرماتے ہیں کہ خطیب بغدادی سے روایت ہے کہ محمد ابن بشر کہتے ہیں کہ میں جب حضرت سفیان ثوری کے پاس جاتا اور وہ مجھ سے دریافت فرماتے کہ تم کہاں سے آرہے ہو تو میں کہتا کہ امام ابو حنیفہ کے پاس سے آرہا ہوں، حضرت سفیان فرماتے کہ تو افقہ اہل ارض کے پاس سے آیا ہے۔

شامی میں ابن حجر مکی سے منقول ہے کہ ربیع نے روایت کی ہے کہ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔ تاریخ خلکان میں ہے کہ ایک دفعہ امام مالک سے امام شافعی نے امام اعظم کا حال دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تم ان سے اس ستون کی نسبت بات چیت کرتے اور وہ چاہتے کہ اسکو سونے کا ثابت کردیں تو بلاشبہ وہ دلائل سے ثابت کردیتے۔ آپ کے ہم عصر علماء کے ان تاثرات سے آپ کی ممتاز فقہی حیثیت واضح ہوجاتی ہے۔ یہ اقوال آپ کی افقہیت اور افضلیت کے روشن دلائل ہیں اور کیوں نہ اس شخص کی فکری اور فقہی بصیرت ممتاز ہو جس نے دار الفقہ کوفہ کے شیوخ سے احادیث سیکھی ہوں۔ حرمین طیبین کی درسگاہوں میں برسوں تحصیل حدیث کی ہو جس کے اساتذہ امام باقر، سلیمان بن یسار، حماد، شعبی، سلمہ بن کہیل، سماک بن حرب، مکحول، سلیمان بن مہران، ابو اسحق سبیعی وغیرہم ہوں جو عراق و عرب و شام میں استاد کامل تسلیم کئے جاتے تھے اور امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید قطان وکیع ابن جراح امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک علی بن المدینی استاذ امام بخاری، عبدالرزاق ابن ہمام، امام ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد جس کے دامن فیض سے برسوں منسلک رہے ہوں۔ اور جن کی شاگردی پر ان اصحاب کمال کو فخر و ناز ہو۔ امام اعظم کی بصیرت کا یہ کمال ہے کہ آپ نے ملحدوں، ہم عصر علماء حتیٰ کہ اساتذہ سے اختلافی مسائل پر مناظرے کئے مگر تاریخ سے آپ کی ایک شکست کا بھی نہیں چلتا۔

زمانہ طالب علمی میں اساتذہ سے مناظرات میں بھی آپ کے اساتذہ کو آپ کے دلائل کا لوہا ماننا پڑا۔ آپنے وضع اصول فقہ سے لے کر استنباط مسائل تک جن باریک بینیوں کو پیش نظر رکھا وہ آپ کی فقہی بصیرت کی واضح شہادتیں ہیں آپ نے

علوم شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے متعین فرمائے جو عام طبائع کی دسترس سے باہر تھے۔ تدوین فقہ اور تدوین اصول فقہ میں جس دقت نگاہ سے کام لیا وہ آپ ہی کا مخصوص حصہ ہے یہاں تک کہ بعض ظاہر بین حضرات آپ کو قیاس اہل رائے کے خطاب سے نوازنے لگے۔

میزان الشعرانی میں ہے کہ سلف و خلف نے امام ابوحنیفہ کے کثرت علم و ورع و عبادت اور دقت مدارک و استنباطات میں اجماع کیا ہے۔ صاحب میزان مزید تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی علی خواص سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ مدارک امام اعظم بڑے باریک ہیں بجز اکابر اولیا اور اہل کشف کے کوئی ان سے واقف نہیں ہو سکتا۔ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات جلد ثانی میں ہے کہ امام اعظم نے ورع اور تقوی اور دولت متابعت سنت نبوی کی برکت سے اجتہاد و استنباط میں ایسا درجہ علیا حاصل کیا ہے کہ جس کے سمجھنے سے دوسرے لوگ عاجز ہیں اور ان کے مجتہدات کو دقت معانی کے سبب کتاب و سنت کے مخالف سمجھ کر ان کو اصحاب رائے میں سے گمان کرتے ہیں۔ بلا شبہ اس قسم کے اعتراضات ان کے علم و درائت کی حقیقت تک نہ پہنچنے اور ان کی فہم فراست پر مطلع نہ ہونے کے سبب سے ہے۔ حضرت شامی اپنی کمال فقاہت پر فقہا کے اس قول سے مہر ثبت کرتے ہیں کہ فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بویا اور علقمہ ابن قیس نے اس کو سینچا اور ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا اور حماد بن مسلم نے اسے صاف کیا اور ابوحنیفہ نے اس کو پیسا اور ابو یوسف نے گوندھا اور محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی اس کے کھانے والے ہیں۔

یعنی اجتہاد و استنباط احکام کا طریقہ عبداللہ ابن مسعود سے شروع ہوا پھر فقہ کی ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ امام الائمہ سراج الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ نے اسے کمال کو پہنچایا۔

حضرت امام اعظم کی فقاہت اور امتیازی فقہی بصیرت کا اندازہ عام کتب فقہ نیز کتاب الحج مولفہ امام محمد، موطا امام محمد، طحاوی شریف، اختلافات ابوحنیفہ اور ابولیلیٰ مولفہ امام ابو یوسف۔ فتح القدیر، ہدایہ، عینی سے ہوتا ہے جن میں امام اعظم کے مسائل مستنبطہ کو موافق بالحدیث والقرآن، اضبط و اسہل للناس اور موافق عقل سلیم ثابت کیا گیا ہے۔

آخیر میں آپ حضرات کی ضیافت طبع کی خاطر امام اعظم کی فقہی بصیرت کے چند نمونے حاضر ہیں۔ حضرت محمد بن عبدالرحمن المعروف ابن ابی لیلیٰ کوفہ میں منصب قضا پر تینتیس برس تک مامور تھے ایک روز کام سے فراغت کے بعد مجلس قضا سے اٹھے۔ راستے میں ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے، اثنائے گفتگو میں عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیین کہہ دیا۔ قاضی صاحب نے عورت کو گرفتار کر کے مجلس قضا میں پہنچ کر عورت کو درے لگوائے اور دو حدیں ماریں۔

امام اعظم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ فرمایا کہ قاضی نے نے اس فیصلہ میں چند غلطیاں کیں۔ مجلس قضا سے اٹھ کر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا یہ آئین عدالت کے خلاف ہے۔ مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہیئے۔ قاضی صاحب نے اس کے خلاف کیا۔ دو حدیں ماریں حالانکہ ایک لفظ سے ایک حد لازم آتی ہے۔ اور دو حدیں لازم بھی آئیں تو ایک ساتھ دونہ

کا نفاذ زخم بھرنے سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ مدعی کے دعوے کے بغیر مقدمہ قائم کرنا خلاف اصول ہے آپ کے استاذ حضرت امام اوزاعی سے رفع یدین کے مسئلہ پر مناظرہ کرنا مشہور ہے جو آپ کی فقہی بصیرت کی دلیل ہے۔

فقہ امام اعظم کی افضلیت پر صاحب مناقب نعمان حضرت موفق نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ مختصراً آپ کے فقہ کی چند خصوصیتیں پیش خدمت ہیں جو آپ کی امتیازی فقہی بصیرت کا بیّن ثبوت ہیں۔ سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت فقہ حنفی کے مسائل کا اسرار وحکم پر مبنی ہونا ہے۔

دوسری خصوصیت فقہ حنفی کا سہل اور یسیر العمل ہونا ہے۔

تیسری خصوصیت فقہ حنفی کا موافق تمدن ہونا ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ فقہ حنفی میں ذمیوں کو فیاضی کے ساتھ حقوق دیئے گئے ہیں۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ فقہ حنفی نصوص شرعی کے موافق ہے ہے۔ امام احمد ابن حنبل جن کے مسائل حدیث سے زیادہ موافق ہیں بہت کم مسائل ہیں ان کی فقہ سے فقہ حنفی کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ عینی، فتح القدیر، ہدایہ، شرح وقایہ طحاوی شریف کے مطالعہ سے امام اعظم کی فقہ کی یہ خصوصیت بدرجۂ اتم واضح ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا خصوصیات فقہ حنفی سے یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ امام اعظم کے مسائل مستنبطہ انتہائی دقت نگاہ اور باریک بینی اور غور وفکر کے حامل ہیں جن سے امام اعظم کی امتیازی فقہی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

امام المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ ابن مبارک۔ نے کیا خوب کہا ہے ؎

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا
اِمَامُ الْمُسْلِمِيْنَ اَبُوْ حَنِيْفَهْ
بِآثَارٍ وَفِقْهٍ فِيْ حَدِيْثٍ
كَآيَاتِ الزَّبُوْرِ عَلٰى صَحِيْفَهْ
فَمَا فِي الْمَشْرِقَيْنِ لَهٗ نَظِيْرٌ
وَلَا فِي الْمَغْرِبَيْنِ وَلَا بِكُوْفَهْ

غزل

حضرت پروفیسر عبدالمنان صاحب بیدل عظیم آبادی

عقل گم کردۂ منزل، کبھی ایسی تو نہ تھی — اب ہے جیسی مری مشکل، کبھی ایسی تو نہ تھی
رہ گئے راہ نشیں بن کے جو تھے راہ نورد — زحمتِ دوریٔ منزل، کبھی ایسی تو نہ تھی
کس وفا خو کے لہو سے یہ چمک آئی ہے — تابشِ خنجرِ قاتل، کبھی ایسی تو نہ تھی
ذکر ہے کس کے نشیمن کے جلا دینے کا — شدتِ گرمیٔ محفل، کبھی ایسی تو نہ تھی
درِ زنداں پہ پہنچ آئے ہیں ترے دیوانے — کششِ شورِ سلاسل، کبھی ایسی تو نہ تھی

بے بلائے ہوئے اکثر وہ چلے آتے ہیں
کششِ الفت بیدل کبھی ایسی تو نہ تھی

دُوسری قِسط



مولانا بدر القادری مصباحی

مجبوبانِ خدا کی موت

مومنین کاملین میں کچھ ایسے محبوب بندے بھی ہوتے ہیں موت جن کے لئے کسی شربتِ خوش ذائقہ کی طرح پسندیدہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو محبت الٰہی میں غرق اور عشق مولا میں سرشار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی مشتاقان جمال حق کیلئے کہا گیا ہے۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ۔ موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔ جو عشق الٰہی میں جتنا ہی کامل ہوتا ہے اُسے محبوب کے وصال اور قرب کی خواہش اتنی ہی شدید ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں ملک الموت حاضر ہوئے اور پیام اجل سُنایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کوئی دوست اپنے دوست کی روح بھی قبض کرتا ہے۔ ملک الموت نے حکم خداوندی سے کہا۔ اَے اللہ کے خلیل کیا کوئی ایسا دوست بھی ہے جو دوست کی ملاقات کو ناگوار تصور کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتے کا یہ جواب سُنا تو غلبۂ عشق الٰہی سے بیقرار ہوگئے اور قرب خداوندی کی خواہش سے اس قدر مغلوب ہوئے کہ روح الامین سے فرمایا۔ فوراً میری روح قبض کرو' (الاحیاء)

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو مسلمانوں کے لئے ربِ کائنات کا تحفہ قرار دیا ہے۔

تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمَوْتُ ایماندار کا تحفہ موت ہے (حاکم)

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ کے مطابق دنیا جب مسلمانوں کے لئے قید خانہ ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس سے خلاصی اور آزادی باعث مسرت وشادمانی ہوگی۔ جس طرح قیدی کے لئے قید خانہ سے آزادی ایک نعمت غیر مترقبہ اور تحفۂ لازوال ہے اسی طرح مومن کامل کی دنیا اور علائق دنیا سے رحلت رب تعالیٰ کا انعام ہے۔ اور یہ بھی ایمان کامل ہی کا طفیل ہے کہ مسلمانوں کی موت اس کے لئے کفارہ بن جاتی ہے۔

اَلْمَوْتُ كَفَّارَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ مومن کی موت اس کے گناہوں کو دور کرنے والی ہے۔ (بیہقی)

ابن مغول فرماتے ہیں کہ مومن سب سے پہلا جس سے ہمکنار ہوگا وہ موت ہے اس لئے کہ مومن موت کے وقت انعامات خداوندی کا مشاہدہ کرتا ہے (ابن ابی الدنیا)

اس کی تشریح علامہ اقبال اپنے انداز میں یوں کرتے ہیں:۔

شان مردِ مومن با تو گویم — چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

موت کی تمنّا

زندگی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اس لئے دُنیا کی الجھنوں کے سبب کسی کو موت کی تمنّا کرنے سے روکا گیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ اگر ہمیں روک نہ دیا جاتا تو ہم موت کی تمنا کرتے (بخاری مسلم)

حضرت قیس ابن ابی حازم فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت خباب کی عیادت کو گئے، بیماری کے سبب ان کے جسم کو سات جگہ داغا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرماتے تو میں اپنے لئے دعا کرتا۔ (بخاری) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کوئی شخص مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرے بہت مجبور ہوجائے تو اس طرح دعا کرے۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوۃُ خَیْرًا اے اللہ۔۔۔ میرے لئے زندگی میں بھلائی ہو تو زندہ رکھ۔ لِیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِّیْ (بخاری مسلم) اور جب موت میں اچھائی ہو تو موت دیدے۔

اسی فرمان رسالت کی روشنی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اخیر دور حیات میں یہ دعا فرمائی تھی۔ اَللّٰھُمَّ قَدْ ضَعُفَتْ قُوَّتِیْ کَبِرَتْ سِنِّیْ وَانْتَشَرَتْ رَغْبَتِیْ فَاقْبِضْنِیْ غَیْرَ مُضَیِّعٍ وَلَا مُقَصِّدٍ (مالک) اے اللہ میری قوت کمزور میری عمر زیادہ اور رغبت منتشر ہوگئی تو مجھے لوگوں کے حقوق ضائع کرنے اور احکام کی ادائیگی میں کوتاہی سے قبل ہی اپنی جانب بلالے۔

علیم کندی کا بیان ہے کہ میں ابو عبس غفاری کے ساتھ ایک مکان کی چھت پر تھا اس وقت آبادی میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ اس کے خوف سے آبادی چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اس وقت ابو عبس غفاری نے فرمایا۔ اے وبا تو مجھے اپنی طرف لے لے یہ جملہ ان کی زبان سے تین بار نکلا۔ میں نے انھیں ٹوکا کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان معلوم نہیں کہ کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کہ موت کے وقت عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ اور اس کا موقع نہیں رہتا کہ بندہ توبہ کرکے خدا کی رضا حاصل کرے ابو عبس نے جواب دیا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ چھ چیزوں کے واقع ہونے سے پہلے موت کی آرزو کرو۔ (۱) بیوقوفوں کی حکومت (۲) کمینوں کی کثرت (۳) حکم اور فیصلہ کی خرید فروخت (۴) جب قتل کرنے کو ہلکا سمجھا جانے لگے۔ (۵) جب صلہ رحمی کے رشتے ٹوٹنے لگیں۔ (۶) قرآن مجید کو گانے کے طریق پر پڑھنے اور سننے کا ذوق بڑھنے لگے (طبرانی احمد) ایسے پرفتن اور آشوب پرکف زمانہ میں اہل ایمان کو مکمل تقاضے اسلامی کی تکمیل چونکہ مشکل ہوگی۔ دینداری کا سانس لینا دشوار ہوگا اس لئے ایسا وقت آنے سے پیشتر ہی ایک مومن اپنی موت کی دعا کرتا ہے۔ سچ فرمایا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہ صاف دنیا تو رخصت ہوگئی صرف تلچھٹ باقی ہے اس لئے موت ہر مسلمان کے لئے تحفہ ہے (طبرانی)

ابن المفرد

موت ایک قدرتی امر ہے کسی انسان کو اپنی موت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ کب اور کس مقام پر آجائے وقت پورا ہونے پر وہ ضرور آئے گی اور اسے ٹالنے والا کوئی نہیں ہے۔

اِذَا جَاءَ اَجَلُھَا لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ۔

جب موت کا وقت آجائے تو کوئی اسے ایک ساعت بھی مؤخر و مقدم نہیں کرسکتا۔

اور ایسا بھی نہیں کہ کوئی شئے اس کی راہ میں حائل ہوسکے یا کوئی قوت و طاقت موت کے پیغامبر کو واپس کرسکے جب اذن الٰہی ہوگیا تو سربفلک محلوں کی پتھریلی دیواریں اور فولادی دروازے بھی موت کے حملہ کا انسداد نہیں کرسکتے۔

اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ۔

ترجمہ: تم جہاں بھی رہو موت تم کو پکڑ لے گی اگرچہ تم مستحکم محلوں میں رہو۔

موت کے سامنے سرکشی یا غرور سے تو کیا کوئی نظر بچا کر بھی اپنے کو مامون نہیں رکھ سکتا۔ ایسا نہیں کہ کہیں ڈھک چھپ کر بھی موت سے پناہ لی جا سکے۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْہُ فَاِنَّہٗ مُلٰقِیْکُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥

ترجمہ: فرما دیجئے اے نبی کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے ضرور ملے گی پھر تم حاضر و غائب کا علم رکھنے والے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ تو وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کرتے تھے (دنیا میں)

حشر و نشر اور قبر و بعث پہ ایمان نہ رکھنے والے تو دنیا اور لذات دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ کر موت اور اس کے بعد کی تباہیوں سے غافل ہیں مگر کچھ لوگ موت سے بایں طور فرار اختیار کرتے ہیں کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی حرص دنیا اور شہوات نفسانی کے دلدل میں خود کو گرا کر فکر آخرت سے بے نیاز ہونا چاہتے ہیں۔ ایسے غافلوں کے لئے رب تعالیٰ آگاہی نازل فرماتا ہے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ وَھُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ مُّعْرِضُوْنَ ۔

ترجمہ: لوگوں سے ان کا حساب قریب ہے اور وہ بے خبر منہ پھیرتے ہیں۔

باقی آئندہ

جناب سید شبیر حسن صاحب بی اے

مغل سلاطین کے تمدنی کارنامے

بدیشی اقتدار نے ہندو مسلم تعلقات کشیدہ کرنے کے لئے اگرچہ تاریخ کو بہت کچھ مسخ کر دیا ہے مگر سچائی ظاہر ہو ہی جاتی ہے چنانچہ ایک غیر مسلم مورخ پروفیسر بینی پرشاد کا بیان ہے "مغلیہ حکومت کی بنیاد محض عام رعایا کی رضامندی اور خوشنودی پر قائم تھی اور اس کا سب سے بڑا راز مذہبی آزادی اور رواداری تھی ۔ اکبر، جہانگیر... شاہجہاں ہی کا یہاں ذکر نہیں ہے ۔ بلکہ خود اورنگ زیب تک نے اسے یکسر پامال نہیں کیا۔"

اس کے علاوہ مغل بادشاہوں نے رفاہِ عام کے لئے پختہ سڑکیں۔ کنوئیں اور سرائیں بنوائیں اور سڑکوں پر دونوں طرف سایہ دار درخت لگوائے، مسافروں کی حفاظت و خبر گیری کیلئے سپاہی مقرر کئے اور مسافروں کو تکلیف پہونچنے کی صورت میں سپاہیوں کو سزائیں دیں اور انہیں موقوف کیا اکبر نے سلطانپور کے دریا پر پل بنوایا، ملا نورالدین نے نہر شیخوراں تیار کرائی. جہانگیر نے دریائے مہی پر پل تعمیر کرایا، شاہجہاں نے فیروز تغلق کی بنوائی ہوئی نہریں صاف کرانے کے علاوہ اور بہت سی نئی نہریں دلی تک تیار کرائیں ، عالمگیر نے مختلف شہروں میں بڑے بڑے تالاب اور حوض تعمیر کرائے ۔ نواب کمال خاں نے سانگی ندی سے نہر نکلوائی ۔

تعلیم کے لئے امیر رحیم داد نے بابر کے ایماء سے گوالیار میں ایک مدرسہ اور شیخ زین الدین خاں وفا نے آگرہ میں ایک خانقاہ اور ایک مدرسہ جاری کیا، اکبر نے اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں مدرسے قائم کرنے کا انتظام کیا ۔ اس نے سنسکرت کی تعلیم کو فروغ دیا اور ہندو عالموں کی سرپرستی کی ۔ چنانچہ اکبر کے جن مایہ ناز ۲۱ عالموں کا ذکر ابوالفضل نے کیا ہے ان میں سے ۹ ہندو ہیں ۔ خود ابوالفضل نے فتح پور سیکری میں مدرسہ جاری کیا تھا ۔ مولانا علاء الدین لاری نے "مدرسہ خس" قائم کیا۔ عالمگیر نے ہر شہر اور قصبے میں مدرسے جاری کئے۔

جہانگیر نے آگرہ سے دریائے اٹک تک اور آگرہ ہی سے بنگال تک سڑکوں پر درخت لگوائے جو میوہ دار تھے، اس نے ایک نئی سڑک بھی آگرہ سے لاہور تک بنوائی تھی جس پر ہر کوس پر مینارے اور تین تین کوس پر کنوئیں بنوائے، چنانچہ توزک جہانگیری کی یہ شہادت ہے "جہانگیر نے تمام بڑے بڑے شہروں میں عوام کے لئے خاص اہتمام سے ہسپتال بنوائے جن میں علاج کے لئے ماہرِ فن اطباء کو مقرر کیا گیا، ان ہسپتالوں کے تمام مصارف جہانگیر کے ذاتی اخراجات میں سے ادا کئے جاتے تھے"۔

الہ آباد کی موجودہ سرائے جہانگیری نے بنوائی تھی، شاہجہاں نے احمد آباد میں شفاخانہ قائم کیا ۔ عالمگیر کی مدد سے نواب خیر اندیش خاں کنبوہ نے اٹاوہ میں ایک شفاخانہ جاری کیا۔

مغل بادشاہوں کے معاشرتی کارناموں کے سلسلہ میں ہمارے

بیان کی تصدیق کے لئے سترھویں صدی کے مشہور سیاح، برنیر کا حسب ذیل بیان ایک ناقابل تردید شہادت ہے۔

"بنگال میں جو کہ دریائے گنگا کے دونوں طرف راج محل سے سمندر تک تقریباً تین سو میل کے بے شمار نہریں ہیں جو مالِ تجارت لیجانے کے لئے گنگا سے کاٹ کر بڑی محنت سے تیار کی گئی ہیں۔ ان نہروں کے دونوں طرف قصبے اور گاؤں آباد ہیں جن کی زمینوں میں مختلف قسم کی اجناس کی کاشت ہوتی ہے۔"

سولھویں صدی کے سیاح ٹیورنی کا بیان ہے:۔ "یہاں (ہندوستان) کے راستے فرانس واٹلی کے راستوں سے بہتر ہیں — اور — "جہانگیر نے شراب و تمباکو کی فروخت ممنوع قرار دیدی۔ مشرقی بنگال میں خواجہ سرا بنانے کے ظالم رواج کو قطعاً ممنوع قرار دیا، بہت سی سرائیں، مسجدیں، مدرسے اور شفاخانے قائم کئے، ہر شہر میں سرکاری روپیہ سے طبیب مقرر کئے، لاوارثوں کے ترکہ کو سرکاری خزانہ میں داخل کرنے کے بجائے کنوئیں، تالاب، سرائیں اور پُل وغیرہ تعمیر کرانے میں صرف کرنے کا حکم نافذ کیا اور جاگیرداروں نے جو اپنے فائدے کے لئے مختلف قسم کے ٹیکس کاشتکاروں پر قائم کر رکھے تھے انہیں بالکل موقوف کر دیا۔" (تاریخ پروفیسر بینی پرشاد بموجب بارہ احکامات جہانگیری)۔

"شاہجہاں کے زمانہ میں پولیس کا انتظام ہر معاملہ میں اور خاص طور پر سڑکوں پر مسافروں کے آرام وچین کے سلسلہ میں اسقدر اطمینان بخش تھا کہ کسی شخص کو چوری کے الزام میں سزا دینے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔" (سفرنامہ ٹیورنیر صفحہ ۳۳۵)

منوچی (MANUCCI) نے .... STARIA DO MOGAR میں صفحات ۶۸، ۶۹ پر شاہجہاں کے غیر جانبدارانہ انصاف کی بے انتہا تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے

"شاہجہاں کے دور میں پورے ملک میں ہر جگہ اتنی بڑی بڑی سرائیں تھیں کہ ان میں آٹھ سو سے لے کر ایکہزار مسافر تک اپنے گھوڑوں، اونٹ گاڑیوں اور خدمتگاروں کے ساتھ آرام سے رہ سکتے تھے۔"

"لب التواریخ" کے مصنف رائے بھاری مل کی (جو شاہجہاں کے زمانہ کو تاریخ کا زریں زمانہ کہتے ہیں) یہ شہادت ہے: "شاہجہاں بہتر سے بہتر اور قابل سے قابل افسر رکھتا تھا، رعایا کے ساتھ نہایت رحمدلی اور محبت سے پیش آتا تھا، کاشتکاروں کی حالت بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا اور ممالکِ محروسہ میں کاشتکاروں کی حالت بہت بہتر ہوگئی تھی۔ چنانچہ جس پرگنے کی آمدنی اکبر کے زمانہ میں تین لاکھ تھی پھر اسی پرگنہ کی آمدنی دس لاکھ ہوگئی تھی۔"

حالانکہ وصولیابی کا نرخ وہی پیداوار کا ایک تہائی رہا اور پھر شاہجہاں یہ بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ مقررہ لگان کے علاوہ کسی اور مد کے تحت کاشتکاروں سے روپیہ وصول کیا جائے جیسا کہ پروفیسر جادو ناتھ سرکار اپنی کتاب مغلوں کا انتظام سلطنت (Moghal Administration) میں صفحہ ۸۲ پر رقمطراز ہیں۔

"ایک مرتبہ شاہجہاں کسی پرگنے کے کاغذات کا معائنہ کر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک گاؤں کی آمدنی ایک دم سے کئی ہزار بڑھ گئی ہے، اس پر اس نے سعد اللہ خاں صدر اعظم کو طلب کیا اور اس سے اسکی وجہ دریافت کی، صدر اعظم نے جواب دیا ایک دریا کے راستہ بدل دینے کی وجہ سے کچھ اور زمین قابلِ کاشت پیدا ہوگئی ہے اور اس کا لگان قریب کی زمین کے کاشتکار سے وصول کیا گیا ہے جس نے اس کو جوتا تھا۔ لہٰذا اس گاؤں کی آمدنی بڑھ گئی ہے۔

شاہجہاں نے صدر اعظم سے جو کچھ کہا اسے دل کے کانوں سے سننے کی ضرورت ہے" اس زمین کے غریب کاشتکار اور اسکے معصوم بچوں

کی آہ وزاری کا جواب دیتے ہوئے دریا خشک ہوگیا ہے۔ قدرت نے ان کو اپنے خزانہ سے یہ عطیہ عنایت کیا ہے لیکن تم نے اسکو سلطنت کے خزانہ میں شامل کرکے ناشائستہ حرکت کی ہے، اگر خدا کی مخلوق کو معاف کرنے کا جذبہ مجھ میں نہ ہوتا تو میں اسی وقت اس شیطان ثانی، ظالم فوجدار (جس نے اس زمین کا لگان وصول کیا تھا) کو قتل کر دینے کا حکم دیدیتا مگر خیر، اس کو اس وقت برخواست کر دینا ہی کافی سزا ہے تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور کبھی اس قسم کی نازیبا حرکت اور ظلم نہ کریں۔ تم فوراً حکم جاری کرو کہ جتنا زائد روپیہ اس کاشتکار سے وصول کیا گیا ہے اسے فوراً واپس کر دیا جائے۔"

اسی ضمن میں "لب التواریخ" کے مصنف رائے بہاری مل، شاہ جہاں کے انصاف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں" شاہ جہاں ہر شخص کے ساتھ برابر اور ایک سا انصاف کرتا تھا، ایک جگہ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے" ایک مرتبہ کچھ تماشہ کرنے والوں نے ایک تماشہ دکھانے کے لئے شاہجہاں سے اجازت حاصل کی، اجازت مل گئی تو تماشہ میں گورنر گجرات کے مظالم دکھائے گئے۔ اس پر شاہجہاں نے بڑے تعجب سے دریافت کیا" کیا میری مملکت میں ایسے ظالم لوگ بھی موجود ہیں؟" اور پھر ممکنہ عجلت کے ساتھ واقعات معلوم کئے اور جب واقعات صحیح ثابت ہوگئے تو گجرات کے اس گورنر کو روہتاس گڈھ کے قلعہ میں زندگی بھر کے لئے قید کر دیا۔"

منوچی ہی کا یہ بیان بھی ہے" جب کبھی قحط پڑتا تھا تو شاہجہاں رعایا کی تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا تھا، چنانچہ شاہجہاں کی تخت نشینی کے انیسویں برس جب پنجاب میں میں قحط پڑا تو اس نے یہ فرمان جاری کیا کہ" شاہی خزانہ کے روپیہ سے ان بچوں کو خرید لیا جائے جن کو ان کے والدین بھوک کی وجہ سے فروخت کریں اور ان بچوں کو پھر ان کے والدین کو واپس کر دیا جائے۔" اسکے علاوہ صرف لاہور میں دس خیرات خانے کھولے گئے جہاں کھانا مفت تقسیم ہوتا تھا۔

اب عالمگیر کے متعلق بھی کچھ سن لیجئے، جس کی ذات خاص طور پر مبغوض ومذموم بنائی گئی ہے۔ مولانا شبلی مرحوم کے بقول ملا عبد القادر بدایونی نے اکبر کے حالات بیان کرنے میں چونکہ تنقید بھی کی تھی اس لئے جہانگیر نے اپنے زمانۂ حکومت میں حکم دیدیا کہ اس کتاب کی نقول قطعاً ممنوع کرا دی جائیں مگر نعمت خاں عالی نے" وقائع نعمت خاں" میں عالمگیر کی بیحد مخالفت کی ہے لیکن عالمگیر کے جانشین، بہادر شاہ نے نعمت خاں کو دانشمند خاں کا خطاب دیا اور" وقائع نعمت خاں" نصاب درس میں داخل کی گئی۔

عالمگیر بہادر شاہ جیسا جانشین اور نعمت خاں عالی، خافی خاں، شاہ نواز خاں جیسے وقائع نگار ہاتھ آئیں تو بیچارہ کے لئے نیکنامی کی کیا توقع ہو سکتی ہے! لیکن ان مصلحت آمیز مخالفتوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح حقیقت ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔ چنانچہ عالمگیر کے متعلق انتہائی مخالف ومتعصب ہونے کے باوجود لین پول لکھتا ہے

" سیاحوں کی مخالفانہ نکتہ چینیاں، اورنگ زیب کے حالات پر اسی زمانہ تک جب تک کہ وہ شاہزادہ تھا لیکن وہی سیاح جس وقت اسکے زمانۂ شہنشاہی کا حال لکھتے ہیں تو کلمات تحسین کے علاوہ کچھ نہیں لکھتے، اورنگ زیب کے پچاس برس کے طویل دور حکومت میں ایک ظالمانہ فعل بھی اورنگ زیب کے خلاف ثابت نہیں ہے حالانکہ ہندوؤں کے ستانے میں بھی جو اس کی دینداری کا ایک جزو تھا اسب کو تسلیم ہے کہ ہندوؤں [illegible] قتل یا ان کو جسمانی تکلیف پہونچانے کا کوئی واقعہ ان کے دور حکومت کی تاریخ میں شامل نہیں ہے۔" انتہائی مخالفت کے باوجود عالمگیر کے متعلق خافی خاں لکھتا ہے۔" قرار یافت

کہ از تبلہ پیشکاران دفتر دیوانی و بخشیان سرکار یک پیشکار مسلمان ویک ہندو مقرر می نمودہ باشند۔" (طے کیا گیا کہ تمام دفاتر دیوانی اور تبلہ دفاتر خالصہ کے پیشکاروں اور "بخشیوں" میں ایک ایک پیش کار اور "بخشی" مسلمان اور ایک ایک ہندو مقرر کیا جائے)

سنہ ۱۰۱۲ھ میں عالمگیر نے یہ فرمان جاری کیا "تمام اضلاع میں سرکاری وکیل مقرر کئے جائیں اور عام منادی کر دی جائے" اگر کسی شخص کو بادشاہ کے خلاف کوئی دعویٰ ہو تو وہاں کے قاضی کی عدالت میں وہ پیش کرے اور سرکاری وکیل جو کہ وہاں پر مقرر کیا گیا ہے اس کی جواب دہی کرے، اگر واقعی اس کا دعویٰ صحیح ہو تو سرکاری وکیل اس کا مطالبہ ادا کرے۔" (خافی خاں صفحہ ۲۴۹)

اس کے ساتھ ہی ساتھ پرچہ نویسی اور واقعہ نگاری کا محکمہ بہت بڑھا دیا گیا تاکہ ملک و رعایا کی حالت و کیفیت آسانی سے معلوم ہو سکے اور خرابیوں کو دور کیا جا سکے اور یہی وجہ ہے کہ عالمگیر نے اپنے رقعات میں ایک ایک چیز کا ذکر کر دیا ہے اور ان کے متعلق گورنروں کو ہدایت جاری کی ہیں، ظالموں اور مظلوموں کی دادخواہی اس قدر شوق اور تندہی سے کرتا تھا کہ اسکا اندازہ جیملی کیریری سیاح کے (جس نے عالمگیر کو اسی برس کا بوڑھا دیکھا تھا) اس بیان سے ہو سکتا ہے۔ "شہنشاہ عالمگیر لکڑی کے سہارے منصب داروں کے درمیان میں کھڑا ہوا بنفس نفیس دادخواہوں کی عرضیاں لیتا جاتا تھا اور بغیر عینک کے پڑھ کر ان پر اپنے دستخط کر رہا تھا، اس کے خوش اور بشاش چہرہ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے اس کام سے بہت مطمئن اور مسرور ہے۔" (تاریخ الفنسٹن)

عالمگیر کے زمانہ میں آسام، چاٹگام، حیدرآباد اور بیجاپور سلطنت میں شامل ہو گئے تھے لیکن ان کی آمدنی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ انکے شامل ہو جانے سے شاہجہاں کے زمانہ کے مقابلہ میں اورنگ زیب کے زمانہ میں دوگنی سے زیادہ یعنی ساڑھے اکتیس کروڑ روپیہ سالانہ کی آمدنی بڑھ جائے (شاہجہاں کے زمانہ میں اٹھائیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی تھی) اور ایسی صورت میں جب کہ اورنگ زیب نے ایسے اسی ٹیکس بالکل معاف کر دیئے تھے جو شاہجہاں کے وقت تک جاری تھے اور جن کی آمدنی خافی خاں کروڑوں بتاتا ہے تو پھر لامحالہ یہی ماننا پڑتا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں بندوبست اتنا اچھا تھا اور کاشتکاری کی حالت اتنی بہتر ہو گئی تھی کہ کروڑوں کی آمدنی کے ۸۰ ٹیکس معاف کر دینے کے بعد بھی سالانہ آمدنی دوگنی سے زیادہ ہو گئی تھی

اورنگ زیب کے زمانہ میں مشہور سیاح ڈاکٹر ہملٹن کے بیان کے بموجب صرف شہر ٹھٹھہ میں چار سو درسگاہیں موجود تھیں اور وہ بھی اس حیثیت کی تھیں کہ ہملٹن ان میں سے ہر ایک کو "کالج" سے تعبیر کرتا ہے تو غور کیجئے کہ پایۂ تخت اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں تعلیم گاہوں کی تعداد کیا ہو گی؟

مغل سلاطین نے صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ ان کے علاوہ ایجادیں و اختراعیں بھی کیں، نورجہاں نے نئے نئے قسم کے زیورات، عطریات اور لباس ایجاد کئے، اکبر نے الگ الگ ہو جانے والی جوڑی دار توپ، خود آٹا پیسنے والی چکی اور خس کی ٹٹی ایجاد کی، تختہ بندی چمن بندی خیاباں، جدول اور قلم لگانے کا رواج دیا، پھولوں میں گل سرخ، نرگس، بنفشہ، یاسمن، سوسن، ریحاں، رعنا، زیبا، شقائق، تاج خروس خطمی۔ درختوں میں، سرو، صنوبر، چنار، سفیدار، بیدمولہ، صندل، پستہ اور قسم قسم کے انگور و انناس وغیرہ دوسرے ملکوں سے لاکر ہندوستان کو ان سے رنگین و معطر اور پُر بہار بنایا۔

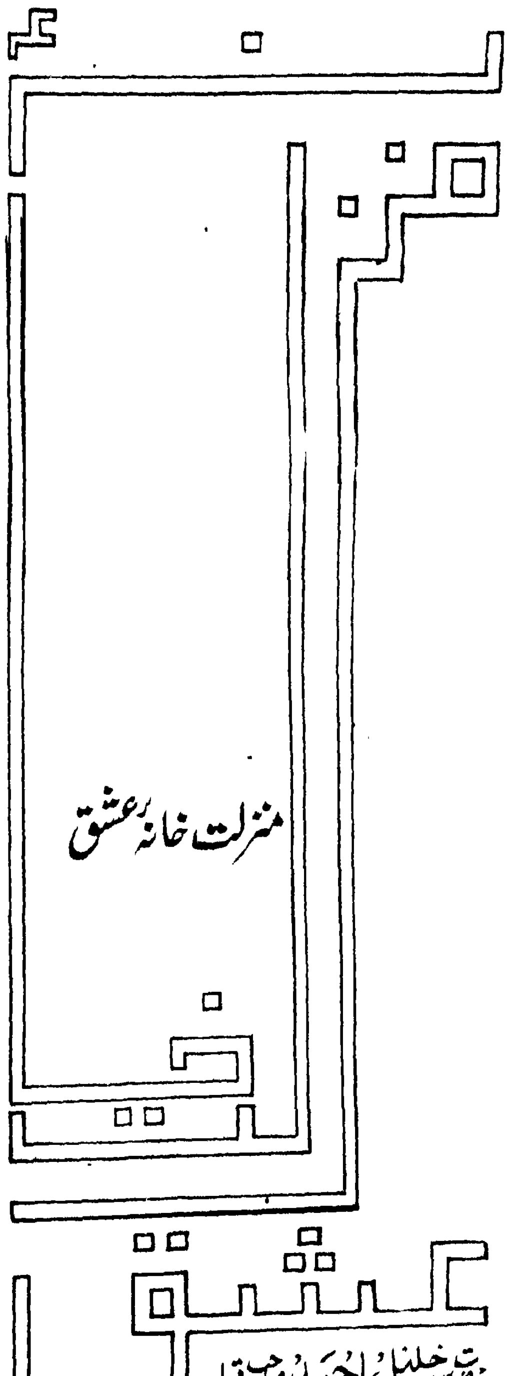
ملک کی دولت سے صرف شہنشاہ وقت ہی فائدہ نہیں اٹھاتا تھا،

بلکہ ایشوری پرشاد (مسلم رول ان انڈیا صفحہ ۶۱۴) کی شہادت کے مطابق رعایا کو اس سے بے شمار فائدے پہونچتے تھے، شاہجہاں کی شان وشوکت کی وجہ سے رعایا کیلئے بے شمار ذرائع آمدنی پیدا ہو گئے تھے، شہنشاہ بابر ہی نے جو ہندوستان میں صرف چار برس مقیم رہا اور ان چار برسوں میں بھی زیادہ تر وقت سلطنت کے قیام واستحکام ہی میں صرف کیا، اتنے لوگوں کے لئے روزگار مہیا کر دیا تھا صرف ایک شہر آگرہ میں روزانہ ۶۸۰ سنگ تراش اور سیکری۔ بیانہ دھولپور۔ گوالیار اور کوئل میں ۱۴۹۱ صرف سنگ تراش رکھے گئے تھے تو غور کیجیے کہ اکبر جہانگیر شاہجہاں وغیرہ نے عوام کے ذرائع معاش کتنے زیادہ کر دیئے ہونگے؟ جبکہ ان کی بنائی ہوئی بہت سی عمارتیں، بالکل تباہ وبرباد اور نیست ونابود ہو جانے کے علاوہ آج بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ان وسیع ذرائع آمدنی کے ساتھ ساتھ چیزوں کی قیمت اتنی کم تھی کہ جناب ایشوری پرشاد کے بیان کے بموجب موجودہ ایک روپے کے برابر سکہ سے اس زمانہ میں اتنی چیزیں خریدی جا سکتی تھیں جتنی اب پچاس روپے میں بھی نہیں خریدی جا سکتی ہیں، اور اس زمانہ سے اب تک اگر قیمتیں ایک سو سے چھ سو تک بڑھی ہیں تو مزدوری ایک سے محض تین سو تک بڑھی ہے، اور اسی وجہ سے مورلینڈ (
) اور اسمتھ (   ) جیسے متعصب، غلط بیان اور جانب دار مورخ تک یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ "اس دور کے اعتبار سے اس زمانہ میں لوگوں کو بہت زیادہ کھانے کو میسر آتا تھا"

مغل بادشاہوں نے صنعت وحرفت اور تجارت کو بیحد ترقی دی اور لاہور، آگرہ، فتحپور، احمد آباد، برہان پور، اور کشمیر وغیرہ میں کارخانے جاری کئے جہاں پر قیمتی کپڑے تیار ہوتے تھے۔ (مسلم رول ان انڈیا مصنفہ ایشوری پرشاد صفحہ ۶۱۴)

"قلعوں میں کارخانے تھے جہاں پر [illegible] درزی، چمار، زردوز اور قیمتی کپڑے بنانے والے [illegible] اور ایجادات کے جوہر دکھاتے تھے (سفرنامہ برنیر صفحہ ۵۹)

ابوالفضل لکھتا ہے بادشاہ سلامت (اکبر) نے [illegible] توجہ کی کہ نئے نئے قسم کے کپڑے بُنے جائیں اور [illegible] ہوشیار کاریگر ملازم رکھے گئے تاکہ وہ لوگوں کو بہتر سے بہتر [illegible] سکھائیں۔ چنانچہ لاہور۔ آگرہ، فتحپور اور احمد آباد کے [illegible] سے بہترین مال تیار ہو کر نکلتا تھا۔ ان مقامات میں [illegible] لاہور کے کپڑے۔ فتحپور سیکری کے قالین اور گجرات [illegible] اونی کپڑے اور ڈھاکہ کی ململ تھی۔ ان کے علاوہ ریشمی کپڑے [illegible] زربفت۔ فرنگی۔ کاشی۔ گجراتی۔ ہردی۔ طاس، گجراتی۔ دارائی نقش۔ شروانی۔ شجر فرنگی۔ دیبائے فرنگی۔ دیبائے یزدی۔ خارا۔ اطلس ختائی، نوار ختائی۔ خز۔ مخمل فرنگی خانی۔ سہ رنگ قطنی۔ کتان فرنگی تافتہ۔ ابری۔ مطبق۔ چوتار، نین سکھ۔ سری ساف۔ گنگاجل۔ بھیرول۔ سالور۔ بہادر شاہی۔ سوتی۔ شیلہ دکنی۔ مہرپیل۔ [illegible] محمودی۔ پچھتولہ۔ جبولہ، چھینٹ وغیرہ تیار ہوتی تھیں، شامیانے، [illegible] تمبو ہزاروں وضع وقطع کے بنائے جاتے تھے، شالیں، قالین، [illegible] تخت وغیرہ وغیرہ، نئی نئی طرز کے تیار کئے جاتے تھے، مغل شہنشاہ چونکہ ایجادات ومصنوعات کی سرپرستی کرتے تھے [illegible] اپنے اپنے شہروں میں صنعت وحرفت کی ترقی [illegible] حکومت کے ابتدائی دور میں امراء کو [illegible] خود اکبر کے خاندان کے مردوں اور عورتوں [illegible] کہ خود شہنشاہ اکبر کی والدہ نے بیانہ [illegible]



منزلت خانۂ عشق

حضرت سید خلیل احمد صاحب قبلہ
ایم۔ اے

تصوف کا دوسرا نام خداشناسی ہے۔ یہ آگہی کب پیدا ہوتی ہے جب محبت عشق کی جگہ لے لیتی ہے۔ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو لازم و ملزوم ہیں ایک کا تصور دوسرے کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ حسن و عشق، جسم و روح، صحت و زندگی، حیات و موت وغیرہ جب تصوف کا ذکر آتا ہے تو صوفی بھی آ کھڑا ہوتا ہے چونکہ وہ بھی ناگزیر ہے۔

عصر حاضر کو سامنے رکھیں اور خلفائے راشدین کے عہد کو دیکھیں تو ایسا لگتا ہے کہ انسان چاند پر جا سکتا ہے لیکن اُس خصوصیت کا حامل نہیں ہو سکتا جو زندگی کا ستون تھیں۔ مادیت کا زور، سرمایہ داری کا غلبہ، استکبار کا چڑھتا ہوا رنگ، فضاؤں میں گونجتی ہوئی رنگینی، دلکش اور دلفریب ادائیں، فرسودہ نظام، گلشن میں بکھرے ہوئے خوشنما پھول، در و دیوار سے حسرت کی پکار، عصر حاضر کی دین ہیں۔

صنعتی انقلاب نے انسان کے لئے ساری سہولتیں فراہم کی ہیں۔ مثلاً آمد و رفت کے ذرائع، طرح طرح کی مشینیں انسانی فوائد کے لئے بنائی گئی ہیں۔ طرح طرح کے کھیل و تفریح کے سامان مہیا کئے گئے ہیں۔ نئے انداز کے ہوٹل اور ریسٹورنٹ نے کھانے کی زینت بڑھائی ہے۔ دلکش سیلان وجود میں آئے جو عورت اور مرد کا امتیاز مٹانے میں ساز گار ہیں۔ یہ سب ترقیاں سائنس کے دور میں نظر آتی ہیں۔ لیکن دوسرا پہلو دیکھا جائے جہاں سائنس کے کرشموں نے چاند تک پہونچایا ہے اس نے گرنے کا سامان بھی مہیا کر رکھا ہے۔ طرح طرح کے تخریبی آلات انسان کے وجود کو مٹانے کے درپۂ آزار ہیں اس بڑھتی ہوئی

مادیت نے مذہب سے ہٹا کر انسان کو سفر کی طرف جھونک دیا ہے. سکون نام کی چیز معدوم ہے۔ انسانیت کراہ رہی ہے. آدمیت مٹ چکی ہے۔ مذہب محض سماج کا ایک رسم بن کر رہ گیا ہے۔ یہ سب صنعتی انقلاب اور سائنس کی دین ہے۔

ایسی حالت میں محبت تو ہو سکتی ہے لیکن عشق الٰہی میسر نہیں۔ عشق کے گرم بستر پر لیٹنا تو آسان ہے مگر نیند نہیں آسکتی۔ کیونکہ اس کی گرمی صرف بدن کو نہیں چھوتی روح تک پہونچ جاتی ہے۔ صوفیائے کرام نے عشق کی پرستش کی ہے اسلام کے فریضہ کو دلوں سے لگایا ہے. خدمت خلق کو اپنا شعار بنایا۔ جبھی وہ روحانیت کے زینے پر چڑھے۔ منازل عشق سے طے ہوتے ہیں علم سے نہیں۔ بصیرت عمل سے آتی ہے صرف ادب سے نہیں۔ ادبا رعالم ہو سکتے ہیں صوفی نہیں۔ صوفی کا مزاج حساس ہوا کرتا ہے ان کے دلوں کے تار بہت باریک ہوتے ہیں ایک ہلکا سا جھونکا بھی مضراب کا کام کرتا ہے۔ ایک عالم بے عمل کا مزاج سخت اور اطوار ناپسندیدہ ہوا کرتے ہیں۔

عشق کی پہلی منزل خوف خدا ہے خوف دنیا نہیں۔ محبت آغاز ہے تو عشق تکمیل۔ محبت فانی ہے تو عشق لافانی عشق کی حرارت انسان کو زندہ رکھتی ہے اور معرفت کی اس منزل تک پہونچا دیتی ہے جہاں اپنی بھی خبر نہیں ہوتی۔ عقل بھی محو تماشا بن جاتی ہے۔ ایک انگریز مفکر اور شاعر ایمرسن (EMERSON) نے خوب کہا ہے کہ "مذہب سے انسان میں توانائی آتی ہے اور دلوں میں وسعت پیدا ہوتی ہے مذہب سے عشق کرنے کی ضرورت ہے۔" علامہ اقبال مرحوم نے عشق کو ام الکتاب اور علم کو ابن الکتاب کہا ہے مصرعہ موزوں اس طرح کیا ہے ع

علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب

حضور سید شاہ محمد اکبر دانا پوری رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے اکابر صوفیوں میں ہیں فرماتے ہیں ع

کعبہ پا سکتا ہے کب منزلتِ خانۂ عشق
عرش کرتا ہے طوافِ درِ کاشانۂ عشق

کعبہ کی بنیاد عشق پر ہے اگر عشق نہ ہوتا تو کعبہ کیسے ہوتا۔ اس طرح عرش بھی عشق کا محتاج ہے جبھی تو عرش کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ دنیائے وجود کی بنا عشق ہے اور اس کو زندہ رکھنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے عبادت دریافت کی مشق کرائی ہے۔ جیسے نماز، روزہ، کلمہ، زکوٰۃ، حج کو فریضہ اسلام قرار دیا۔ اس کے علاوہ خدمت خلق کو بھی ترجیح دی صرف کھوکھلی نماز عشق الٰہی تک نہیں پہونچا سکتی۔ عبادت بغیر عشق منہدم عمارت ہے۔ بقول شاہ محمد اکبر دانا پوری

زاہد بغیر عشق عبادت فضول ہے
کیا دل لگے نماز میں جب دل لگا نہ ہو

جس طرح عبادت کا انحصار صحت پر ہے اگر صحت نہ ہو تو عبادت میں یکسوئی نہیں آتی۔ تھوڑی دیر کی ریاضت بارگراں بن جاتی ہے۔ عبادت کے معنی وسیع ہیں جو اپنے اندر جز میں کل اور قطرہ میں دجلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی عشق کی بنیاد پر ہمارے رسول خدا نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر فاروق ہوتے۔ حضرت عمر فاروق نے عشق کے مزاج کو

سمجھا تھا۔ اس کی لازوال روحانیت سے واقفیت رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ فلاح دین واسلام کی خاطر اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ رسول اللہ کے رخ پر نچھاور کر دیا۔

لیکن آج کا نقال صوفی جان تو دے سکتا ہے مگر مال کو جدا نہیں کر سکتا۔ وہ نہیں سمجھتا کہ اسی جان ومال کی قیمت تو عشق ہے۔

حالات حاضرہ کا انسان مادیت کا شکار ہو چکا ہے اور روحانیت کو دفن کر چکا ہے اور بغیر عشق الٰہی کے روحانیت ترقی نہیں کر سکتی۔ روحانیت بحرِ محبت ہے اس میں ڈوبنے کی ضرورت ہے۔ اگر عشق اپنا دامن جھٹک دے تو انسان کو کہاں پناہ مل سکتی ہے۔ شاہ محمد اکبر داناپوری فرماتے ہیں

ڈوب کر بحرِ محبت سے نکلنا کیسا
پار ہونے کی تمنا ہے تو ڈوبے رہنا

لہٰذا آج کا انسان کل کا رہنما بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ محبت، خلوص، عبادت، ایثار اور خدمت خلق کو اپنا شعار بنا لے اور اس راستے کو اپنائے جس پر ہمارے دین کے بانی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صوفیائے کرام نے چل دکھلایا ہے۔ اسی میں ہماری نجات ہے ورنہ اس مادیت کے دور میں جہاں اپنے بیگانے نظر آتے ہوں، برائی سر اٹھاتی ہو، دولت انسانیت کو خرید لیتی ہو، اخلاق کی دیوار گر چکی ہو، مذہب رسم بن چکا ہو، ایسی حالت میں جائزہ لیں۔ غور و فکر کو جگہ دیں اور اس کا تدارک کریں۔ جبھی ہم مذہب اسلام کے ماننے والے بن سکتے ہیں۔ اور دین و دنیا میں فلاح پا سکتے ہیں

وانتم الاعلون ان کنتم مومنین
(قرآن حکیم)

(بقایا صفحہ ۱۴)

۱۸۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخر میں وعظ فرمایا کہ اے لوگو تمہارے پاس عظمت وبرکت والا مہینہ آیا وہ مہینہ جس میں ایک رات ہزاروں مہینوں سے افضل ہے۔

۱۹۔ لیلۃ القدر میں عبادت کرنے کی بڑی فضیلت ہے اسے رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو یعنی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں، اور انتیسویں میں (حدیث) ان میں سے کسی ایک شب کا تعین اس بنا پر نہیں کیا گیا تاکہ اہل ایمان لیلۃ القدر کی تلاش میں سارا عشرہ عبادت ووظائف میں مشغول رہیں اور زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب میں اضافہ کریں۔

مغل سلاطین کے تمدنی کارنامے

(بقایا صفحہ ۳۱)

موجا بیجا شاہی خاندان کی زندگی سے امراء میں بھی اس کا جذبہ اور شوق پیدا ہوا اور تجارت کا ذوق عام ہو گیا اور ملک بھر میں تجارتی ترقی شروع ہو گئی۔ چنانچہ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے قبل یہ ملک دنیا کا بہت اہم تجارتی ملک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پندرہویں اور سولہویں صدی میں یورپ کی ہر قوم کے افراد، ہندوستان آرہے تھے تاکہ اس دولت کے پھل کھائیں جس کی آبیاری مسلمان سلاطین نے کی تھی۔

نسیم جہاں صدیقی (لکھنؤ)

مسلم معاشرے کی زبوں حالی

پیاری بہنوں! آج کا دور ترقیاتی دور کہلاتا ہے. ذہنی ترقی، سائنٹفک ترقی، سیاسی ترقی، فیشنی ترقی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض اعتبار سے موجودہ دور ماضی کی ترقیوں پر بہت تیزی کے ساتھ سبقت لے جا رہا ہے لیکن آج بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا میں اخلاقی اعتبار سے کوئی ترقی نہیں ہوئی ہے۔ اور نہ زندگی کے اس اہم ترین شعبے کی طرف کوئی توجہ کی جا رہی۔ انسان اپنے ذہن و فکر کی بالیدگی اور آلاتِ نو کے سہارے کائنات کے بہت سے مضمرات کا انکشاف کرتا جاتا ہے. اور اس تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا جا رہا ہے کہ ماضی کے برس دو برس صدیوں پرانے معلوم ہونے لگے ہیں لیکن خود انسان اپنی انسانیت اور اپنے اخلاق و کردار کی ترقی کی کوئی مشین نہ ڈھال سکا. اور زندگی کے اس اہم ترین باب میں موجودہ دور ۱۳ سو سال سے زیادہ پیچھے ہو گیا ہے۔ خاص کر قوم مسلم اپنی زبوں حالی، پسماندگی اور ذہنی بیماری میں قابل افسوس رہگذر سے گذر رہی ہے، مسلمان جس کی ایک مستقل تاریخ ہے، ایک مکمل موقف ہے، ایک مخصوص مزاج ہے، ایک منفرد تہذیب ہے، ایک ایسی تاریخ ہے جس کا جواب دنیا کی کوئی تاریخ نہ دے سکی۔ ایسا موقف ہے جس کے توازن کو آج تک کوئی چیلنج نہ کر سکا۔ ایسا مزاج ہے جسے اعتدال کا نقطۂ حقیقی کہا جا سکتا ہے۔ ایسی تہذیب ہے جو دنیا کی ساری اقوام و ملل پر اپنی برتری کا سکّہ جما چکی ہے.

لیکن آج مسلمان قوم بیمار ہو گئی ہے! اخلاقِ حسنہ کو مرض لاحق ہو گیا ہے. اقتصادیات کو مہلک جراثیم کھاتے جاتے جا رہے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنی عظمتِ دیرینہ کا احساس بھلا کر رسوا ہو گئے. دنیا کے سامنے، اقوام کے سامنے، خود اپنی نظروں میں. ہم یہ بھول گئے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا فلاسفر ہمارے ہی عطا و کرم سے فلاسفر ہوا ہے. دنیا کا بڑا سے بڑا عالم ہماری ہی ڈیوڑھی کی خاک چھان کر عالم ہوا ہے۔

آج ہمارا یہ حال ہے کہ جہاں کہیں کوئی نیا لباس نکلا ہم نے نقل اتارنا شروع کر دی. جہاں کوئی نیا فیشن دیکھا

اپنانا شروع کر دیا۔ ہمیں یاد نہیں رہا کہ جس لباس کو ہم اتار کر پھینک رہے ہیں اس میں ہماری تہذیب و ثقافت کا قدیمی پرانا خزانہ چھپا ہوا ہے اور جس فیشن کو ہم اپنا رہے ہیں یہ ہمارے معاشرے کو پھپھوند بن کر کھا جائے گا۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ متمدن قوم اپنے امتیازی لباس سے بھی جانی پہچانی جاتی ہے۔ اسی لئے پیغمبر اخلاق جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت تنبیہ فرمائی ہے۔ اور یہ اعلان فرما کر کہ "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" اسی حقیقت کی جانب ارشاد فرمایا ہے۔

اسلامی بہنو! آج سے تیرہ چودہ سو سال پہلے کی تاریخ تمدنِ اسلامی دہرا کر خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کیجئے کہ پیغمبر اسلام نے ہمیں عرب کی جہالت اور پست ترین تہذیب کے غار سے نکال کر نور تمدن سے مالا مال کر دیا۔ ورنہ وحشی انسانوں نے عورتوں کی بے حرمتی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ بچیاں زندہ درگور کر دی جاتی تھیں۔ عقد و مناکحت کا کوئی معیار قائم نہیں تھا۔ زنا کی کوئی حد نہیں تھی۔ حلال و حرام میں کوئی تفریق نہیں تھی۔ نہ اخلاق کا کوئی لغت تھا نہ تہذیب کے کوئی معنی تھے۔ رسول کریم نے جب اسلامی پرچم لہرا کر قوموں کو ایک جھنڈا تلے جمع کر کے وحدت و رسالت کی دعوت دی تو تو عورتوں کی پسماندگی اور زبوں حالی کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ اور واضح طور پر اعلان فرمایا کہ "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" اس مژدۂ جانفزا کے ساتھ عورتوں کو وہ اعزاز بخشا جس کا تصور بھی کسی کے حاشیۂ خیال میں نہ تھا۔ اور اس طرح سماج میں عورتوں کو جو مقام پیغمبر انسانیت نے بخشا ہم ہزار بار مر کر بھی احسان مندی کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

اسلام نے عورتوں کو کبھی ایسے پھول سے تشبیہ دی جو مردوں کے مشام اخلاق کو معطر کرتا ہے۔ کبھی ایسے لباس سے تشبیہ دی جو مردوں کی تہذیب کی حقیقی پوشش ہوتی ہے۔ اس طرح سے اسلام نے دنیا کی تاریخ میں ایک خوشگوار بیداری برپا کر دی۔

لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ جہاں سماج میں اتنی قدر و منزلت ملی ہے وہاں اسلام ہم سے کچھ تقاضے بھی کرتا ہے۔ ہمارے کچھ فرائض بھی ہیں۔ ہمارے سر پہ کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ جب تک انقلابات کی حد مردوں تک محدود ہوتی ہے معاشرہ میں کوئی نمایاں تبدیلی کا احساس نہیں ہوتا لیکن جب گھر کی عورتوں کے احساسات بدلنے لگتے ہیں تو انقلاب کا مفہوم مکمل ہو جاتا ہے۔

کل جب ہمارا ستر پوش لباس آداب شرع کی رفاقت کرتا تھا تو ہمارے اعمال صالح تھے، ہمارے افعال اسلامی تھے، ہمارے کردار فطری تھے۔ ہم غیروں کے سامنے نہیں ہوتے تھے۔ اونچی آواز میں بولنا جرم سمجھتے تھے۔ ماں باپ بھائی بہن، ساس سسر میں فرق مراتب قائم کرتے تھے ہمارے ارادے نیک تھے۔ ہماری نیت پاک تھی اور گھر کی چہار دیواری کو اپنی زندگانی کا شیش محل سمجھتے تھے لیکن جس دن سے برقع کو لعنت سمجھ لیا۔ اوڑھنی کو گلے کا پھندہ بنا لیا۔ سینما بینی کو لازمہ زندگی قرار دے لیا۔ بیل باٹم اور سلکس زیب تن کر لیا۔ قہوہ خانوں کی عادت ڈال لی۔

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

نگاہیں ہزاروں اخبار ایک

ایڈیٹر

مختلف انواع و مزاج کے رسالوں، ناولوں، اخباروں اور کتابوں کے مطالعہ کرنے کے سلسلے میں ہمارے ہندوستانی عوام اب کافی اڈوانس ہوتے جا رہے ہیں یہ ذوق ہر جگہ پایا جانے لگا ہے اب یہ اور بات ہے کہ معیاری و اصلاحی کتب کی بنسبت تفریحی و فلمی کتابوں سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو مگر ہے ضرور جسکی بنیاد پر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ہندوستان کے عوامی مطالعۂ کثیر کو آج تک وہ حیثیت نہ حاصل ہو سکی جو ممالک عربیہ و مغربیہ کے عوام کو حاصل ہے۔ چنانچہ ابھی اس سلسلے میں سدھار کی کوئی معقول صورت کارگر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ دریں اثنا ایک ایسے مسئلہ نے بھی مزید راستہ ہموار کر لیا جسکی ذائقہ دار مضحکہ نوازی نے وہ وہ رنگ بکھرا کر دکھلائے کہ اچھے اچھے مہذب حضرات تک اسکی لپیٹ میں آکر رہ گئے ویسے اگر یہاں پر رعائت کو بالائے طاق رکھ کر تجزیہ کیا جائے تو صاف طور سے یہی پتہ چلے گا کہ اسکی لپیٹ میں آنے والے یہ سنجیدہ حضرات جتنا بہتر گر جانتے ہیں عام لوگ نہیں جانتے عوام محض اپنی غیر سلیقہ مندی سے مار کھا جاتے ہیں ورنہ یہ تعلیم یافتہ ان سے کہیں زیادہ آگے جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

میں یہاں پر صرف مطالعۂ اخبارات پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اخبار خرید کر اور ادھار مانگ کر پڑھنے میں کون سا اخلاقی فرق ہے یہ جاننے والے شاید بہت ہی تھوڑے لوگ ہیں اور جو جانتے ہوئے بھی لاعلمی کا جذبہ رکھتے ہیں ان کا نظریہ ذاتی کچھ ایسا مبہم بھی نہیں جسکی مصلحت بازی یا مفاد پرستی زیر ادراک آنے سے محروم رہ جاتی ہو۔ اس طرح کے ادھار مانگ کر اخبار پڑھنے والوں کا کہنا ہے کہ دنیا کے سبھی فیشن برائے فیشن ہرگز نہیں ہو سکتے بعض بعض فیشن کی تہہ داری پر اگر غور کیا جائے اور ان پر اجتماعی طور سے عمل کرتے ہوئے ان کے پس منظر کے متعلق سوچا جائے تو یہی پتہ چلے گا کہ ایسا عمل جمہوری رفتار میں تقویت پہنچانے کا بہترین ذریعہ ہے مثال کے طور پر کسی ایک اخبار یا رسالے کی صرف ایک کاپی سے بیک وقت سیکڑوں ناظرین کا منسلک ہو جانا (یعنی شغل کرنا) اتحاد کا شاندار مظاہرہ نہیں تو پھر کیا ہے اس کے علاوہ ذوق مطالعہ کو تسکین الگ ملتی ہے تسکین والی بات تو کسی قدر تسلیم کی جا سکتی ہے مگر اس سلسلے میں جہاں تک اتحاد و مساوات کا معاملہ ہے قطعی مہمل اور بکواس ہے۔ ہوٹلوں اور چائے خانوں کی اخباری کیفیت سے واقفیت رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ محض ایک اخبار کی موجودگی پر سیکڑوں ناظرین کی تنگی کیا کیا گل کھلا کر نہیں رکھدیتی ہے یہی معمولی چائے خانے کبھی کبھی میدان جنگ تک کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اگر ایسے مناظر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو آج بھی کسی معمولی سے کیفے میں جا کر دیکھ سکتے ہیں۔ نہ آپکو اتحاد نظر آئے گا نہ جمہوری نظام، چھینا جھپٹی والی کیفیت

البتہ سمجھ میں آئے گی۔

اخبار خوانی کا سماجی ڈسپلن جتنا بہتر مغربی ممالک والے رکھتے ہیں بھارتی عوام ان کے مقابلے میں بہت کم رکھتے ہیں۔ مغربی باشندوں کا مزاج یہ ہے کہ کتاب ہو یا ناول، اخبار ہو یا رسالہ عام طور سے ہر شخص الگ الگ خریدنے کے بعد ہی مطالعہ کرتا ہے مگر ہمارے ہاں ایسے ڈسپلن کو جمہوری اتحاد کے برعکس تصور کیا جاتا ہے یوں چاہے ادارہ دوسرے معاملے میں جمہوریت کا جنازہ ہی کیوں نہ نکل جائے لیکن ایسے موقع کے لئے جمہوری آداب کا خاصا لحاظ رکھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ محلہ میں کسی کے ہاں آنے والے اخبار کے گرد لوگ روزانہ اس طرح اکٹھا ہو جاتے ہیں اور اتنے انہماکانہ رجحان کے ساتھ اخبار کو چھاپ بیٹھنے کا جذبہ منکشف کرتے ہیں جیسے معلوم ہو اخبار کی اجرت دینے میں ہر ماہ برابر کے شریک ہوتے آرہے ہیں۔ ایسی ہمہ گیر صورت میں بچارے صاحب اخبار کو اگر دوپہر تک بھی مطالعہ کرنے کا موقع مل جائے تو غنیمت سمجھئے ورنہ بعض بعض روز تو شام تک ہیڈنگ تک دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ متعدد ایسے حضرات جو سیدھے سادے صاحب اخبار کے مقابلے میں بہت ہی گھاگ ہوتے ہیں گھر والوں سے پہلے ہی اخبار پڑھ لینا چاہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ خود ہی آکر مطالعہ کر جائیں اپنے بچے سے کہلوا بھیجتے ہیں "جاؤ مرزا جی سے بولو کہ ابی جان نے آجکا اخبار منگوایا ہے پڑھ کر فوراً واپس بھیجتے ہیں۔ فرمان شاہی کا لطف اٹھاتے ہوئے سنجیدہ حضرات اخبار دے تو دیتے ہیں مگر کبھی وقت معینہ پر انہیں واپس نہیں ملتا کیونکہ یہ بھی سبھی جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں کا دس منٹ دو چار گھنٹہ سے ہرگز کم نہیں ہوتا۔ ویسے اگر اخبار دوپہر تک واپس آجاتا ہے تو دینے والے کا شکریہ ادا کیجئے ورنہ اگر اس سے زیادہ تاخیر ہو جائے تو پھر بھی سوچ کے صبر کر لینا چاہیئے کہ یا تو وہ اخبار الماری پہ بھلا دیا گیا ہوگا یا پھر لڑکوں کی کاپیوں پر چڑھنے کے کام آگیا ہوگا۔ کچھ لوگ تو ایسے انداز سے اخبار کا مطالعہ فرماتے ہیں جیسے معلوم ہو مطالعہ نہیں بلکہ اس سے شغل فرما رہے ہوں یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی یہ تازہ اخبار تھوڑی دیر کے بعد پہلی جنگ عظیم کے دور کا معلوم ہونے لگتا ہے۔

ہمارے دیش میں جب سالانہ امتحانات کے نتائج شائع ہونے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو بے پناہ لطف آتا ہے آپ ہی سوچئے کہ ایسے قیمتی موقع پر چند سکول والے اخبار کی حیثیت ہی کیا ہو سکتی ہے جب کہ کتاب و کاپی کیلئے سیکڑوں روپئے صرف کئے جا چکے ہوتے ہیں مگر جناب کیا مجال جو طلبا ر میں سے دس فیصدی بھی اخبار خرید کر نتیجہ دیکھنے میں عافیت محسوس کرتا ہو۔ اپنا اپنا رول نمبر تلاش کرنے کے لئے محض ایک اخبار پر طلبائے کرام اس بری طرح ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے معلوم ہو کسی ظالم بادشاہ کی کثیر فوج نے کسی چھوٹے سے علاقہ پر بھرپور ہلّہ بول دیا ہو۔ اس ضمن میں نہ جانیں کیسے کیسے مناظر سامنے آتے رہتے ہیں کچھ مت پوچھیئے۔ نتائج بینی کی رفتار جب شدت اختیار کرنے لگتی ہے تو بچارہ وہ اخبار جو اپنی بزم سے آزاد ہو کر اکلوتے پن کی دنیا میں چلا آتا ہے ایک در پہ رہنے کے بجائے اسکو گھر گھر چکر لگانے کا بھی شرف حاصل کرنا پڑتا ہے جہاں اسکے ساتھ وہ وہ سلوک کیا جاتا ہے وہ وہ کھینچا تانی مچائی جاتی ہے کہ بچارے کی صورت تک بگاڑ کر رکھدی جاتی ہے شام ہوتے ہوتے اس کے وجود تک کا خاتمہ بالشر ہو جاتا ہے۔ مگر جناب اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود ایک اخبار کے علاوہ دوسرا نظر نہ آئے گا جبکہ اخبار کا اشاعتی ادارہ ہر سال اسی خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ نتائج مطبوعہ کی روشنی میں آج ہمارے اخبار کی خوب سیلنگ ہوئی خوب بکری ہوگی مگر یہ اس کی بدقسمتی ہی رہتی ہے کہ

ہر دن سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے حالانکہ یوں لڑکوں کو اخبار دیکھنے کی بے چینی کئی روز پہلے سے بڑھ جاتی ہے رات رات بھر نیند نہیں آتی مگر یہ نیند نہ آنے کی وجہ اخبار کا خریدنا نہیں بلکہ صرف اخبار کا دیکھنا ہے اور اس کی بھونسی نکال دینا ہے۔ اگر آج اخبار خرید کر پڑھنے کا رجحان عام ہوتا تو محلہ کے دو چار صاحب اخبار یہ کبھی نہ کہنے پاتے کہ بھیا ہم اخبار اپنے لئے نہیں منگواتے بلکہ محلہ والوں کے لئے منگواتے ہیں۔ اس حقیقت کی روشنی میں سارے اشاعتی ادارے اچھی طرح جان چکے ہیں کہ ہمارے بھارتی عوام اخبارات کو ادھار مانگ کر مطالعہ کرنے کی جتنی عمدہ صلاحیت رکھتے ہیں خرید کر پڑھنے کی نہیں رکھتے ـــــ میں ایک بار اپنے دوست مسٹر فیضی کے ہمراہ ایک بک اسٹال پر کتابیں دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں ان میں سے ایک کتاب مجھے پسند آجاتی ہے میں نے فیض میاں سے کہا "یار کتاب اچھی ہے جی چاہ رہا ہے خرید لوں" اتنا کہنا ہی تھا کہ جناب جھٹ سے بول پڑے یار روپیہ برباد کرنے سے کیا فائدہ ؟ میں کل ہی اس کتاب کو لیاقت بھائی کے ہاں دیکھ چکا ہوں جا کر مانگ لاؤں گا پڑھ لینا خریدنے کی کیا ضرورت ہے

کتابوں کا جب ذکر آگیا تو اس سلسلے میں اتنا اور ملاحظہ کرتے چلیے کہ بعض وہ اشخاص جو قیمتی سے قیمتی کتابیں ادھار مانگ کر لیجانے کا مزاج تو رکھتے ہیں مگر وعدے کے مطابق کبھی واپس نہیں کرتے بلکہ اپنی توہین تصور کرتے ہیں کبھی کبھی تو واپسی کی بھی امید اٹھ جاتی ہے جس کے لئے خواہ آپ ہزاروں تقاضے کرتے رہ جائیں یا سیکڑوں بار گھر کا چکر لگا کر رکھدیں نتیجہ زیرو ہی نکلے گا۔ خوش نصیبی سے مجھے جتنی کتابیں واپس ملی ہیں ان میں سے زیادہ تر ایسی ہیں جنھیں میں پہچاننے سے بھی قاصر رہ گیا ہوں اس قسم کے لوگ نئی مجلد کتابوں کو چند گھنٹوں کے درمیان آثار قدیمہ سے منسلک کر دینے میں بہترین مہارت رکھتے ہیں۔ ورق کے دائیں بائیں حاشیہ آرائیوں اور سطروں کے نیچے شناختی نشانوں کے کارنامے جسے قاری اپنے اظہار علم کے طور پہ مرتب کرتا ہے مجھے کافی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے ایسے لوگوں نے خاکسار کو مرعوب کرنے کی بجائے ہمیشہ تضحیک پر آمادہ کیا ہے صاف ستھری کتابوں کو گندا کرنا اخلاقی ڈسپلن کے میں قطعی خلاف تصور کرتا ہوں ممکن ہے آپ حضرات بھی میرے اس نظریہ سے اتفاق کریں گے۔

مسلم معاشرے کی زبوں حالی

(بقایا صفحہ ۳۶)

پارکوں کی تفریح کا اپنا مشرب بنالیا اور اپنے گھر کو خانۂ زنداں سمجھ لیا اس دن سے ہمارے اخلاق کریمانہ رخصت ہوگئے۔ تہذیب و تمدن کا شیرازہ بکھر گیا۔ فرق مراتب قائم نہیں رہا۔ سلام کی کشتی ہوئی تو انانی چلی گئی۔ نتیجۂ کار ہم گھر میں ذلیل ہوئے۔ محلہ میں ذلیل ہوئے۔ اقوام میں ذلیل ہوئے۔ ماں باپ سے لڑنے لگے۔ بھائی بہن سے جھگڑنے لگے۔ ساس سسر سے الجھنے لگے۔ محلے پڑوس سے ٹھن گئی اور اچھا بھلا مطمئن گھرانہ جہنم بن گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت مطہرہ پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کامل اور مکمل انسان

بقایا صفحہ ۱۹

لوگوں کو حکم عام تھا کہ جو مسلمان ہو جائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو میں ادا کروں گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ سبحان اللہ کیا شان مصطفوی تھی کیا معیار پیغمبرانہ تھا ہر ادا رحمتی، ہر پہلو روحانی ہر لفظ برکتی جس کا نہ کوئی نظیر پیدا ہو سکا نہ ہم معیار بن سکا ہے اور نہ اب قیامت تک کوئی بن سکے گا۔ آج سے چودہ سو برس پہلے خدا کے اس مقدس اور برگزیدہ نبی نے ریگستان حجاز کی سنگلاخ زمین کی ایک چھوٹی سی پہاڑی پہ جو صدائے حق و صداقت بلند کی تھی آج وہ آواز دنیا کے ہر ملک ہر شہر ہر قریہ میں گونج رہی ہے کون ایسی جگہ ہے جہاں رسول کریم کے کلمات طیبہ سے وادیاں گونج نہ رہی ہوں ہر طرف صدائے حق کا بول بالا ہے یہ انھیں کا صدقہ و طفیل ہے جو آج ہم زمین پر چل رہے ہیں ہوا میں سانس لے رہے ہیں، انھیں کی رحمت و برکت کا صدقہ ہے جو ہمیں ٹھنڈا پانی اور گرم روٹیاں مل رہی ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا وہ ہیں تو سب کچھ ہے۔ مگر افسوس کہ آج کا مسلمان اتنے عظیم محسن انسانیت کو فراموش کرتا جا رہا ہے ان کے احسانات کو بھولتا جا رہا ہے ان کی عظمت و رفعت کو گھٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ رب کریم ایسے تمام لوگوں کو راہ مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے اور دنیا کے تمام انسانوں کے دلوں میں عشق محمدی کا سمندر جاری کر دے۔ آمین

زیر سرپرستی:- حکیم الحاج سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ۔ سجادہ نشین خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، الہ آباد۔

ماہنامہ الہ آباد

نمائندہ

جلد ۲ — مارچ سنہ ۱۹۷۶ء — شمارہ ۳

ایڈیٹر: سید شمیم گوہر

تہذیب وتزئین:
جناب محمد ضمیر بدایونی
ذوالفقار صدیقی
انیس حنفی
ذوالقدر
سید ضمیر اختر

کاتب نمائندہ — سید محمد خورشید جمیل

شرح خریداری
سالانہ ——— ۱۶ روپے
فی شمارہ ——— ایک روپے پچاس پیسے

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ:
منیجر ماہنامہ "نمائندہ" ۱۲۷، چک نیا حجرہ
الہ آباد ۳

سید شمیم گوہر ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے اسرار کریمی پریس الہ آباد میں چھپوا کر دفتر نمائندہ ۱۲۷، چک الہ آباد سے شائع کیا۔ صرف کور نیو ایگل پرنٹرس ۲۷ چک میں چھپا۔

سوغات نو

علامہ الحاج ارشد القادری قبلہ کا ایک گرامی نامہ ایڈیٹر کے نام

ایڈیٹر نمائندہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نمائندہ کا تازہ شمارہ باعث مسرت ہوا۔ شکریہ" میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ آزمائش کے مرحلوں سے گذر چکے اور آپ نے کسی کا سہارا لئے بغیر یکہ وتنہا زندہ رہکر یہ ثابت کر دیا کہ اگر جماعت کے زندہ دل افراد آپکی رفاقت کیلئے کھڑے ہوجائیں تو آپ صحافت کی دنیا میں ایک عظیم مقام حاصل کرلیں گے۔ میں جماعت کے حساس افراد سے نمائندہ کی مالی واخلاقی اعانت کی اپیل کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔ مبلغ پچاس روپے ارسال خدمت ہیں۔ بطور زر اعانت قبول فرماکر شکر گزار فرمائیں۔ میں اپنے حلقۂ احباب میں بھی نمائندہ کی توسیع اشاعت کے قیام کی کوشش کرونگا۔ ہمت مرداں مدد خدا" پر بھروسہ کیجیے اور ایک عظیم مستقبل کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھیں۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام شوق۔

—— آپکا ارشد القادری ——

اس پرآشوب دور میں پچاس روپیوں کی کتنی وقعت ہوسکتی ہے۔ سبھی جانتے ہوں گے۔ مگر اس کے پس پردہ خلوص وہمدردی اور حوصلہ افزائی کا جتنا گہرا سمندر موجزن ہے اسکا اندازہ تک نہیں لگایا جاسکتا۔ کاش دنیائے سنیت کے عظیم سپاہی علامہ ارشد القادری صاحب کے اس پرخلوص اپیل وتعاون کا احترام کرتے ہوئے اگر ہماری جماعت کے تھوڑے افراد بھی نمائندہ کے لئے دردمند ثابت ہوجائیں تو شاید ہرماہ یاد دہانی والا مرض ادارہ سے کافی دور ہوجائے۔

"منیجر"

نوائے آغاز

گزشتہ شمارے میں اعلان کیا گیا تھا کہ مارچ ۸۴ء کا شمارہ اشاعت سے محروم رہ جائے گا اور اپریل میں مشترکہ طور پر شائع کیا جائے گا۔ مگر اچانک یہ تازہ شمارہ دیکھ کر آپ حضرات نے یقیناً حیرت کا اظہار کیا ہوگا اور یہ بھی فخر کرنے پر مجبور ہوئے ہونگے کہ خدا کا شکر ہے" ہمارے محبوب نمائندہ کا تازہ شمارہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ نمائندہ کو عالم ہستی میں آئے ہوئے اب اچھا خاصا عرصہ گزر چکا ہے۔ نو شمارے کی مدت پر ممکن ہے کچھ لوگ اتفاق کرنے سے پرہیز کریں مگر ہم یہ عرض کرنے میں کیسے اجتناب کر سکتے ہیں کہ ہر سال نہ جانے کتنے سنی رسائل کتنی آب و تاب کے ساتھ جاری ہو جاتے ہیں اور صرف دو ہی تین شماروں کے بعد شوق ادارت کا ذائقہ چکھتے ہوئے ہمیشہ کیلئے لاپتہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہ کون نہیں جانتا کہ محض اپنے ہی شہر کی بنیاد پر کوئی رسالہ نہ ہمیشہ نکل سکا ہے اور نہ نکل سکتا ہے توسیع اشاعت کیلئے ہنگامی و طوفانی دورہ مدیران رسائل کا مقدر بن کر رہ جاتا ہے۔ ڈائری اٹھا کر دیکھ لیجئے پروگرام سے بھری پائیے گا۔ مگر ایک یہ بندۂ ناچیز ہے کہ ابھی تک سفر کا مزاج تک نہیں پیدا کر پا رہا ہے۔ ہمارے متعلقین و متوسلین کی کوئی کمی نہیں نمائندہ نے جب سے سر ابھارا ہے دردمندان نمائندہ اپنے اپنے علاقہ میں آنے کی برابر دعوت دیتے رہے آج بھی خطوط آتے ہیں کہ جب بھی موقعہ ملے آجائیے ہملوگ اعانت کا یقین دلاتے ہیں۔ مگر یہ ایک ہم ہی ہیں شاید..... صرف ہم ہی کہ اپنے کرم نوازوں کے جذبات کی جلد قدر و احترام نہ کر سکے اور صرف خط و کتابت ہی ذریعہ کام چلاتے رہے — لیکن ہمیں معلوم تھا — اچھی طرح واقفیت تھی کہ اب وہ دن دور نہیں جب آبلہ پائی کی ساری احتیاط کو گرد و دھوپ کی نذر کر دینا پڑے گا جہاں حرارتِ سفر کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ اور اس طرح..... براہ راست ہمیں خود اُن اُن مقامات تک جانا پڑے گا جہاں کے مخلصین و غمخوار کئی ماہ سے مسلسل ہمیں شرمندہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اب ہم یہ صاف طور سے عرض بھی کر دیں کہ مارچ کا شمارہ ڈسپیچ کرنے کے بعد یہ مدیر خاکسار تعارف نمائندہ کیلئے ایک طویل دورے کیلئے روانہ ہو رہا ہے لہذا اپریل کا شمارہ شائع ہونے کی کم ہی توقع ہے کیونکہ فی الحال ہماری غیر موجودگی میں سارے اداراتی امور بآسانی حل ہو کر اشاعت کی منزل سے گذر جائیں ذرا مشکل ہی نظر آتا ہے ویسے سلسلہ کتابت جاری رہے گا۔ مہینہ کی آخری تاریخوں میں ہم اگر واپس آگئے تو انشاء اللہ کسی بھی کاہلی کا اظہار نہ کیا جائے گا۔ خدشہ کی بنیاد پر ہم قطعی وعدہ کر کے آپکے قیمتی جذبات کو بدگمان نہیں کرنا چاہتے۔

فقط والسلام ...... ایڈیٹر نمائندہ

نمائندہ پبلیکیشنز

یہ خوشخبری پیش کرتے ہوئے ہم فخر محسوس کر رہے ہیں کہ اسلامی لٹریچر کے فروغ دار تقا اور اس کے پرچار کیلئے ادارہ نمائندہ نے "نمائندہ پبلیکیشنز" کے نام سے ایک ایسے صحت مند شعبہ کا بھی اہتمام کر لیا ہے جس کا کام صرف کتابیں ہی فروخت کرنا نہیں بلکہ آپ جیسے اصحاب قلم کی کتابوں کی عمدہ کتابت، نفیس طباعت اور دیگر خدمات کے علاوہ بھرپور لکاسی و پروپیگنڈے کی بھی ذمہ داری لیتا ہے اگر آپ اپنی کوئی بھی اسلامی وادبی کتاب شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کم سے کم نمائندہ پبلیکیشنز کو ایک بار ضرور آزمائیے ہم آپ کا تعاون کرنے کیلئے ہر وقت تیار ہیں۔ فی الحال آپ ہم سے مندرجہ ذیل کتابیں حاصل کر سکتے ہیں۔

- وسیلۂ شرف مجلد۔ ڈاکٹر طیب ابدالی۔ 10=00
- راحت روح مجلد۔ ڈاکٹر طیب ابدالی۔ 10=00
- تکمیل الایمان ۔ مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ۔
- الموت الاحمر۔ مفتی اعظم ہند قبلہ۔
- قہر آسمانی ۔ علامہ مشتاق احمد نظامی ۔ 6=00
- نئی علامت نگاری۔ ڈاکٹر محمد عقیل رضوی۔ 15=00
- اپنی دھرتی چاند کا درپن۔ پدم شری بیکل اتساہی۔ 10=00
- پر دائیاں۔ پدم شری بیکل اتساہی۔ 15=50
- تیرے مکھڑے میرے گیت۔ پدم شری بیکل اتساہی۔ 17=50
- ارتعاش۔ سید شمیم گوہر۔ 5=50

ماہنامہ نمائندہ آپکا اپنا جریدہ ہے۔ اسکی معاونت کرنا اور سالانہ خریداری قبول کرنا آپ حضرات کا اخلاقی فریضہ ہے۔

ماہ آمد حضور ربیع النور

مورخ الاسلام حضرت حکیم الشاہ محمد یونس صاحب نظامی قادری چشتی۔

ربیع الاول شریف یوں تو سال ہجری کا تیسرا مہینہ ہے مگر دراصل یہ ماہ مبارک اس لئے ہے کہ اس ماہ مبارک میں باعث تخلیق کون و مکاں سرور انس و جاں، سید انبیاء، حبیب کبریا حضور پرنور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور ظہور عالم ہے۔ اگر سرکار تشریف نہ لاتے تو نہ ہم کو خدا ملتا نہ دین ملتا، نہ قرآن ملتا، نہ نماز ملتی، نہ ہدایت پاتے نہ معرفت الٰہی حاصل ہوتی۔

عید الفطر، عید قرباں، رمضان، شب قدر، شب برات سب اس ماہ مبارک میں تشریف لانے والے کے صدقہ میں ہے۔

پیارے ربیع الاول تیری جھلک کے قرباں
چمکا دیا نصیبہ صبح شب ولادت....

اس ماہ مبارک کا چاند دیکھنے کے بعد دعاء ہلال پڑھ کر تین مرتبہ کلمہ طیبہ، تین مرتبہ درود شریف اور تین مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھے اور یا اللہُ، یا رحمٰنُ، یا کریمُ پڑھے۔ شب اول میں دو رکعت بعد نماز مغرب پڑھے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین بار سورہ اخلاص پڑھے۔ بعد سلام کے تین مرتبہ یہ درود پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ
الرَّاحِمِیْنَ ؕ

تیسری تاریخ کو چار رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے ایک مرتبہ آیۃ الکرسی، تین مرتبہ سورۂ یٰسین اور تین مرتبہ سورۂ طٰہٰ پڑھے۔ ثواب اسکا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجے۔

دسویں اور بارہویں تاریخ کو تین سو ساٹھ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ اکیسویں تاریخ کو دو رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک مرتبہ سورہ مزمل پڑھے بعد سلام پھیرنے کے سجدہ کرے اور یہ دعا ۶ حضور دل سے پڑھے اور جو کچھ چاہے خدا سے طلب کرے۔

یا غفور ولتغفرتُ المغفرات فی غفر و
عفو تک یا غفورُ ؕ

معمولات مشائخ میں ہے کہ پہلی سے بارہ تاریخ تک روزآنہ کم سے کم بارہ سو مرتبہ درود شریف پڑھے۔ اور اس ماہ میں درود وسلام کی کثرت کرے۔ اس سے محبت سرکار میں اضافہ ہوگا اور کثرت کے ساتھ ثواب ملے گا۔ اور دین و دنیا کی فلاح نصیب ہوگی نیز اس ماہ میں محافل میلاد، ذکر سرکار خیر العباد زیادہ سے زیادہ قائم کرے۔ ------- ------ سیرت اخلاق رسول، احکام و ارشادات نبی سے آگاہ کرے اور سرکار کی شان گھٹانے والوں اور ذکر میلاد کو ناجائز بنانے والوں سے عام لوگوں کو روشناس

سارے دنیا میں منائیں لوگ اس کی شادیاں
عید میلاد النبی کا ہو رواج اچھی طرح

سرکار دو عالم فخر بنی آدم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ارفع و اعلیٰ کا ذکر قرآن مجید، احادیث حمید اور اقوال اولیائے کاملین میں ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں۔

یہ ماہ نور فرحت و سرور کا مہینہ ہے۔ اس میں سرکار کی ولادت مبارکہ کی جتنی بھی خوشیاں منا سکتا ہے منائے اور غیروں میں سرکار کی رسالت اور نبوت کی تبلیغ کرے۔ حضور پرنور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین ہیں۔ آپ کی ذات پر رسالت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ قرآن مجید خدا کی آخری کتاب ہے۔ اب کوئی کتاب کوئی شریعت قیامت تک کیلئے دوسری نہ آئیگی۔ اور دین محمدی قائم و دائم رہیگا۔ صاحبان بصیرت، عارفان حقیقت نے بارہویں ربیع الاول کی صبح صادق میں انوار الٰہی کا ظہور پایا ہے اور اس سے اپنی روح و ایمان کو منور و مجلی فرمایا ہے۔ بارہویں کی صبح، صبح سعادت ہے۔ اور امت کیلئے بخشش و شفاعت کی بشارت ہے۔ وہ تشریف لائے تو کفر و ظلمت کا اندھیرا دور ہوا۔ وہ تشریف لائے تو بتکدہ چکنا چور ہوا اور کعبہ قبلۂ پرنور ہوا۔ وہ تشریف لائے تو یتیموں بیواؤں، غریبوں اور بیکسوں کو قوت و توانائی حاصل ہوئی ظلم و عدوان کا خاتمہ ہوا۔ صلح و آشتی، اتفاق و محبت کا سامان ہوا۔ وہ تشریف لائے تو توحید الٰہی کا اعلان و ایقان ہوا۔ وہ تشریف لائے تو زمانے میں نور ایمان اور قلوب کو اطمینان ملا۔ ان کے آمد کی خوشی انبیاء نے منائی۔ فرشتوں نے منائی۔ پاک اور سعید روحوں نے منائی۔ پس امت کو بھی یہ ضروری ہے کہ اس ماہ مبارک میں ان کے آمد پاک کی خوشیاں منائے اور اپنے آقا کی عظمت کا پرچم لہرائے۔ قرآن خوانی، درود خوانی، سلام خوانی کثرت کے ساتھ کی جائے۔ ہر مسجد اور ہر گھر سے انکا ہی نام پاک اور درود و سلام بلند کیا جائے۔ قرب قیامت ہے ایک جماعت میرے سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان گھٹانے کا بیڑہ اٹھا چکی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے عمل اور ذکر شاہ رسل سے انکی کوششوں کو ناکامیاب بنادیں۔

ہر مومن کی زبان پر نغمۂ درود و سلام ہو
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
کعبے کے بدرالدجیٰ تم پہ کروڑوں درود

اور یا نبی سلام علیک کی گونج سے زمین و آسمان کو بھر دیں اور اسلام کی ترقی، مسلمانوں کی فلاح و بہبود، سچے اور صحیح عقیدہ پر استقامت اور سرکار کی محبت اور "نمائندہ" کی ترقی و اشاعت کی دعا کریں۔ "وما توفیقی الا باللہ۔"

---

۲۶ جنوری ۱۹۷۶ء کے عظیم موقع پر صدر جمہوریۂ ہند جناب فخر الدین علی احمد نے ملک کے ممتاز و مشہور شاعر جناب بیکل اتساہی کو ان کے پوربی کلام پر پدم شری کے خطاب سے نوازا ہے۔

اس عظیم الشان اعزاز کے ملنے پر ادارہ نمائندہ اپنا دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

حیات مصطفےٰ کی ضیاباریاں اور عدل

مولانا محمد نور الہدیٰ صاحب انوار اشرفی

محبوب کردگار کا دور حیات بھی کتنا نظر نواز، دیدہ زیب اور دلنشیں تھا کہ اس کے تصور ہی سے ذہن و دماغ اور قلب و روح میں کیف و نشاط کی انگیں پھوٹ پڑتی ہیں —— اگر ایک طرف انسان، انسانیت کے مقام سے آشنا ہو رہا تھا تو زندگی کو تابندگی بھی مل رہی تھی، اگر حیات کو ثبات بخشا جا رہا تھا تو روح کو بالیدگی بھی مل رہی تھی، اگر بیکس و مجبور انسان پنجۂ غلامی سے رہا ہو رہا تھا، تو صحرانورد اور درندہ صفت انسانوں کو شعور زندگی بھی مل رہا تھا۔ اگر ملوکیت و طاغوتیت اور قیصریت کا دور ختم ہو رہا تھا تو جمہوریت کا بہترین نظام بھی قائم ہو رہا تھا، اگر عورت جیسی مظلوم جنس کو ترقی و سر بلندی کی منزل سے ہمکنار کیا جا رہا تھا، تو الرجال قوامون علی النساء سے ایک حد بھی متعین کی جا رہی تھی، اگر بے حیائی و بے شرمی کے پردے چاک ہو رہے تھے، تو عفت و حیا کا پاکیزہ لباس بھی بخشا جا رہا تھا، اگر ایک طرف جہانبانی کے نئے آداب سکھائے جا رہے تھے تو دوسری طرف عدل و مساوات کے خوگر بھی بنائے جا رہے تھے، اگر عداوت و شقاوت کا چمن تاراج ہو رہا تھا تو گلشن سعادت میں بہار بھی آ رہی تھی اگر وحشت و بربریت کے نشانات مٹائے جا رہے تھے تو اخلاق و مروت کے موتی بھی لٹائے جا رہے تھے، اگر ظلم و ستم اور سفاکیاں معدوم ہو رہی تھیں تو ابر کرم اور پیار کی گہر باریاں بھی ہو رہی تھیں، اگر فتنہ و فساد کے انگارے بجھ رہے تھے تو امن و سکون کے ابر و کرم سے دنیا نہال بھی ہو رہی تھی، اگر انسانیت کا مرجھایا ہوا چمن شاداب ہو رہا تھا تو کلیوں کو دلفریبیاں اور جوانیاں بھی بخشی جا رہی تھیں، اگر خالق کائنات کے فضل پر انسانیت مسکرا رہی تھی تو شیطنت پر عالم نزع بھی طاری ہو رہا تھا، اگر مغرور شہنشاہوں کو تاج شاہی سے محروم کیا جا رہا تھا تو صحرا کے حدی خوانوں کو تخت و تاج کا مالک بھی بنایا جا رہا تھا۔ الغرض سعادتمندان اسلام غلامئ مصطفےٰ اختیار کر رہے تھے اور سرفرازیاں بڑھ بڑھ کر قدم چوم رہی تھیں، مشیت نواز رہی تھی اور عبودیت جبین نیاز جھکا رہی تھی۔ باطل کی کمر ٹوٹ رہی تھی اور حق کو استقامت نصیب ہو رہی تھی، اب تاریکیاں دم توڑ چکی تھیں اور آفتاب رسالت کی ہر طرف ضیاپاشیاں ہو رہی تھیں۔ ذرے اکتساب نور کر کے آسمان انسانیت کے درخشاں ستارے بنتے جا رہے تھے، اور کائنات میں مژدۂ جاں فزا کے روح پرور الفاظ گونج رہے تھے۔

یوں تو حیات مصطفیٰؐ کا ہر ایک پہلو ایک نادر المثال اور تابناک پہلو ہے لیکن میں آپ کی توجہ کا رخ حیات مصطفیٰؐ کے اس روشن پہلو کی طرف موڑنا چاہتا ہوں جو اس عنوان کا ایک پاکیزہ جزو ہے اور اس پیکر عدل کا ایک انوکھا اور اچھوتا کردار بھی ہے اور اہل بصارت کیلئے سرمۂ بصیرت نوازگی

ایک قبیلہ کے معزز سردار کی ایک لڑکی فاطمہ بنت جحش چوری کے جرم میں گرفتار ہونے کے بعد بارگاہ رسالت میں پیش کردی جاتی ہے۔ قبیلہ کے معزز سردار کی لڑکی ہونے کی وجہ سے عزت و ناموس اور رسوائی کا مسئلہ درپیش ہوگیا بارگاہ رسالت میں سفارش کیلئے آپس میں سرگوشیاں ہونے لگیں مگر کسی کو ہمت و جرأت نہ ہوسکی کہ بارگاہ رسالت میں سفارش کرکے فاطمہ بنت جحش کو رسوائی و سزا کی آغوش میں جانے سے بچاسکے۔ مجبوراً سب کی نگاہیں محبوب کردگار کے محبوب اور چہیتے...... حضرت اسامہ ابن زید پر مرکوز ہوگئیں اور سفارش کے لئے حضرت اسامہ کو منتخب کرلیا گیا۔

حضرت اسامہ سفارش کیلئے بارگاہ مصطفیٰؐ میں حاضر ہونے کے بعد جب لب کشا ہوئے تو محبوب کردگار کے چہرۂ انور پر غضب و جلال کے آثار نمودار ہوگئے اور حبیب کردگار نے پر جلال آواز میں ارشاد فرمایا ـــــ کیا تم لوگ حدود اللہ کو توڑنا چاہتے ہو اور میرے پاس سفارش کیلئے آئے ہو نہیں معلوم نہیں کہ تم سے پہلے اگلی امتیں اور قومیں اسی لئے نیست و نابود اور ہلاک و برباد ہوگئیں کہ انھوں نے اپنے سرداروں، سرمایہ داروں اور بڑوں کو سزائیں نہیں دیں بلکہ انھیں چھوڑ دیا اور چھوٹوں کو سزائیں دیں۔

قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ فاطمہ بنت جحش کیا اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ حدود اللہ کو توڑا نہیں جاسکتا اور اسلام کا جو اصول ہے اس میں ترمیم نہیں ہوسکتی۔

قربان جائیے ایسے عظیم روحانی انصاف و کردار پر جسے شخصیت اور سرمایہ داری کی کبھی پرواہ نہیں رہتی اس کے آگے قانون الٰہی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اور نہ ہی اس کے انصاف کے آگے کسی کا ناجائز دباؤ یا سفارش گوارہ کی جاسکتی ہے۔ اس عظیم واقعہ کا یہی ماحصل ہے دنیا والے سوچیں کہ اسلام کا ہر کردار کتنا اونچا اور کتنا بلند و بالا ہے۔

چار اشعار

جناب عنبر بہرائچی

کسی نگاہ کی شہہ تھی نہ کوئی اور سبب
یونہی لٹاتا رہا ہوں متاعِ ذوقِ طلب
نہ کوئی درد اٹھا اور نہ کوئی یاد آیا
میں اشک بار رہا مدتوں بغیر سبب
ہر اک سرور میں پنہاں ہیں تلخیاں کتنی
ڈسے ہے سانپ کی صورت خیالِ عیشِ طرب
عتاب چرخ نہیں جورِ روزگار نہیں
مجھے جلاتی رہی خود مری نگاہِ غضب

الاستاذ حضرت مولانا جناب
نسیم اشرف خانصاحب قبلہ

حصہ نثر کا ایک تعارفی مطالعہ

موجودہ عربی ادب

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمعصر علمائے نے شاید کوئی ایک ایسا پہلو نہ چھوڑا ہوگا جس کے تحت گستاخانِ رسول اور باطل عقائد کی دھجیاں نہ اڑا کر رکھ دی ہوں۔ اس سلسلے میں دورِ حاضر کے بھی چند قلم کار نہیں بھلائے جاسکتے۔ ان کی تحریر پڑھنے پر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اصلاح دیوبندیت کیلئے انکی یہ تحقیقی سرگرمیاں یقیناً سو فی صدی فطری ہیں انھیں اس سلسلے کو جاری ہی رکھنا چاہئے مگر جب ہم ایک وسیع سطح پر اپنے سنی قلمکاروں کی کاوشوں کے بارے میں بھرپور تجزیہ کرتے ہیں تو سارے کے سارے صرف ردِّ وہابیہ ہی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ نہ ہمیں کوئی اچھا مورخ نظر آتا ہے نہ کوئی ادبی تحقیقات کا رسیا نظر آتا ہے اور نہ ہی دیگر ممالک کے موجودہ جدید عربی ذخائر کا لٹریچر کا قابل فخر ماہر ہی دکھائی دیتا ہے ـــــــ استاذ محترم حضرت مولانا نسیم اشرف خانصاحب قبلہ جیسی جو عربی وفارسی ادب پر خصوصیت کے ساتھ قدرت رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ اہل سنت کے ان منفرد قلم کاروں میں سے ایک ہیں جن کے مضمون کا رجحان و مواد ہمیشہ نیا اور تحقیقی ہوا کرتا ہے خصوصاً موجودہ عربی وفارسی ادب کے مطالعہ سے اتنا گہرا ربط رکھتے ہیں کہ عرب و مصر اور ایران وغیرہ کی مختلف ادبی تحریکات اور مختلف ادبی میدان کے ممتاز قلم کاروں کی سرگرمیوں کا شاید ایک بھی خاص پہلو نگاہِ مطالعہ سے اوجھل نہیں۔ امید کہ زیر نظر مضمون آپ حضرات کو بے حد پسند آئے گا۔ مولانا موصوف انشاء اللہ اپنے قیمتی مضامین سے اب نمائندہ کو برابر نوازتے رہیں گے۔ "ایڈیٹر"

عرب ممالک میں اہل فرانس کی آمد کے وقت سے عربی ادب میں فکر وخیال کی ندرت اور اسلوب کی جدت کے عہد کا آغاز ہوتا ہے۔ ہوا یہ کہ فرانسیسیوں کی آمد نے عرب باشندوں کے لئے یورپی تہذیب وثقافت اور شعر وادب کا دروازہ بھی کھول دیا۔ اس مغربی ادب میں عرب قارئین کو زندگی کی حرارت اسکے تازہ مسائل اور تقاضے بغیر کسی تصنع اور تکلف کے اپنی حقیقی صورت میں نظر آنے لگے۔ چنانچہ عرب مصنفین نے ہزاروں کتابیں اپنی زبان میں منتقل کرڈالیں۔ مغربی ادب کے ان تراجم نے عرب باشندوں میں ذہنی انقلاب کی لہر دوڑادی۔ پھر سیاسی حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے نتیجہ میں تقریباً موجودہ صدی کے اوائل سے اخبارات ورسائل کا اجرا بھی عمل میں آنے لگا۔ جس میں روزمرہ کے واقعات خبریں عام فہم زبان اور سادہ اسلوب میں قاری تک پہونچانے کی ضرورت نے قدیم اسلوب ترک کرنے پر مجبور کیا۔ عربی کے قدیم اسلوب میں جہاں ساری توجہ زبان کی سجاوٹ جملوں میں قافیہ کی رعایت اور پرشوکت الفاظ پر دی جاتی تھی اب سادگی، روانی سہل نگاری کو اہمیت دی جانے لگی۔ اس حد تک کہ صرف ترسیل اور ابلاغ ہی مقصد رہ گیا۔

قدیم عربی ادب میں انشائیہ کی ایک قسم مقامہ کافی رائج اور پسندیدہ صنف تھی جسکی بہترین مثال حریری کے مقامے ہیں۔ اسلئے عربی ادب کو مقامہ سے افسانہ اور ناول تک کے سفر میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔ مقامہ میں ایک ہی مرکزی کردار ہوتا تھا اور وہی مختلف روپ میں معاشرہ کی خرابیوں پر عرب رسوم ورواج پر لطیف انداز

میں طنز کرتا۔ مغربی ادب سے متاثر ہونے کے بعد جدید عرب مصنفین داستانیں اور کہانیاں لکھنے لگے جسکے ابتدائی نمونے مقامہ کی ترقی یافتہ شکل کہے جا سکتے ہیں۔

عربی ادب کے عہد زریں کا آغاز پہلی جنگ عظیم کے بعد ہوتا ہے۔ جب اس میں احساس کی شدت جذبہ کی فراوانی فکر و خیال کی وسعت کے نمونے جابجا ملتے ہیں۔

اس عہد میں عرب اہل قلم کو اپنے ادب کا تنقیدی جائزہ لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس میں مزید نئی تبدیلیاں لانے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اس کے بعد ہی عربی ادب روزمرہ کی زبان اور مکالماتی اسلوب کی طرف بڑھنے لگا اور اس طرح رفتہ رفتہ انسانی زندگی کے مسائل سے قریب تر ہوتا گیا۔ جسکے نتیجہ میں اسے عوامی مقبولیت حاصل ہوتی گئی اور عوام اپنے ادب اور اہل قلم سے پیار کرنے لگے۔ ادب کو اپنی زندگی میں شریک سمجھنے لگے۔ اب اظہار خیال کا انداز کا بھی بدل گیا اور پرتکلف اسلوب سادگی کے سانچہ میں ڈھل گیا۔ لکھنے والوں کی تخلیقی صلاحیتیں نت نئے تجربے کرنے لگیں اور عمدہ ادب زندہ ادب وجود پانے لگا۔ اس طرز تحریر کے بانیوں میں شیخ محمد عبدہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ شیخ ایک دینی رہنما ہونے کے ساتھ زبان و ادب کی اصلاح کا بھی جذبہ رکھتے تھے "العروۃ الوثقی" نام کا عربی رسالہ اس مقصد کیلئے کام کرتا تھا جس سے شیخ کے اسلوب تحریر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے لیکن اس طرز تحریر کا نکھرا ہوا نمونہ سید مصطفی لطفی المنفلوطی کے یہاں ملتا ہے۔ منفلوطی ایک حساس ادیب تھا جس نے ماحول کے دکھ درد کو شدت سے محسوس کیا اور اسے اپنے فن کا موضوع بنا کر کہانیاں اور انشائیے لکھے۔ "العبرات النظرات، ماجدولین" اسکی مشہور کتابیں ہیں۔

عربی ادب کے ارتقا کی اس رفتار میں **احمد امین** کے خوبصورت انشائیوں اور بلند پایہ ادبی و علمی مقالات کا بڑا حصہ ہے جسکی کتاب **فیض الخاطر** سات جلدوں پر مشتمل انشائیوں اور مقالات کا شاہکار مجموعہ ہے۔ موجودہ صدی کے آغاز کے بعد ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی انقلابی اور ہنگامہ خیز تحریک ادب میں داخل ہوئی طٰہٰ حسین کی کتاب الشعر الجاہلی نے عرب ادب میں ایک باغیانہ تحریک کی بنیاد رکھی۔ پیرس کے آزاد ماحول میں تعلیم حاصل کرنے والے اس نابینا مصری ادیب نے عہد قدیم کے شعر و ادب کو گردن زدنی قرار دیا اور شاعری کیلئے بالکل نئی کسوٹی پیش کی اس کتاب کی اشاعت کے بعد عرب دنیا کے ادبی ماحول میں کافی اتھل پتھل ہوئی۔ لیکن تمام ہنگامہ خیزیوں کے باوجود عرب کی نئی نسل اس کتاب سے بیحد متاثر ہوئی۔ اور اس نے اس متجدد باغی ادیب کے بتائے ہوئے معیار پر ادب میں ایک نئی سمت کی تلاش شروع کر دی۔ اس ادبی بغاوت کے بعد چند نئے اور بیحد جذباتی افسانہ نگار اور ناول نویس پیدا ہوئے جنکے یہاں زندگی کا شعور بہت جاندار ہے۔ ابراہیم عبدالقادر المازنی اس تحریک سے متاثر ہو کر لکھنے والوں میں ایک کامیاب مصری افسانہ نگار رہے ہے۔ المازنی نے یورپ کی متعدد زبانوں کا ادب پڑھا ہے چنانچہ وسیع مشاہدہ کی بنیاد پر خالص عربی ماحول اور فضا میں چند بیحد کامیاب کہانیاں لکھیں۔ معمولی سے واقعہ میں مصری معاشرہ کے مماثل پہلو تلاش کرلینا اسکا امتیازی وصف ہے۔ محمود تیمور بھی اسی تحریک کا ایک بسیار نویس اور منفرد فنکار رہے ہیں جس نے افسانہ اور ناول سے نہ صرف عربی

ادب کو مالا مال کیا۔ بلکہ نئے نئے تجربے کر کے اپنی انفرادیت قائم کی۔ تیمور کی کتاب **قصص المصریین** "اہل مصر کی کہانیاں" بہت مقبول ہوئیں۔ انگریزی میں اسکا ترجمہ بھی قاہرہ سے شائع ہوا۔ بہت سی کتابوں کے ترجمے فرانسیسی میں بھی شائع ہو کر مقبول ہوئے اسی ضمن میں **توفیق الحکیم** کا نام بھی آتا ہے۔ توفیق الحکیم افسانہ ناول، ڈرامہ سبھی میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ توفیق کا شہرہ آفاق ناول **عودۃ الروح** ہے۔ اس ناول میں مصر کے اس سیاسی ماحول کو موضوع بنایا گیا ہے جو ۱۹۱۹ء کی بغاوت کے بعد مصر والوں کیلئے بیداری اور خواب کی درمیانی حالت کا دور تھا۔ اس ناول کا مرکزی خیال قدیم مصر کی ایک کتاب **متوفیان** سے ماخوذ ہے جس میں موت کے بعد کی زندگی کے مذہبی نظریہ کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس طرح یہ ناول تمثیل نگاری اور علامت نگاری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تحریک کے بانی ڈاکٹر طٰہٰ حسین خود ایک بلند پایہ ادیب ہیں۔ طٰہٰ حسین نے مختلف اصناف ادب میں طبع آزمائی کی ہے۔ اسکا ایک افسانوی مجموعہ **المعذبون فی الارض** "ارضی مظلوم" ہے۔ جو فنکار کے گداز قلب اور سوز دروں کی ایک عمدہ مثال اور عرب کے پسماندہ سماجی طبقوں کے دکھ درد مسائل انکی معاشی کشمکش کی فنی تصویر ہے۔ طٰہٰ حسین کی خود نوشت سوانح حیات **الایام** بھی ایک ادبی شاہکار ہے۔ جدت اسلوب کی وجہ سے اسکا انگریزی ترجمہ مغربی ممالک میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے منفرد اسلوب اظہار خیال کے نئے انداز اور تیکھے لب و لہجہ کی وجہ سے طٰہٰ حسین اپنے معاصرین میں سب سے الگ تھلگ ہے۔ اردو میں بھی ہمارے یہاں طٰہٰ حسین کی بعض کتابوں کے اردو تراجم ہوئے ہیں۔ جبران خلیل جبران بھی اس باغی اور متنسلک گروہ کے لکھنے والوں میں عالمی شہرت رکھتا ہے۔ لبنان کا یہ ادیب اپنی تحریروں میں مشرق کے فلسفہ تصوف اور روحانیت کو موضوع بناتا ہے۔

امریکہ میں جبران کی تصانیف ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو کر مقبول ہوئیں۔ عرب تہذیب و ثقافت کے نمونے اور عرب سماج کی دلچسپ اور خیال افروز تصویریں پیش کر کے جبران نے اہل مغرب کو کافی متاثر کیا اور انکے دل جیت لئے۔ وطن دوستی کا جذبہ ایک قدر کے طور پر جبران کی تحریروں میں نمایاں ہے۔

زمانہ حال کے بالکل نئے لکھنے والوں میں فکر و خیال کی نیرنگیاں روز بروز بڑھ رہی ہیں۔ نئے نئے تجربات اور تغیرات کئے جا رہے ہیں۔ ادب کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں بہت سے نام آتے ہیں جن میں **یوسف ادریس** جدید افسانہ کے نمائندہ فنکار ہیں۔ جزئیات نگاری اور فن پر گہری گرفت انکے افسانوں کی انفرادیت ہے۔

دوسرا نام سہیل ادریس کا ہے جسکا ناول **محلۃ لاطینیہ** نئی نسل میں کافی مقبول ہے۔ عوام کی ٹکسالی زبان لکھنے پر انھیں خاص کمال حاصل ہے۔ اس عہد کے کرب و اضطراب اور نفسیاتی کشمکش کے موضوع پر نئی نسل کے فنکاروں نے بہت کچھ لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں۔

مجموعی طور پر موجودہ عربی ادب شعوری اور فکری اعتبار سے کافی سرمایہ دار ہو چکا ہے اور اسکا دائرہ وسیع ہو رہا ہے موجودہ فنکار نئی سمتوں کی تلاش و جستجو میں مصروف ہے۔ اسے بالغ شعور، صحت مند فکر، ماحول کی بھرپور بصیرت حاصل ہے۔

موجودہ عربی ادب کی عوامی مقبولیت اس درجہ ہے کہ ایک جائزہ کے مطابق ہر سال تقریباً چار سو سے زیادہ ادبی کتابیں مارکیٹ میں

آتی ہیں۔ مصر کے ایک نوجوان ازہری فاضل کی کتاب "من ہنا نبدأ" ہم یہاں سے آغاز کرتے ہیں، کے سات ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ موجودہ سیاسی اور تہذیبی نظریات کے تصادم اور معاشی ناہمواری کے نتیجے میں آج کا ادیب خوب ادب پیدا کر رہا ہے۔ لیکن یہ انتہا نہیں ہے ابھی عربوں کو اپنے ادب کیلئے بہت کچھ کرنا ہے۔ مغربی ادب سے مرعوبیت ختم کرنی ہے۔ ٹیکنک اور اسلوب کا خلا بھرنا ہے۔ اپنے مشاہدے کی صحت وسالمیت پر مکمل اعتماد کرنا ہے ادب کی بہت سی اصناف میں مغرب سے استفادہ کرنا ہے۔ اور اگر ارتقاء کی رفتار یہی رہی تو موجودہ عربی ادب کا مستقبل کافی تابناک ہے۔ فکر و احساس اور اسلوب بیان کا توازن اگر اسی طرح قائم رہا تو آنے والا کل مزید زندہ وتابندہ ہے۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ عربی ادب عالمی شہرت یافتہ کلاسیکی عرب ادب کی طرح باوقار، منفرد اور جاندار ہوگا۔

بقیہ:۔ اشعار کی ستم ظریفی۔

اپنی بیوی سے نہیں ڈرتے" یہ سنتے ہی ان کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور وہ قریب آکر دھیمے لہجے میں بولے "صاحب خدا کیلئے ذرا آہستہ بولئے۔ رکشہ میں میری بیوی بیٹھی ہوئی ہے۔ خیر جانے دیجئے، اب میں جاتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ رکشا کے اندر گھس گئے اور رکشا روانہ ہو گیا۔ غرض اب ہم اس مسئلے پر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہے ہیں کہ مزاحیہ شاعری جاری رکھیں یا چھوڑ دیں کیونکہ کسی نہ کسی شعر کو کوئی نہ کوئی اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے اور ہم سے لڑنے جھگڑنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ اس سے تو وہ جدید شاعری لاکھ درجے بہتر ہے جو نہ کسی کی سمجھ میں آتی ہے اور نہ کوئی لڑنے آتا ہے۔

غزل

سید شمیم گوہر

اب روایت کی دیوار ڈھانے لگے
غالباً وہ بھی رستے پہ آنے لگے
خیر ہم لوگ تو اتنے سیدھے نہ تھے
خون پسینے میں تم کیوں نہانے لگے
اس طرف فن دکھاتی رہیں لڑکیاں
سب ادھر خیر اپنی منانے لگے
ایک مدت پہ لوٹے ہیں اپنے وطن
لوگ اپنے سروں پہ بٹھانے لگے
آج پھر انکی تصویر ہاتھوں میں ہے
آج پھر سارے غم یاد آنے لگے
ہم ادھر انکساری کی حد میں رہے
اور وہ آستیں تک چڑھانے لگے
میرے اشعار کو سننے والے سبھی
کچھ نہ آیا تو بغلیں بجانے لگے

دو شعر

ہر ایک شخص محبت میں شیر ہو جائے
ذرا سی انکی جو نیچی منڈیر ہو جائے
ہم اپنے وعدے کی تکمیل تو کریں گے مگر
یہ اور بات [redacted] کہ آنے میں دیر ہو جائے

"ایڈیٹر نمائندہ"

مولانا سید ہاشمی میاں صاحب
سے ایک انٹرویو

انٹرویو لینے کے سلسلے میں میری یہ برابر خواہش رہی ہے کہ نمائندہ میں کسی ایسی مذہبی شخصیت سے انٹرویو لیکر شائع کیا جائے جس کے پیش نظر بین الاقوام مسائل کے ضروری اجزار بھی ہوں اور عمر کی ایسی منزل میں بھی ہو، جہاں نوجوانوں کی قیادت کے ساتھ ساتھ اسے سرد و گرم چشیدہ حضرات کی بھرپور حمایت بھی حاصل ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے میں نے "مولانا سید محمد ہاشمی میاں صاحب کچھوچھوی صدر آل انڈیا سنی لیگ بمبئی ہی سے انٹرویو لینے میں کامیاب ہو سکا جنہیں ماہنامہ المیزان بمبئی نے "غازیٔ ملت" کے عظیم الشان خطاب سے بھی نوازا ہے۔ انٹرویو کا اتفاق یوں ہاتھ آیا کہ کچھ عرصہ پہلے مولانا موصوف خانقاہ حلیمیہ الہ آباد میں حاضر ہوئے۔ صاحب سجادہ قبلہ عزیز العلماء اور حاضرین خانقاہ سے ملاقات بات کرنے کے بعد جب ذرا مہلت ملی تو میری خواہش پر وہ دفتر نمائندہ بھی تشریف لائے پھر میں نے موقع غنیمت جانا اور بلا تمہید اور وقت ضائع کئے بغیر سوالات کرنا شروع کر دئے۔ کیونکہ موصوف کی گوناگوں مصروفیات کے سلسلے میں جان کر بندۂ ناچیز پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ میری اس عجلت پسندی پر مولانا موصوف مسکرائے اور کہنے لگے "میں تو سوالات کے نرغے میں آگیا" ان کے اس جواب سے مطمئن ہو کر میں نے بڑی آہستگی سے پوچھا۔ "آپ کب پیدا ہوئے؟"

غازیٔ ملت:۔ میں جب پیدا ہوا ہوں تو ہندوستان میں سکھ دکھ کا ملا جلا ماحول تھا۔ ایک طرف ہندوستان آزاد ہو چکا تھا کہ جسکی ہر طرف خوشی تھی۔ دوسری طرف وہ بٹ گیا تھا جسکا سبھی کو قلق تھا۔ یعنی میری پیدائش ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔

ایڈیٹر:۔ آپ نے ابتک کتنی زبانوں کا مطالعہ کیا ہے؟

غازیٔ ملت:۔ اردو، ہندی، عربی، فارسی اور انگریزی۔

ایڈیٹر:۔ ان پانچوں زبانوں میں آپ کس زبان کو اہمیت دیتے ہیں؟

غازیٔ ملت:۔ میں دنیا کی ہر زبان کو اپنے مقصد کیلئے اہم سمجھتا ہوں۔ ویسے ایک عالم کیلئے عربی و فارسی کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ اسلام اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ ان دونوں زبانوں میں ہے۔ لیکن ہندوستان میں تبلیغ کیلئے اردو و ہندی اور عالمی سطح پر اشاعت مسلک کیلئے انگریزی اور فرنچ کا جاننا بے حد ضروری ہے۔

ایڈیٹر:۔ انگریزی اور فرنچ کی اہمیت کا احساس آپکو کب ہوا؟

غازیٔ ملت:۔ اس سال جب میں تین مئی کو برطانیہ کیلئے روانہ ہوا تھا۔ میں نے دیکھا جو علماء صرف اردو جانتے ہیں وہ انھیں میں تبلیغ کر رہے ہیں جو ہندو پاک سے ترک وطن کر کے برطانیہ میں آباد ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کی تبلیغ کا دائرہ انھیں لوگوں میں محدود ہے جو ہندو پاک سے وابستہ ہیں۔ گویا برطانیہ میں رہ کر علمائے کرام عملاً برصغیر ہی میں ہیں اگر وہ انگریزی پر قادر ہوتے تو انکا مخاطب یورپ کے بیشتر ممالک ہوتے۔ فرنچ اس لئے ضروری

ہے کہ یورپ میں انگریزی نہیں بولی جاتی ہے۔ آج بھی فرنچ بولنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ آپ یوں سمجھئے کہ دنیا کے جن حصوں پر فرانس کی حکومت رہی ہے وہاں آج بھی فرنچ زبان ہی کا ڈنکا بج رہا ہے۔ اور انگریزی سے سوتیلی ماں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔

ایڈیٹر:- برطانیہ کی سرزمین شجر اسلام کی آبیاری کیلئے کیسی ہے؟

غازی ملت:- وہاں عیسائیوں کی غالب اکثریت ہے صلیبی جنگوں کے بعد اسلام و اہل اسلام کیلئے جو نفرت ان کیلئے پیدا ہو گئی تھی آج بھی اس کے اثرات وہاں ملتے ہیں پھر بھی وہ اپنے قائم کردہ نظام سے مکمل مطمئن نہیں ہیں اور وہاں بھی ایسوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو دنیا بھر کے ازموں سے تنگ آکر امن و شانتی کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں اگر اس موقع پر پیغمبر امن و شانتی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعلیمات سے انھیں روشناس کرایا جائے خاص صوفیانہ اسلام کی روش کو اپنائے ہوئے تو کوئی تعجب نہیں یہ بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہو جائے

ایڈیٹر:- اب ہم جناب کو ہندوستان آنے کی زحمت دے رہے ہیں میرا مطلب یہاں کے ایک سلگتے ہوئے ماحول سے ہے اور وہ یہ کہ سنی جمعیۃ العلماء کی موجودگی میں سنی لیگ قائم کرنے کی کیا وجہ ہے؟ آیا یہ مذہبی جماعت ہے یا سیاسی؟

غازی ملت:- میرے پاس ناقابل تردید حقائق موجود ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سنی جمعیت کی تشکیل صرف اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ سنی مسلمانوں کو جمعیۃ العلماء ہند کی ناجائز قیادت سے بچایا جا سکے سنی جمعیت کا تصور سب سے پہلے جس کے ذہن میں آیا ہے وہ جناب نصرت اللہ عباسی ہیں۔ انھوں نے اپنے اس خیال کو سب سے پہلے محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا انھوں نے تعریف و تحسین کی اور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ اور مفتی اعظم ہند مد ظلہ العالی سے رابطہ قائم کرنے کو کہا۔ دستور سازی کی ذمہ داری کامریڈ منظور بھائی کو سونپی گئی۔ جب ہر طرف سے سنی جمعیت کی پذیرائی ہوئی تو آخر میں یہی مناسب سمجھا گیا کہ شمالی ہند سے مفتی اعظم اور محدث اعظم علیہ الرحمۃ اور جنوبی ہند سے خطیب ملت حضرت مولانا سید نور اللہ حسینی کو سنی جمعیت کا سرپرست اور سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ کو صدر نامزد کیا جائے۔ ایڈہاک کمیٹی بن گئی۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ مستان تالاب بمبئی کی پہلی کانفرنس میں سید العلماء نے صدارت سے انکار کر دیا۔ صرف پرچم کشائی کیلئے تیار ہوئے یہ کہتے ہوئے کہ سنی جمعیت کا پرچم مجھے بے حد پسند ہے۔ چنانچہ ان کے مقدس ہاتھوں سے اس پہلی کانفرنس میں صرف پرچم کشائی ہی ہو سکی۔ یہ ہے سنی جمعیت کی ابتدائی کہانی اس کے بعد وقت گذرتا گیا اور چند عظیم کانفرنسوں کے بعد یہ تنظیم اتنی سرد ہو گئی کہ رمضان میں حفاظ اور محرم میں مقررین کے تقرر کے سوا اس کے پاس آج تک دوسرا کوئی کام نہ رہا۔ حالانکہ سنی جمعیت کو ان تمام اسلحوں سے مسلح ہونا چاہئے جو اس کے مد مقابل جمعیۃ العلماء کے پاس ہے۔ ورنہ اس کی تشکیل فعل عبث کے سوا کچھ نہ کہلا سکے گی اور ہم اس سوال کا کوئی معقول جواب نہ دے سکیں گے کہ انڈیا جماعت رضائے مصطفےٰ "آل انڈیا تبلیغ سیرت" "آل انڈیا اسلام متحدہ محاذ" اور آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت کے ہوتے ہوئے سنی جمعیت کی کیا ضرورت ہے؟ سنی لیگ کی تشکیل صرف اس خلا کو پر کرنے کیلئے ہوئی جو ان تمام جماعتوں کے باوجود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری یہ تنظیمیں ہمیں مذہبی لیڈروں سے بچاتی ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابل

تردید حقیقت ہے کہ ان میں سے کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جو ہمیں دستوری حق دلائے۔ سنی قوم کو معاشی، انیس سال سے بچائے سنی اوقاف کو اس کے جائز وارثین کے ذریعہ چلوائے اور حکومت ہند کو رسول دشمن عناصر کی تخریب کاریوں سے آگاہ کر کے ملک و ملت کی سالمیت کا باعث بنے۔ اسی لئے سنی لیگ کے اغراض و مقاصد میں صرف تین باتیں ہیں۔

۱۔ سنی مسلمانوں کے مذہبی، سماجی، معاشی اور دستوری حقوق کا تحفظ دلانا۔

۲۔ عمومی مسلم پرسنل لا کو حل کرنے کیلئے مسلمان کہلانے والے تمام فرقوں سے اشتراک و تعاون۔

۳۔ سنی لیگ ایک غیر سیاسی تنظیم ہے۔ غیر سیاسی سے مراد یہ ہے کہ سنی لیگ کسی بھی قانون ساز ادارہ کیلئے اپنے ٹکٹ پر کسی کو امیدوار نامزد نہیں کریگی۔ لیکن دوران انتخاب وہ خاموش تماشائی بھی نہیں رہے گی بلکہ سنی مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کیلئے سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں سے مشاورت، اشتراک اور تعاون کیا جاسکے گا۔

ایڈیٹر:۔ وہ کون سے عمومی مسلم مسائل ہیں جن کو حل کرنے کیلئے "سنی لیگ" مسلمان کہلانے والے تمام فرقوں کے اشتراک و تعاون کو ضروری سمجھتی ہے۔

غازیٔ ملت:۔ ہندوستان میں ہمارا دو طرح کے مسائل سے سامنا ہے ایک "سنی مسائل" دوسرے "مسلم مسائل"۔ سنی مسائل سے مراد وہ مسائل ہیں جن کا صرف سنی مسلمانوں سے تعلق ہے غیر کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اور نہ ہی غیر کو حق حاصل ہے جو جو اس میں مداخلت کرے۔ مثلاً سنی مساجد، سنی مدارس، سنی خانقاہیں اور تمام سنی اوقاف سنی مسلمانوں کے ہی ہیں۔ اس میں ہم کسی غیر کی مداخلت کو برداشت نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی حق تلفی ہوتی ہے تو سنی مسلمان متحد ہو کر اس کے خاتمہ کی جدوجہد کریں گے۔ اس میں ہمارے وہ مسائل بھی داخل ہیں جس میں ہمارے معتقدات اور اعمال داخل ہیں۔

مسلم مسائل اس سے بالکل مختلف چیز ہے اس کے حل ہونے سے صرف سنی مسلمانوں ہی کا بھلا نہ ہوگا بلکہ اسکا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ دوسرے فرقے بھی فائدہ اٹھالیں گے۔ اس طرح کے مسائل جس سے کئی قومیں وابستہ ہوں وہ ایک قوم کی تحریک پر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جب تک متعلقہ تمام قومیں مشترکہ جدوجہد نہ کریں۔ مثلاً عمومی مسلم مسائل میں اردو، مسلم پرسنل لا، مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار، اور سرکاری محکموں میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کا عادلانہ تقرر یہ وہ مسائل ہیں جن کے حل ہونے سے صرف سنی مسائل ہی کو فائدہ نہ ہوگا بلکہ مسلمان کہلانے والے تمام فرقے مستفید ہونگے۔ اس لئے ان کے حصول کے واسطے اس جمہوری ہندوستان میں مشترکہ جدوجہد ضروری ہے ناگزیر ہے۔ سنی لیگ یہ جانتی ہے کہ ایسے تمام مسلم مسائل کو حل کرنے میں بھی وہی قائد بنے تاکہ سنی مسلمان مجبور ہو کر کسی غیر سنی قیادت کو قبول نہ کرے جیساکہ ستائیس (۲۷) سال سے ہو رہا ہے۔ وزیر اعظم ہند محترمہ اندرا گاندھی کی بے مثال سیاسی قیادت جس سے تمام مظلوموں کو راحت مل رہی ہے۔ ضرورت ہے سنی مسلمان متحد ہو کر اپنی حق تلفیوں کو ان تک پہونچا کے لاینحل مسائل کا کوئی خوبصورت حل نکالے جس سے ہندوستان شانتی دامن کا باغ ارم بن جائے۔

ایڈیٹر:۔ غازیٔ ملت اپنے آخری دعائیہ جملے کے بعد انٹرویو ختم کر دینا چاہتے تھے لیکن جب میں نے ان سے کہا "جناب بس ایک سوال رہ گیا ہے" تو بڑی محبت سے فرمایا اچھا وہ بھی کر ڈالو۔ اس رضا مندی کے بعد میں نے عرض کیا حضرت سنی مسلمانوں کو آپ ہی جیسے نباضوں کی قیادت کی ضرورت ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ سنی لیگ اور سنی جمعیت ضم ہو کر ان مقاصد کو بروئے کار لائے جو آپ نے بیان فرمایا ہے۔

غازیٔ ملت:۔ سنی جمعیت کے قائدین اگر سچے ہندوستان میں سنی مسلمانوں کی واقعی قیادت کرنا چاہتے ہیں تو اشتراک و تعاون کا دروازہ ان کیلئے بند نہیں ہے۔ ہم سے قیادت کے شوق نے سنی لیگ نہیں بنوائی بلکہ قوم کی ایک ضرورت نے بنوائی ہے یہ ضرورت جن مقدس ہاتھوں سے پوری ہو اس ہاتھ کو بلند کرنا ہم سب کا فرض ہوگا۔

ایڈیٹر:۔ یہ کہہ کر غازیٔ ملت یعنی مولانا ہاشمی میاں صاحب تو چل دئے اور میں بڑی دیر تک سوچتا رہا کہ اس دبلے پتلے جسم میں خلوص کا کتنا بڑا خزانہ پوشیدہ ہے جو اتحاد کیلئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ میری نیک دعا یہی ہے کہ وہ وقت جلد آئے جب سنی جمعیت اور سنی لیگ شیر و شکر ہو کر کام کریں اور سنیت کے بکھرے ہوئے چہروں کو ایک مقام پر لا سکیں۔ آمین

نوٹ:۔ اس انٹرویو کے جوابات کے اعتراض و تائید میں اگر کوئی صاحب اپنا مستند مضمون ارسال کرنا چاہتے ہیں تو بے کھٹک ارسال کریں ہم شائع کرنے میں ذرہ برابر بھی تکلف سے کام نہ لیں گے۔ "ایڈیٹر"

غزل

جناب انور مسعود۔ حیدرآباد

اکیلا پا کے مجھ کو چھیڑتا ہے
مرے اندر کوئی دشمن چھپا ہے
کتابوں میں جسے پایا تھا ہم نے
وہ رستے میں کہیں گم ہو گیا ہے
جو اپنی ذات میں کل انجمن تھا
اسے حالات نے تنہا کیا ہے
میں سوجاتا ہوں گہری نیند جب بھی
کوئی بستر پہ میرے جاگتا ہے
چلو ہنس بول لیں، غزلیں سنائیں
عزیزو شہر میں میلہ لگا ہے
تھکن چہروں پہ، دل روشن ہیں انور
ہمارا عہد بھی اک فلسفہ ہے

قلندر اور صوفی

حضرت صوفی شاہ عبدالرب صاحب
کیف

حضرت الحاج شاہ عبدالرب صاحب کیف جو ایک بزرگ منکسر المزاج اور صوفی منش انسان ہیں صوفی ازم کے مطالعہ پر خصوصیت کے ساتھ حاوی ہیں آپکو اصفیائے عظام کے حالات و مناقب اور طرز حیات سے فطری شغف رہا ہے یہی وجہ ہے کہ موصوف کا قلم جب بھی حرکت میں آتا ہے تصوف ہی کی منزل کو زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ شاہ کیف صاحب، صاحب حال و وجد بھی ہیں اور بزرگوں کے کلام پر استغراقی کیفیت میں سر بھی دھنتے ہیں۔ اسی انداز کے متصوفانہ مضامین انشاء اللہ "نمائندہ" میں برابر دیکھتے رہیں گے۔ "ایڈیٹر"

لغت نیز طریقت اور حقیقت میں قلندر وہ شخص ہے جو راہِ شریعت پر چل کر اتنی روحانی ترقی کر گیا ہو اور نشۂ عشقِ الٰہی میں اس قدر سرشار ہو کہ اپنے وجود اور دنیا کے تمام علائق سے بے خبر ہو کر ہمہ تن ذاتِ خدا کی طرف متوجہ ہو۔

صوفی وہ شخص ہے جو اپنا دل ناجائز تعلقاتِ دنیا سے پاک و صاف رکھتے ہوئے پابند شرع محمدی و اخلاقِ محمدی ہو دل میں عشق الٰہی کی چنگاری سلگ رہی ہو۔

صوفی کو ابتداءً وہ بے خبری اور خود فراموشی حاصل نہیں ہوتی جو قلندر کو ہوتی ہے۔ ایسے ہی صوفی کے متعلق حافظ شیرازی نے کہا ہے۔

رازِ درونِ پردہ زرندانِ مست پرس
کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را۔

لیکن جب صوفی منتہی ہو جاتا ہے، جب وہ دبی ہوئی چنگاری ہوائے زہد و تقویٰ سے تقویت پاکر شعلۂ جوالہ بن کر بھڑک اٹھتی ہے تو وہ بھی چاہے جس سلسلے کا ہو قلندر ہو جاتا ہے۔

بہ الفاظ دیگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامی کے صدقے میں ان کے نقش قدم پر چلنے سے ان کے حال "لی مع اللہ وقت۔۔۔" کا خفیف پرتو اس پر پڑ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ راستہ دونوں کا ایک ہی ہے۔ صرف آگے پیچھے یا تیز رفتاری و سست روی کا فرق ہے۔ تیز رفتاری میں کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ سالک آتش عشق الٰہی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں وہ مجذوب ہو جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ قابو پاکر راہ سلوک پر آتا ہے۔

حضرت تقی علی شاہ قلندر کاکوری اپنی کتاب روض الازہر فی مآثر القلندر میں بحوالہ تذکرۂ غوثیہ فرماتے ہیں کہ "قلندر در زبان سریانی اسمیست از اسماء الٰہی" اس سے اسم قلندر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے ۔ حضرت مجتبیٰ شاہ عرف مجا شاہ قلندر لاہرپوری نے ایک مکتوب میں فرمایا کہ "قلندر وہ ہے جو حالات و مقامات و کرامات سے گذر چکا ہو" یعنی ان سے آگے بڑھ گیا ہو۔

مولانا مغربی ایسے قلندر کے متعلق قلندروں کی طرف سے فرماتے ہیں:-

با ما سخن از کشف و کرامات مگوئید
چوں ما زِ سرِ کشف و کرامات گزشتیم
بسیار زِ احوال و مقامات ملا فید
با ما کہ زِ احوال و مقامات گزشتیم
از خانقہ و صومعہ و زاویہ جستیم
ز و راہ رو سیدیم و زِ ادقات گزشتیم
در خلوتِ تاریک ریاضات کسیدیم
در واقعہ از سبغ سمادات گزشتیم
دریدِ سرِ ارشاد ز ما دور کن اے پیر
کز پیری مریدی و ارادات گزشتیم

خواجہ عبداللہ احرار نقشبندی نے کتاب فقرات میں فرمایا ہے کہ استغراق قلندر اس درجہ ہونا چاہئے کہ اگر وہ اپنے کو بھی تلاش کرے تو نہ پاوے۔ جیسا کہ حضرت ذوالنون مصری کے ایک مرید نے حضرت سلطان ابی یزید بسطامیؒ سے پوچھا کہ ابی یزید بسطامی کہاں ہیں؟ حضرت بسطامی نے جواب دیا کہ تیس برس سے میں ابی یزید کو ڈھونڈھ رہا ہوں مگر نہیں پاسکا۔ اگر تم پاسکو تو تلاش کر لو۔ حضرت بسطامی نے جو کچھ فرمایا اسکی ترجمانی غالب کا یہ شعر بخوبی کرتا ہے۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی ــــ

قلندروں کے متعلق مولانا کمال الدین میبذی نے فرمایا ہے۔

کونین را چو نعلین انداختیم و رفتیم
دیوانگانِ شاہیم رندِ برہنہ پائیم

(از روض الازہر)

جہاں ایک طرف قلندر و مشرب قلندر کی یہ شان ہے وہاں دوسری طرف لغت میں قلندر کے معنی رند، اوباش اور گندہ ناتراش کے بھی ہیں۔ بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا!۔ یہ معنی اُن جاہل فقیروں کے متعلق ہیں جو اپنے کو قلندر کہہ کر اسم قلندر اور مشرب قلندری کو بدنام کرتے ہیں۔ جن کا سختی کے ساتھ بھیک مانگنا کام، اور گانجہ چرس وغیرہ پینا مشغلہ صبح و شام ہے۔

یہ حال تو سب سے نیچے طبقے کا ہے جو ان سے کچھ بہتر ہیں وہ بھیک مانگنے کے علاوہ اپنے مرشد کے عرس کی تقریب نیز دیگر اہم مواقع پر رسمِ "دمال" ادا کرتے ہیں۔ ایک گڑھا کھودا جاتا ہے جسمیں لکڑیاں بھر دی جاتی ہیں۔ پھر پیر یا جانشین پیر اسکے قریب کھڑا ہوتا ہے۔ لکڑیوں میں آگ لگا دی جاتی ہے شعلے بلند ہوتے ہیں جسکے گردِ جانشین صاحب کے چیلے و دیگر فقرا پرکما دیتے ہوئے نعرہ لگاتے ہیں۔ چونکہ آگ کی پرستش اہل ہنود میں جائز ہے۔ لہذا سادھو بھی اس طواف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ منظر میں نے الہ آباد کے محلہ کربلا میں دیکھا جہاں ایسے قلندروں کا اڈا تھا، ممکن ہے اب بھی ہو۔ اور نعرے مجھے یاد نہیں رہے۔ لیکن ایک نعرہ "ہو قلندر" "ہو قلندر" کا یاد ہے۔ نعروں سے بہ باطن یہ جذبہ کار فرما معلوم ہوتا ہے کہ ان قلندروں نے اپنی نفسانی خواہشات کو نذر آتش کر دیا ہے۔ اور خود دراصل بحق ہو گئے ہیں۔ مگر بظاہر انکا یہ فعل اُن کو آتش پرستی کے قریب لے جاتا ہے اور قابل ترک ہے۔ نفسانی خواہشات اس طرح کے مظاہرے کے بغیر بھی فنا ہو سکتے ہیں۔ مگر ان کو سمجھائے کون!! ایسے نام نہاد اور ناعاقبت اندیش قلندروں سے خدا بچائے۔

رہ رَوِ راہ قلندری صبح و شام یہ دعا: مانگتا ہے۔

یارب تو چناں کن کہ دلم برگرداں
حالیکہ مراہست نکو تر گرداں ۔!
راہم بسرا پردۂ توحید نمائے
تاچند بہر طرف روم سرگرداں

(حضرت وحد الدین کرمانی)

عاجزی اور انکساری اسکی عادت ہوتی ہے۔ کیونکہ بقول حضرت شیخ فخر الدین عراقی :۔

آنجا نہ پزیرند صلاۃ و رع امروز ۔!
آنچہ از تو پذیرند دراں کوئے نیاز است۔

کبھی منزل مقصود تک پہونچنے کے ذوق و شوق میں یوں سوچتا ہے۔

مجرّد شو از دین و دنیا قلندر
کہ راہِ حقیقت ازیں ہر دو برتر

پھر ایک دن وہ آتا ہے کہ خدا اس پر اپنی رحمتوں کی بارش کرتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو ان اشعار کا مصداق پاتا ہے۔

قلندر موجِ بحرِ لایزال است
قلندر نورِ شمع ذوالجلال است
قلندر ذرۂ صحرائے عشق است
قلندر قطرۂ دریائے عشق است

جو حال جاہل قلندروں کا ہے قریب قریب وہی حال جاہل صوفیوں کا بھی ہے۔ یہ لوگ گیروا یا کوئی دوسرے امتیازی رنگ کا کپڑا پہن لیتے ہیں۔ روزہ نماز سے اپنے کو بری الذمہ سمجھتے ہیں کسی قبر کو اپنا لیتے ہیں اور بڑا حصہ مالیدہ اور ریوڑی کا الٹا سیدھا فاتحہ پڑھ کر لے لیتے ہیں۔ کبھی کبھی مزار پر چادر چڑھی تو وہ بھی مل جاتی ہے۔ اگر ان کی شرکت کسی محفل سماع میں ہوگئی تو عربی فارسی اشعار پر ضرور حال آتا ہے اور جب حال آیا تو جلد فرد نہیں ہوتا۔

اسی طرح کے ایک صوفی صاحب سے مجھے سابقہ پڑا۔ وہ کیفیت میں محفل کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اُڑی لگاتے چلے گئے۔ اس قلابازی میں اتفاق سے انکا ہاتھ انھیں کی جیب پر پڑ گیا تو انکی کیفیت ایکدم جاتی رہی اور وہ اٹھکر جہاں پہلے بیٹھے تھے وہیں آکر چپ چاپ بیٹھ گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کی جیب سے پانچ روپیہ کا نوٹ جاتا رہا تھا جو انکی کیفیت کے فرو ہونے کا سبب بنا۔ ایسے نام نہاد صوفیوں سے بھی خدا بچائے۔ ایسوں کے متعلق "جاہل صوفی مسخرہ" کا فقرہ مشہور ہے۔

اصل صوفی رہ رَوِ راہِ صدق و صفا ہوتا ہے۔ نفس کشی تحمل اور بردباری اسکا شیوہ ہوتا ہے۔ علم دین سے نہ صرف ... واقفیت ہوتی ہے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی ہوتا ہے۔ اس کے درجات بڑھتے ہیں اور ایک دن بفضل خدا وہ قلندر ہو جاتا ہے۔ درجۂ قلندری معمولی درجہ نہیں برسہا برس کی ریاضت و نفس کشی کے بعد بہ اکرام خداوندی بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتا ہے۔ ہر سالک یا مجذوب قلندر نہیں ہو سکتا۔ بقول حافظ ؎ دریں محیط نہ ہر کس شناوری داند۔ اسی غزل میں فرماتے ہیں کہ :۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

غلام ہمت آں رند عافیت سوزم
کہ در گدا صفتی کیمیا گری داند

لیکن وہ لوگ جو واقعی قلندر ہیں انکی شان میں اشعار ذیل بجا ہیں۔

قلندر چہ تو نور الٰہی ست
قلندر محرم سرِّ کماہی ست
قلندر شد معرّا از علائق
قلندر شد مبرا از خلائق
چہ گویم من ز اوصافِ قلندر
چہ ذات عالی است اللہ اکبر
اگر خواہی کہ باشی پیر و رہبر
قلندر شو قلندر شو قلندر
خداوندا ز لطفِ بندہ پرور
مرا کن از غلامانِ قلندر

(حضرت شاہ حفیظ اللہ مہوبوی خلیفہ حضرت تراب علی شاہ قلندر کاکوروی)

حضرت مولانا احمد جام فرماتے ہیں:-

قلندر قلزم توحید باشد
قلندر چشمۂ تفرید باشد
قلندر خرقہ از عشق دوزد
قلندر خرقۂ کونین سوزد
قلندر مرغ لاہوتی ست اے دوست
قلندر باز جبروتی ست اے دوست
قلندر شو کنوں احمد قلندر
قلندر راہمیں کار است بہتر

میں نے اپنی زندگی میں ایک ایسی ذات با برکات کو دیکھا جس میں قلندری کے ہمہ اوصاف موجود تھے۔ وہ تھی ذات جناب مقبول احمد شاہ قلندر خیرابادی کی۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

لہذا میں ان کے غلاموں میں شامل ہو گیا۔ اس ذات ستودہ صفات نے ۱۳۹۱ھ میں پردہ فرمالیا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

نعت سرورِ کائنات، بعنوان

قلندر مستانہ ——— جناب عبدالرب کیف

جو مہر کی مجھ پر ایک نظر انکو بھی گوارا ہو جائے
تو اسکی ضیا سے قلب مرا پُرنور ستارا ہو جائے
مخمورِ نگاہِ سرور کا اک بار اشارا ہو جائے
تو مست مجھے بھی رہنے کا تا عمر سہارا ہو جائے
معلوم نہ ہو کب شام آئی کب رات کٹی کب دن نکلا
اے کاش تصور میں ان کے بس یوں ہی گذارا ہو جائے
از راہِ تصوّر ہی وہ اگر اس قلب سیہ میں آ جائیں
تو بحر منور سے ملکر دل نور کا دھارا ہو جائے
امواج اخوت رگ رگ میں الفت کا دھنی ہو وہ جگ میں
جس شخص کو خلقِ سرور کا اک بار نظارا ہو جائے
تم جود و عطا کے ہو دریا، سائل کے تمہیں تو ہو داتا
اے کانِ سخا طالب ہے گدا کچھ یہ بھی خدارا ہو جائے
صوفی ہو بہ شانِ رندانہ ہو ایک قلندر مستانہ
دل دے کے تمہیں کو نذرانہ یہ کیف تمہارا ہو جائے

تیسری قسط

تصوف اسلام

از۔ علامہ سید شاہ محمد ابوالخیر صاحب قبلہ قادری اجمیری

وضعی اور نئے لفظ کے استعمال سے سوال کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ غیر صوفیوں نے سوال کیا کہ تصوف کیا ہے جس کے جواب میں چوتھی ہجری کے شیخ ابونصر سراج (وفات در ۳۷۸ھ) نے اس آیت کو پیش کیا۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰۤىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۤىِٕمًا بِالْقِسْطِ ؕ یعنی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل و متابعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم لوگوں کیلئے لازم ہے۔ جب تک کامل پیروی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی نہ ہوگی متصوف نہیں ہوسکتا۔ اولوالعلم قائما بالقسط تمام مومنین سے افضل ہیں۔ اور یہی نائب رسول کہے جانے کے مستحق ہیں۔ کتاب اللہ کو مضبوط تھامنے والے، اتباع رسول میں کامل کوشاں رہنے والے صحابہ و تابعین وغیرہم کے نقش قدم پر چلنے والے کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ۱۔ ایک طبقہ ارباب حدیث کا۔ ۲۔ دوسرا طبقہ فقہا کا۔ ۳۔ تیسرا طبقہ صوفیوں کا۔ یہی تیسرا طبقہ اولوالعلم قائما بالقسط کہے جانے کے لائق ہیں۔ اور انبیاء کے صحیح جانشیں کہے جاسکتے ہیں۔

صوفیائے محققین کی اصطلاح میں تصوف کی تعریف "قرار باحق و فرار از خلق" دوسری تعریف میں یہ کہا گیا ہے "ذکر اجتماع کا، وجد استماع کا اور عمل اتباع کا ہونا چاہئے۔ یعنی جو شخص ہر حال میں حق کا محتاج و غیر حق سے بے غرض اور مستغنی ہو صوفی ہے۔

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی
اسیر زلف تو از ہر دو عالم آزاد است

جن کا مکاشفہ صحیح، مشاہدہ درست اور ماسوائے اللہ سے قطعی بے تعلق، انھیں کو صوفی کہنا چاہیے۔ اور صوفی ہیں۔

اب عارفین بالتمکین نے تصوف کی جو تعریف کی ہے اسے انھیں کے الفاظ میں سننا چاہیے۔

۱۔ حضرت امام باقر علیہ السلام (شہید در ۱۱۴ھ) تصوف نیک خوئی ہے۔ جو زیادہ نیک خو ہے وہ زیادہ صوفی ہے (طبقات الکبریٰ)

۲۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس چیز سے بے پروا ہونا جو دست خلائق میں ہے۔ (احیاء العلوم)۔ (وفات در ۲۰۰ھ)
التصوف الاخذ بالحقائق والیاس مما فی ایدی الخلائق۔

۳۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ (رحلت در ۲۵۳ھ) تصوف تین معنوں کا نام ہے (۱) توبہ کہ اسکی معرفت نور و ورع کو نہ بجھائے (۲) علم باطن کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے کتاب ظاہر کا نقص آتا ہو (۳) اس کی کرامت وہ کام کرے کہ لوگ حرام سے محفوظ رہیں۔

۴۔ حضرت ابوالنصر بشیر ابن الحارث علیہ الرحمۃ۔ تصوف تین باتوں کا نام ہے۔ (۱) عارف کی معرفت کا نور اسکی پرہیزگاری کے نور کو نہ ڈھانکے۔ (۲) دوسرا نام علم باطن میں ایسی گفتگو نہ

کرے جس کو ظاہری کتاب و سنت باطل کردے (۳) تمیل تام کرامات
اس کے اللہ کے محارم پر دے فاش نہ کرائیں۔ (طبقات الکبریٰ)

۵۔ ابوالحسن احمد بن محمد نوری۔ تصوف نہ علم ہے نہ رسم۔ اگر علم سے ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا۔ اور اگر رسم سے ہوتا تو مجاہدہ سے نصیب ہوتا۔ بلکہ یہ اخلاق ہے۔ تخلقوا باخلاق اللّٰہ اور اخلاق اللہ کو علم سے تعلق ہے اور نہ رسم سے (نفحات الانس)

۶۔ ابوالحسن نوری۔ تصوف رسوم سے اور نہ علم سے لیکن وہ تو ایک خلق ہے (کشف المحجوب)

۷۔ ابوالحسن سرولی علیہ الرحمۃ (۱) ایک ہونا اور ایک قبول کرنا۔ (عوارف المعارف) (۲) تصوف نیک خوئی ہے (کشف المحجوب) (۳) تصوف جملہ حظوظ نفس کو ترک کرتا ہے۔ (کشف المحجوب)

۸۔ شیخ الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (رحلت در ۲۹۷ھ) (۱) تصوف یہ ہے کہ بغیر کسی علاقہ کے تم اللہ کے ساتھ وابستہ رہو۔ (۲) تصوف کی بنا آٹھ اخلاق پر ہے جو انبیاء علیہم السلام سے پہونچے ہیں (۱) سخاوت ابراہیم علیہ السلام (۲) رضائے اسحاق علیہ السلام (۳) صبر ایوب علیہ السلام (۴) مناجات ذکریا علیہ السلام (۵) غربت یحییٰ علیہ السلام (۶) خرقہ پوشی موسیٰ علیہ السلام (۷) تجرد و سیاحت عیسیٰ علیہ السلام (۸) فقر محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۹۔ حضرت ابوبکر بن جحدر شبلی رحمۃ اللہ علیہ (رحلت در ۳۳۴ھ) تصوف فنائے ناسوتی و ظہور لاہوتی کو کہتے ہیں۔ وضبط خواطر و مراعات انفاس کو بھی کہتے ہیں۔ (احیاء العلوم) یہ بھی فرمایا کہ اس طرح رہو جیسے موجود نہ تھے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ صوفی کونین میں سوائے اللہ کے غیر کو نہیں دیکھتا (کشف المحجوب)

۱۰۔ ابوعثمان سعید بن سلام مغربی رحمۃ اللہ علیہ (رحلت در ۳۷۳ھ) قطع علائق و رفض از خلائق و اتصال بحق کو اصطلاح صوفیہ میں تصوف کہتے ہیں۔ (نفحات الانس)

۱۱۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (ولادت در ۴۷۱ھ و رحلت در ۵۶۱ھ عمر ۹۰ سال) حضرت نے بھی حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق آٹھ خصلتوں پر جو آٹھ انبیاء علیہم السلام کے ہیں تصوف کی بنا بتائی ہیں (فتوح الغیب) (۲) تصوف قیل و قال سے نہیں بلکہ بھوک سے اور اشیائے مالوف و پسندیدہ کو چھوڑنے سے حاصل ہوتا ہے۔ (۳) صوفی اسکو کہتے ہیں جو پاک ہوتا ہے۔ پاکی یہ ہے کہ نفس کی آفتوں اور مذموم باتوں سے دل کو اپنے صاف کرے۔

۱۲۔ حضرت شیخ ابونجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (رحلت در ۵۶۳ھ) تصوف کا اول علم۔ اوسط عمل جس کا نتیجہ دین ہے پس علم سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ عمل طلب میں مدد دیتا ہے اور خدا کے دین منشائے امید تک پہونچاتا ہے (طبقات الکبریٰ)

۱۳۔ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ (رحلت در ۶۵۶ھ) تصوف نفس کو بندگی کا خوگر کرنا اور احکام ربوبیت کی طرف پھیرلاتا ہے۔

۱۴۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

ہست صوفی آنکہ شد صفوت طلب
نہ لباس صوف و خیاطی و دوب۔
ہر خیالش گر روی تا اصل او۔
نہ چو عباد خیال تو بہ تو۔
دفتر صوفی سواد و حرف نیست
جز دل اسپید ہمچوں برف نیست
زاد دانشمند آثار قلم

زاد صوفی چیست اسرار قدم

اب تک ہند سے باہر کے بزرگوں کے اقوال پیش کئے گئے۔ اب داتا گنج بخش لاہوری۔ ہندالولی اجمیری۔ مخدوم بہاری رحمہم اللہ تعالٰے اجمعین کے بھی تاثرات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵۔ حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (ولادت درسنہ ھ وفات درسنہ ھ) نے صوفی کی یہ تعریف کی ہے کہ جس کا قلب صفائی سے پر ہو اور کدورت و گندگی سے دور ہو وہ صوفی

۱۶۔ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ۔ تصوف کی ساری بنیاد اس پر ہے کہ آداب شریعت کی پابندی سے حرام اور مشتبہ اشیاء سے احتراز کیا جائے۔ ناجائز اوہام اور خیالات سے حواس کو آلودہ نہ کیا جائے اور غفلتوں سے بچ کر خدا کی یاد میں وقت گزارا جائے۔ مرید کو ترک شہوات کے مجاہدہ میں دوامًا مشغول رہنا چاہیئے۔ کیونکہ جس طرح خدا اور دولت ان دو چیزوں کو کوئی شخص بیک وقت حاصل نہیں کرسکتا اسی طرح پاکیزگیٔ روح اور خواہشات نفس دونوں جمع نہیں ہوسکتیں۔ مرید کے لئے اس سے بدتر پستی اور کوئی نہیں کہ جو خواہش کو خدا کیلئے چھوڑ چکا ہے اس کی جانب پھر رجوع کرے۔

۱۷۔ صوبہ بہار کے بہت معروف و مشہور بزرگ مخدوم شرف الحق والدین یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ العزیز (رحلت درسنہ ھ) آپ نے صوفی کی یوں تعریف کی ہے کہ "از خود فانی شدہ باشد و بحق باقی گشتہ واز قبضۂ طبائع رستہ و بحقیقت پیوستہ" پس تصوف سے فنا فی اللہ و بقا باللہ مراد لیا ہے۔ یہ نعمت علم ملویات سے نجات حاصل کرنے اور حقائق کے منکشف ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طالب کیلئے ہدایت فرمائی کہ "ہر کہ در طلب ایں راہ پوئید۔ باید کہ سرمایہ از شریعت سازد تا از شریعت در طریقت راہ باید۔ چوں در طریقت راہ یافت از طریقت بہ حقیقت قدم نہاد" پس واجب است کہ طریقت بموافقت شریعت بردہ ظاہر بے باطن نفاق است و باطن بے ظاہر زندقہ است۔ ظاہر شریعت بے باطن نقص است و باطن بے ظاہر ہوس ظاہر با باطن پیوستہ است دراصل کہ ہیچ کس جدا نہ کردہ است۔ لاالٰہ الا اللہ حقیقت است و محمد رسول اللہ شریعت است" یعنی علوم ظاہری میں کمال پیدا کرلنے کے بعد حصول طریقت میں قدم رکھے۔ یعنی شریعت جڑ ہے اور طریقت شاخ و ثمر و باطن در باطن حقیقت اور یہ صفت عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ عمل کا جذبہ اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب شیخ کامل کا دامن مضبوط اور مستحکم تھام لیا جاتا ہے۔

صوفی کی پہلی صفت تو یہ ہوتی ہے کہ سوائے ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کے انکا کوئی معبود و مقصود و مطلوب نہیں ہوتا۔ لَا مَطْلُوْبُ اِلَّا اللّٰہ ۔ لَا مَقْصُوْدُ اِلَّا اللّٰہ کہ اس سے زندگی پر یہ اثر پذیر ہوتا ہے کہ دل کی ملمع سازی سے متاثر نہیں ہوتا ہے اور نہ مخالفت نفس و ہوا کی مدد سے ان بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے جیسا کہ آج کل کے مسلمان عام طور سے مبتلا ہیں۔

دوسری صفت یہ ہے کہ جس علم کے حصول کی یہ بزرگان دین تعلیم دیتے ہیں اور جس کے نہ جاننے والے کو جاہل کہتے ہیں اسے علم من اللہ۔ علم مع اللہ۔ علم باللہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ علم من اللہ سے شریعت، علم مع اللہ سے طریقت، علم باللہ سے معرفت مراد ہے

"باقی آئندہ"

سید سالار مسعود غازی اور مورخین کی ناانصافی

از ـ مولانا بدر القادری مصباحی

محمد ابن قاسم (آمد سنہ ۹۳ھ/۷۱۱ء) کے علاقہ سندھ میں حملے اور محمود غزنوی (۳۸۷ھ/۹۹۷ء تا ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) کے محاربات اجمیر، میرٹھ، قنوج، کشمیر اور گجرات کے ساتھ ساتھ سید سالار مسعود غازی کی تاریخ جہاد کو فراموش نہیں کیا سکتا۔ جنہوں نے حکومت و سلطنت کے زیر سایہ ملنے والے آرام و آسائش کو خیر باد کہہ کے خالصاً لوجہ اللہ عزم جہاد کیا۔ جس کے ہر عزم و اقدام میں ایک مومن کامل کی شبیہ نظر آتی ہے۔

قدرت کے مقاصد کے عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان
ہمسایۂ جبریل امین بندہ خاکی.....
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں۔

جنہوں نے صرف نو سال کی ننھی عمر میں سومنات کے عظیم معرکہ میں شریک ہو کر مردانہ وار شمشیر چلائی۔ جن کا مزاج ابتدا ہی سے ہونہار، خلیق، مخلص، متواضع، عبادت گذار، مفلس نواز اور جذبۂ اسلامی سے سرشار تھا۔ دولت غزنویہ (سنہ ۳۶۶ھ تا ۵۸۲ھ) کے اولوالعزم سلطان محمود غزنوی کے بھانجے ہونے کی حیثیت سے نگاہ سلطانی میں آپ کی غیر معمولی مقبولیت اور ارکان دولت میں سے بعض کی کینہ توزی نے جہاد ہند پر آمادہ کیا۔ مہمات کی تاریخی تفصیلات پہ امتداد زمانہ کا دبیز پردہ پڑ چکا ہے۔ اس دور کے مورخین نے شاید آپ کو محمود غزنوی کا ایک سرپھرا بھانجہ سمجھ کر بالکل فراموش ہی کر دیا۔ اسی لئے اس عہد کے تاریخی ذخائر آپ کے ذکر سے یکسر خالی ہیں۔

امیر نصر محمد ابن عبد الجبار عتبی نے تاریخ عتبی لکھی جس میں سنہ ۳۶۷ھ سے سنہ ۴۱۰ھ تک کا ذکر موجود ہے۔ زین الاخبار عبد الحی گردیزی نے سنہ ۴۴۲ھ میں بیہقی محمد ابن حسین نے سنہ ۴۵۱ھ میں مرتب کی اس کے علاوہ دولت غزنویہ کے دیگر تاریخی ذخائر مثلاً دولت نامہ عنصری کی تاج الفتوح مقامات ابو نصر مشکانی محمود وراق کی زینت الکتاب سنہ ۴۸۰ھ/۱۰۸۷ء میں لکھی گئی تجاریب الامم مصنفہ بلال ابن محسن فرید التواریخ مرتبہ ابو الحسن محمد ابن سلیمان وغیرہ کتب آپ کے احوال سے خاموش ہیں۔ کچھ حالات ابن الاثیر تاج المآثر مصنفہ حسن نیشاپوری وغیرہ میں ملتے ہیں۔ البتہ شاہ محمد تغلق (سنہ ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء تا سنہ ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) کے دور میں اور اس کے بعد تاریخ نویسوں میں سے بعض نے سید سالار مسعود غازی کا ذکر کیا ہے۔ اور تغلق کے مشہور مسلم سیاح ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ میں اس مشہور زمانہ مجاہد کے آستانہ کا تذکرہ کیا ہے تحقیق جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کے محاربات کی تفصیل میں سب سے اہم کتاب صرف مرآۃ مسعودی ہے جو ملا محمد غزنوی کی کتاب تواریخ کہنہ سے ماخوذ ہے۔

ملا غزنوی کے متعلق مرآۃ مسعودی میں مندرجہ ذیل تصریح ملتی ہے۔

ملائے مذکور از خلفائے و مقربان سلطان محمود بود فاما آخیر عمر بخدمت سالار ساہو و سالار مسعود بسر بردہ بود بعد از شہادت سالار مسعود برحمت حق پیوست

ملا مذکور سلطان مذکور کے معتمد لوگوں میں سے تھا آخری عمر میں سالار ساہو اور سالار مسعود غازی کے ساتھ گزاری سالار مسعود کی شہادت کے بعد وفات پائی۔

مصنف مرأۃ نے شہادت غازی کے فوراً بعد لکھی جانے والی سنسکرت زبان کی کتاب راج ترنگنی کا بھی حوالہ دیا ہے۔ (مشیر و آفاق سالار غازی صفحہ نمبر ۵۰) مرأۃ مسعودی پر اپنے اور پرائے سب نے تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ سر ہنری ایلیٹ نے لکھا ہے کہ "یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مرأۃ مسعودی جھوٹی ہے ــــ مرأۃ مسعودی کے حوالے ماخوذ ہیں۔ من گھڑت نہیں۔ اسی کتاب کو جناب اکبر وارثی نے ۱۳۵۰ھ میں اپنے مخصوص طرز پر اردو کا جامہ پہنایا۔ سید شرف الدین یحییٰ منیری، سید اشرف جہانگیر سمنانی سید سلطان بہرائچی وغیرہ بزرگوں نے اپنے ملفوظات میں مجاہد اعظم کی روحانی عظمت پر قلم فرسائی کی ہے۔ روحانی اور عرفانی لحاظ سے مذکورہ بالا بزرگوں کے علاوہ بیشمار اہل دل دلیوں کے شیشۂ ہائے قلوب آپ کے الطاف کرم سے منور ہوئے شاہ نعیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ ..... پر آپ کا خاص کرم ہوا۔ (معمولات مظہریہ) حضرت اشرف سمنانی میر ماہ شاہ کے ساتھ دربار غازی میں آکر مستفیض ہوئے۔ (مکتوبات اشرفی) سید سلطان بہرائچی کو دہلی میں محبوب الاولیاء کی جانب سے بشارت ہوئی اور بہرائچ بھیجا گیا۔ (اخبار الاخیار) گھوسی ضلع اعظم گڈھ کے مشہور بزرگ مولانا محمد عمر صاحب نقشبندی کو در غازی سے عارفانہ انعامات ملے۔ حضرت شاہ وارث علی علیہ الرحمۃ نے در دولت پر حاضری دے کر اکتساب فیض کیا۔ (مشکوٰۃ حقانیت) حضرت شاہ نعمت اللہ بڑی تکیہ علیہ الرحمۃ کو آستانہ نواز اکر دوبارہ لوٹ کر دفن جانا گوارہ نہ کیا۔ حضرت بی بی زہرہ علیہا الرحمۃ کو چشم بینا کے علاوہ دل روشن عطا فرمایا۔

در تو قبلۂ امید ہائے روحانی
سر نیاز بآں خاک آستان مخصوص

دیار ہند ہی نہیں بلکہ اطراف جوانب میں دور دور تک جن کی روحانیت کا باڑہ بٹ رہا ہے۔

ہر ہر علاقہ میں آپ کو اگرچہ الگ الگ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر تمام الفاظ کا مسمیٰ وہی ذات ہے۔ جیسے سید سالار مسعود غازی کہتے ہیں۔ مولانا عبد الحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

اسم مبارکش میر مسعود است و در نواحی دہلی او را پیر پہلم و در دیار خراسان رجب سالار و در بعضے جاہا میاں غازی و بالے میاں و بالا پیر و ٹھیلا پیر نیز گویند و لقب مبارکش سلطان الشہید و سید الشہداء است۔ (خزینۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۲۱)

آپ کا مبارک نام سالار مسعود ہے دہلی کے اطراف میں پیر پہلم خراساں کے علاقہ میں رجب سالار اور بعض جگہوں پر میاں غازی، بالے میاں، بالا پیر، ہٹیلا پیر بھی کہتے ہیں۔ آپ کا مبارک لقب سلطان الشہید اور سید الشہداء ہے۔

شاہان تغلق اور سلاطین مغلیہ اور امرائے اودھ وغیرہ نے ہمیشہ سرکار غازی سے اپنی عقیدتمندانہ نسبت قائم رکھی اور بعض نے آستانہ بہرائچ کے غیر شرعی رسومات کے خلاف سخت کاروائی کی اس بارے میں عالمگیر (۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء تا ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) بطور خاص مشہور ہیں۔ سکندر لودھی (۸۹۴ھ/۱۴۸۹ء تا ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء) کے زمانہ میں ان بدعات کے خلاف سخت احکام نافذ ہوئے جن کی بنیاد مشرکانہ رسوم پر

تھی مگر بعد کا دور بتاتا ہے کہ اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا "غیر شرعی رسم و رواج کے خلاف بادشاہ کے پابندی لگائی پڑی اور بادشاہ نے جانڑیوں اور بنیزوں کا سجانا ممنوع قرار دیا (تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸ نولکشور)

مفاد پرست لوگ ہر حال میں اپنا مطلب در پیش نظر رکھتے ہیں۔ بدعات و خرافات کی بے بنیاد رسموں کو بھی کچھ لوگوں نے حصول زر کا بہترین ذریعہ سمجھا اسلئے اسکی ممانعت و مخالفت نہ کر سکے اور رفتہ رفتہ یہ لایعنی حرکتیں ایک بے غرض مجاہد کے اجلے دامن پر بدنما داغ بنتی گئیں۔ اور روحانیت کے منکرین نے بھی خرافاتی رسوم دکھا کر طالبان حق کو اس آستانہ سے دور کرنے اور نفرت دلانے کا موقع پالیا۔

اس سلسلہ میں میرا ذہن بار بار ان مسلم مؤرخین کی طرف جاتا ہے جو آج بھی احیائے امت کے ٹھیکیدار سمجھے جاتے ہیں۔ انھوں نے اس مجاہد اعظم کو کیسے فراموش کر دیا۔ کیا چڑھتے سورج کی پرستش کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ عہد ماضی کی یہ کلیدی شخصیتیں جن کی روحانی آب حیات کے چشمے ملک ہند میں ہر ہر گام پہ جاری ملتے ہیں۔ مستقبل میں ہماری زندگی کی ضمانت بن سکتی ہیں۔ آستانہ غازی کے ارد گرد کا ماحول خرافات سے مملو ہے۔ مگر کیا کوئی عقلمند کیچڑ میں پڑے ہوئے موتی کو بے وقعت سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔

علوم تاریخ کے جوہریوں کا فرض ہے کہ اس گوہر شب تاب کو گوہر شناسوں کی نگاہوں میں لانے کی کوشش کریں۔ ہزار... خرافات ہونے کے باوجود حقیقت نیوش نگاہیں آج بھی سرکار غازی کی روحانی عظمت سے اکتساب واستنار کر رہی ہیں۔

در خرابات مغاں نور خدا می بینم
ایں عجب بیں کہ چہ نورے کجا می بینم

بقیہ :- گلہائے کرامت

ہوں اور صرف میں ہی نہیں بلکہ اللہ کا ہر ولی زندہ ہے۔ اور میں اپنی خداداد وجاہت کے سبب آئندہ ضرور تمہاری مدد کرونگا۔

شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور صہ ۸۶۔

۳۔ حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بڑے عابد و زاہد تھے۔ تلاوت قرآن پاک کے علاوہ روزانہ تسبیح کے دانوں پر گن کر چالیس ہزار مرتبہ سبحان اللہ پڑھا کرتے تھے۔ جب انکا انتقال ہوا اور غسل کیلئے ان کو تختے پر لٹایا گیا تو برابر انکی وہ انگلی ہلتی رہی جس سے وہ تسبیح کے دانوں کو گردش فرمایا کرتے تھے۔

شرح الصدور للامام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ صہ ۹۱

۴۔ حضرت حفص بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے امام المحدثین حضرت ابو زرعہ رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ پہلے آسمان میں فرشتوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا اے ابو زرعہ کون سی عبادت کے طفیل میں خدا نے یہ اعزاز بخشا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ حدیثیں تحریر کی ہیں۔ اور ہر حدیث میں عن النبیؐ کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم پورا درود شریف لکھا ہے اور تم جانتے ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو بندۂ مسلمان ایک مرتبہ مجھ پر درود شریف بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ یہ درود شریف کی برکت ہے کہ اللہ نے مجھ کو فرشتوں کا امام بنا دیا۔

شرح الصدور للامام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ صہ ۱۲۳

گلہائے کرامت

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی

متقی مومن یعنی پرہیزگار ایماندار سے اگر کوئی خارق عادت (عام عادت کے خلاف) اور تعجب خیز بات صادر ہو جس کو عام طور سے لوگ کرنے سے قاصر ہوں تو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ اور ایسا ہی کوئی امر اگر کسی رسول و نبی سے صادر ہو تو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور ہر ولی کی کرامت اصل میں اس کے نبی کا معجزہ ہوا کرتی ہے۔

سلف سے خلف تک کرامات اولیاء کے مسئلے میں اہل حق کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوا ہے۔ مَتْنُ الْعَقَائِدِ النَّسَفِیَّہ میں مسلمہ مسئلہ ہے۔ کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ۔ اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں۔

اولیاء اللہ کی کرامتوں کی چند مثالیں یہ ہیں۔ کم وقت میں طویل مسافت کا طے کر لینا۔ جمادات اور جانوروں سے کلام کرنا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا میں اڑنا۔ بلاؤں کا دفعہ کرنا۔ لاعلاج مریضوں کو شفا دینا۔ بغیر ظاہری اسباب کے کھانے پانی کا موجود ہونا۔ بے جان چیزوں کی تسبیح سننا۔ اپنے سے پوشیدہ اور دور کی چیزوں کو دیکھ لینا۔ ایک وقت میں متعدد جگہوں پر حاضر ہو جانا۔ اور بوقت ضرورت دور سے کسی کی مدد کرنا۔ بیک توجہ نظر دل کی حالت کو بدل دینا وغیرہ۔ اس قسم کی کرامتوں کے بیشمار واقعات حدیث و تفسیر اور تاریخ و سیر کی مستند کتابوں میں مرقوم ہیں۔ جن کے پڑھنے سے اولیاء اللہ محبوبان بارگاہِ الٰہی کے مقام و مرتبے کی بلندی اور دربار الٰہی میں انکی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ اللہ والوں کے شوکت اقتدار کی تجلیاں اتنی تیز ہوا کرتی ہیں کہ مادی طاقت وقوت کی مضبوط چٹانیں بھی انکی تاب نہ لاکر پارہ پارہ ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ آئیے ایسے ہی چند اہل اللہ کی کرامتوں کا ذکر جمیل کریں۔ تاکہ روح و یقین کو بالیدگی اور مضبوطی نصیب ہو۔ اور اگر محبوبان بارگاہ الٰہی کی توجہ و نظر ایک لمحہ کیلئے بھی ہم کم نصیبوں کی طرف ملتفت ہو گئی تو رحمت یزدانی کو اپنی کرم نوازیوں سے سرفراز فرماتے دیر نہیں لگے گی۔

"اللھم ارحمنا بحبیبک"

۱۔ ولی سامی حضرت ملا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "نفحات الانس" میں ایک تاجر کا واقعہ تحریر فرمایا ہے۔ وہ کہتا ہے! میں سفر کر رہا تھا اور میرے ساتھ بار برداری کیلئے ایک چوپایہ بھی تھا۔ اتفاق سے جب میں مصر پہونچا تو میرا یہ جانور مجھ سے گم ہو گیا۔ باوجود تلاش بسیار وہ نہ ملا آخر میں مایوس ہو گیا۔ جب چند احباب نے سنا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ یہاں پر ایک بزرگ ہیں شیخ ابوالعباس دمنہوری ان کے پاس جاؤ شاید ان کی دعا کے فیضان سے تمہارا گم شدہ چوپایہ مل جائے میں ان بزرگ کو پہلے ہی سے جانتا تھا فوراً ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور سلام کے بعد تمام قصہ کہہ سنایا۔ مگر خلاف امید انھوں نے میری باتوں پر کچھ دھیان نہ دیا اور یہ درخواست کر دی کہ میرے پاس اس وقت چند مہمان آگئے ہیں انکی ضیافت کیلئے مجھے اتنا گوشت، اتنا آٹا اور اتنی فلاں فلاں چیزیں درکار ہیں ان کو لے آؤ۔ یہ انداز دیکھ کر میں خاطر برداشتہ ہوا

اور ان کے پاس سے اٹھکر باہر چلا آیا۔ اور اپنے دل میں کہا کہ خدا کی قسم اب میں ان کے پاس کبھی نہ جاؤں گا۔ یہ فقراء تو بس اپنی ہی ضرورتوں کو پوری کرانا چاہتے ہیں۔ اسی حالت پر گشتگی میں راہ طے کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک شخص میرے سامنے آیا دیکھا تو وہی شخص تھا جس کے پاس میں نے کچھ سامان امانت رکھا تھا اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ جب تک تم میرا رکھا ہوا سامان واپس نہ کروگے میں تم کو چھوڑوں گا نہیں۔ تو اس نے مجھ کو ساٹھ درہم ادا کئے اب میں نے اس کو چھوڑ دیا اور سوچا کہ لاؤ اس درویش کی مطلوبہ اشیاء خرید لوں شاید میرا مقصد پورا ہو جائے۔ یا مقصد حاصل نہ ہوا تب بھی اسکو راہ خدا میں تصور کرکے صبر کے گھونٹ پی لونگا غرض کہ میں نے ان کی ضرورت کی تمام چیزوں کو خرید لیا۔ اور چند درہم باقی بچ رہے تو ان کا حلوہ خرید لیا۔ پھر سارا سامان لیکر ایک مزدور کے ذریعہ درویش مذکور کی طرف چل پڑا۔ جب خانقاہ کے دروازہ پر پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرا کھویا ہوا جانور مع تمام سامان کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ میں نے دور سے دیکھ کر سوچا کہ شاید میرا جانور نہ ہو اسی طرح کا کسی دوسرے کا جانور ہو۔ مگر جب قریب گیا تو دیکھا کہ واقعی میرا ہی جانور تھا اور اس کے اوپر میرے ہی تمام سامان جوں کا توں موجود تھے۔ اب میں نے سوچا کہ اس کا کیا کروں کس کے سپرد کردوں یا خود ہی اس کو لیکر خانقاہ میں حاضری دوں۔ پھر میں نے کہا نہیں جس نے ابتک حفاظت کرکے میرے پاس لاکھڑا کر دیا ہے وہی اب بھی اسکو یہیں باقی رکھیگا۔ پھر میں اکیلا خانقاہ میں حاضر ہوا اور حضرت شیخ کی خدمت میں ان کی مطلوبہ تمام چیزوں کو پیش کر دیا۔ شیخ نے تمام چیزوں پر نظر ڈال کر فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اسے تو میں نے نہیں طلب کیا تھا۔ عرض کیا حضور کچھ درہم بچ رہے تھے تو میں نے سوچا اس کا حلوہ لے لوں۔ اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ تو شرط میں داخل نہیں تھا۔ خیر میں خدا کی بخشی ہوئی نعمت تصرف سے تیرا کچھ زیادہ کام کر دونگا۔ اٹھ اور جا اپنے سامان کو بازار میں بیچ ڈال۔ دیر مت کرنا۔ جو چیز بھی بیچنا اس کی قیمت فوراً وصول کر لینا۔ اس بات سے نہ ڈرنا کہ دوسرے تاجر آکر تمہارا بھاؤ بگاڑ دیں گے۔ اور سن لے سمندر میرے داہنے ہاتھ میں اور جنگل میرے بائیں ہاتھ میں میرے مولا نے عطا فرما دیا ہے (لہذا اب میں جو چاہوں کر سکتا ہوں)

پھر بازار جا کر میں نے اپنا سارا مال بازار بھاؤ سے زیادہ قیمت لے کر فروخت کیا اور سب قیمتیں وصول کر لیں۔ جب اپنا تمام مال فروخت کرکے فارغ ہو گیا تو دیکھا کہ بہت سے تجار (سوداگران) سمندر سے جنگل سے پل سے غرض کہ چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے گویا کہ قید میں تھے۔ اب رہائی ملی ہے تو وہاں سے بھاگے چلے آئے ہیں۔

۲۔ حضرت شیخ ابو علی رودباری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کا لاش کو قبر میں اتارا اور اس کے سر سے کفن ہٹا کر اس کا سر اس خیال سے زمین پر رکھ دیا کہ ارحم الراحمین اس کی غربت پر رحم کرے اور اس کو بخش دے۔ لیکن جیسے ہی میں نے اس کا سر زمین پر رکھا اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اور کہا کہ اے ابو علی تم مجھے ان دنیا والوں کے سامنے ذلیل مت کرو جو دنیا میں مجھے ذلیل سمجھا کرتے تھے۔ ابو علی فرماتے ہیں کہ میں نے حیران ہو کر عرض کیا۔ اے میرے آقا کیا آپ مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ بیشک میں زندہ

بقیہ صفحہ نمبر ۲۶ پر ملاحظہ کریں

اشعار کی ستم ظریفی

جناب بساق آشیانوی صاحب

مزاحیہ شاعری کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں کہ مزاحیہ شعر کہنا بہت مشکل امر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک مزاح گو شاعر کی زندگی ہمیشہ خطرات سے دوچار رہتی ہے۔ ہم تو ہم حضرت اکبر الہ آبادی بھی ہمیشہ اپنی مزاحیہ شاعری کی وجہ سے ایک نہ ایک مصیبت میں گرفتار رہتے تھے۔ کیونکہ مزاح گو شاعر تیروں کے سایہ میں پل کر بوڑھا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا ہے۔

ہماری ایک غزل شائع ہوئی جس کی ردیف تھی جوتیاں۔ غزل شائع ہونے کے تیسرے دن ایک صاحب آکر ہم سے ملے اور شکایت کی ——" جناب آپ نے میرے بارے میں جو شعر لکھا ہے وہ سراسر غلط ہے" ہم نے دریافت کیا کہ کونسا شعر تو انھوں نے یہ شعر سنایا ؎

زندگی میں ایک بار ہم بھی گئے پڑھنے نماز
چور نے آکر ہماری ہی چرالیں جوتیاں

ہم نے دریافت کیا کہ "بھائی صاحب ہم سے غلطی کس قسم کی ہوئی ہے" تو فرمایا "میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ نے یہ شعر عام طور سے میرے بارے ہی لکھا ہے۔ لیکن اس میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ آپ نے اپنے شعر میں لکھا ہے کہ زندگی میں ایک بار نماز پڑھنے گیا تھا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ میں زندگی میں دوسری بار نماز پڑھنے گیا تھا جب میری جوتیاں چوری ہوگئیں۔ پہلی بار نماز پڑھنے گیا تھا تو میں نے خود جوتیاں چرائی تھیں" ہم نے ان نامعقول آدمی سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے کہا "بھائی صاحب وہ شعر میں نے آپ کے بارے میں نہیں بلکہ خود اپنے بارے میں لکھا ہے۔" انھوں نے آنکھیں نکال کر کہا "آپ مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ آپ تو روزانہ نماز پڑھنے جاتے ہیں" میں نے بات کو ختم کرنے کی غرض سے کہا "اچھا تو ہم اپنی غلط بیانی کیلئے آپ سے معافی مانگتے ہیں" اس پر انھوں نے ہمیں معاف کر دیا۔

اس مصیبت سے نجات ہی ملی تھی کہ ہماری ایک اور غزل کے شعر نے دوسرا ہی ستم ڈھایا۔ ایک روز تعطیل کی فرصت منانے کیلئے ہم نو بجے تک کے ارادے سے سو رہے تھے کہ آٹھ بجے ہی ہمیں جگا دیا گیا۔ اور اطلاع دی گئی کہ ایک خاتون ہم سے ملنے آئی ہیں۔ خاتونوں سے ملتے ہوئے ہم بہت ڈرتے ہیں۔ بالخصوص ایسے موقعوں پر تو ایک ایسی خاتون سے تو بہت زیادہ ڈرتے ہیں جو ہمارے سر پر تیس سال سے سوار ہے اور ہم اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ ہماری شریک حیات ہے۔ بہرحال جب ایک خاتون نے نہایت تلخ انداز میں دوسری خاتون کی آمد کی اطلاع دی تو ہم بہت گھبرائے کہ دیکھئے دو مرغیوں میں ملا کا کیا حشر ہوتا ہے۔ دوسری خاتون سے ملنے سے پہلے ہمیں پہلی خاتون کے کئی مشکوک سوالوں کے جوابات دینے پڑے۔ غرض دوسری خاتون سے ملنے کیلئے ہم ڈرائنگ روم میں پہونچے۔ جب ہم نے ان کے مقابل بیٹھ کر نہایت ادب و لحاظ سے عرض کیا "فرمائیے" تو اچانک ان کی تیوریاں چڑھ گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں۔ ہم سوچنے لگے کہ کوئی آفت آنے والی ہے اور آنے

والی آفت کا انتظار کر رہی ہے سنئے کہ خاتون پھٹ پڑیں ــــ "کیا خاک فرمائیں ــــ آپ کو اشعار میں غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے شرم نہیں آتی"؟

ہم نے دست بستہ عرض کیا "بالکل نہیں آتی۔ البتہ یہ فرمائیے کہ ہم نے کون سی غلط بیانی کی ہے"۔

انھوں نے اس طرح غصے کی حالت میں کہا "آپ نے وہ جو شعر کہا ہے۔ اور جو فلاں رسالے میں شائع ہوا ہے ــــ!" ہم نے حیرت سے دریافت کیا "کونسا شعر؟" ارشاد ہوا یہ شعر ــ"

جانِ بہار افسرِ دفتر ہے، اس لئے
عشاق کا ہجوم ہے دفتر کے سامنے

ہم نے حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد بھی انجان بنتے ہوئے کہا "اس شعر سے آپ کا کیا تعلق ہے؟" "جواب ملا "جی ــ تعلق ــ سب سے پہلے یہ کہ میں ایک آفس میں ہیڈ آف دی آفس ہوں۔ دوسرے یہ کہ آپ نے لکھا ہے کہ دفتر کے سامنے عشاق کا ہجوم تھا۔ حالانکہ جس ہجوم کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ عشاق کا نہیں بلکہ ان قرض خواہوں کا ہوتا ہے جو میرے ماتحتین کو قرض دیتے ہیں اور تنخواہ کے دن وصول کرنے کیلئے دفتر کے سامنے جمع ہو جاتے ہیں۔" کچھ دیر رک کر انھوں نے فرمایا "اس میں شک نہیں کہ ان قرض خواہوں میں میرے شوہر بھی شریک ہوتے ہیں۔ لیکن ان کو بھی آپ عاشق نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ مرد شادی سے پہلے تک تو عاشق ضرور رہتا ہے لیکن شوہر بن جانے کے بعد اس کو عاشق کے درجہ سے ترقی دے کر نوکر کا درجہ عطا کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ دفتر کے سامنے عشاق کا ہجوم رہتا ہے۔ اس بات کیلئے آپ کو مجھ سے معافی مانگنی پڑے گی۔" غرض ہم نے ان سے بھی معافی مانگ لی اور وہ خاتون واپس ہو گئیں۔

کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک اور آفت نازل ہوئی۔ ایک روز صبح صبح دروازے کو زور زور سے پیٹنے کی آواز آئی۔ دروازہ اتنی زور سے پیٹا جا رہا تھا کہ اگر ہم کھولنے میں پندرہ بیس سکنڈ کی دیر بھی کر دیتے تو اندیشہ تھا کہ وہ ٹوٹ جاتا۔ دروازہ کھولتے ہی ہمارے سامنے ایک انسان نما ہاتھی سونڈ کی بجائے اپنے ہاتھوں کو ہوا میں لہراتا کھڑا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی ہمارے اوسان خطا ہو گئے۔ یہ اوسان اتنا اچھا لفظ ہے کہ اس کے پردے میں وہ تمام چیزیں چھپ جاتی ہیں جو اوسان کے علاوہ بھی خطا ہو جاتی ہیں۔ بہر حال ہمارے سامنے شہر کا مشہور پہلوان کھڑا تھا ہم نے کہا "آئیے۔ دیوان خانے میں تشریف رکھئے۔" انھوں نے پلٹ کر ایک نظر اس رکشے پر ڈالی جو ان کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس رکشا کو پردے لگے ہوئے تھے اس میں سے دو آنکھیں ہمارا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ پھر پہلوان صاحب ہماری جانب متوجہ ہوئے۔ اور بولے "رہنے دو جی ہمیں یہ نخرے پسند نہیں۔ ہم یہیں کھڑے کھڑے بات کریں گے۔ اچھا اب آپ یہ بتلائیے کہ وہ کونسا ایسا ستم ہے جس کا نام زوجہ ہے اور آپ اس سے اتنا ڈرتے ہیں کہ دارا اور سکندر سے بھی اتنا نہیں ڈرتے" ہم نے کہا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا" انھوں نے کہا "بڑے بھولے ہیں۔ اجی جناب آپ کا وہ شعر آج میری نظر سے گذرا ہے

دارا کے سامنے نہ سکندر کے سامنے
احقر کھڑا ہے زوجۂ احقر کے سامنے

اب یہ بتائیے کہ یہ زوجہ کون ہے جس سے آپ کا دم نکلتا ہے"

اب بات ہماری سمجھ میں آ چکی تھی۔ ہم نے اطمینان کے ساتھ کہا "زوجہ کہتے ہیں بیوی کو اور بیوی سے دنیا کے سارے مرد ڈرتے ہیں۔ کیا آپ

بقیہ صفحہ نمبر ۱۲ پر ملاحظہ کریں۔

ایڈیٹر نمائندہ

رطب و یابس

برائے تبصرہ ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہے۔

کتاب .... تحفۂ درویش (حصہ اول)
مصنف .... سید شاہ ابوالفیض محمد فضل الحق صاحب قادری
قیمت .... درج نہیں ہے۔
ملنے کا پتہ .... دارالفیض انجم شریف ڈاکخانہ ہسپورہ گیا۔

وسیلہ کی اہمیت وعظمت ہر زمانے میں عروج پر رہی ہے۔ دنیا کا کوئی ایسا انسانی طبقہ نہیں جس کے نزدیک وسیلہ کی حیثیت مسلم نہ رہی ہو۔ اپنے اپنے مذہبی رسم وعقائد یا اپنے قدیمی طریقۂ عمل کی روشنی میں ہر شخص وسیلہ کی طرف دوڑتا رہا ہے خواہ مسلم ہو یا ہندو، سکھ ہو یا عیسائی تلاش وسیلہ سے کوئی خالی نہیں اس اجتماعی کیفیات کی آج بھی شہرت ہے۔ مگر اس بھری ہوئی دنیا میں ایک ایسا نام نہاد مسلم طبقہ جس نے ”انا ربکم الاعلیٰ“ کی فرعونی ذہنیت کو بھی شرمندہ کرکے رکھدیا۔ واحد طبقہ جسے علی الاعلان توسیلہ سے انکار ہے۔ جبکہ تکمیل مراد کیلئے سارے اذہان سرگرداں دکھائی دیتے ہیں۔ جائز وناجائز اور حلال وحرام والی بات الگ ہے۔

وسیلہ کی صداقت وحقانیت کا اعلان اسلام میں پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ یہی حق بھی ہے۔ اور باعثِ فلاح ونجات بھی۔ باقی دیگر غیر اسلامی وسائل وذرائع اسلام کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ارشاد ربانی ہے۔

”وابتغوا الیہ الوسیلۃ“ اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ وسیلہ تلاش کرنے کی کیا کیا صورتیں ہوسکتی ہیں اسیران مشائخ سے اوجھل نہیں۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (قرآن حکیم) اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم واقف نہیں ہو“ ظاہر ہے سوالات والتجا انھیں سے کئے جاسکتے ہیں جو رب ذوالجلال کے مقرب ومحبوب اور صاحب ذکر بندے ہیں۔ یعنی علماء، اولیاء، اصفیا، اور مشائخین کرام۔ ان مقدس بندگان الٰہی سے بڑھکر جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ پیروی رسول واصحاب کا روحانی نمونہ ہوا کرتا تھا۔ دوسرا کون صاحب ذکر ومستغرق یاد پروردگار ہوسکتا ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جنھیں پیر طریقت اور نائب رسول کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا اور خلاق عالمین تک پہونچنے کیلئے انھیں کو وسیلہ بھی بنایا گیا۔ کسی پیر طریقت کے حلقۂ بیعت میں آجانے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ ان کے اطوار ومشاغل اور معمولاتِ حیات کی راہوں پر پورے اخلاص وانہماک کے ساتھ چلنے کی کوشش کی جائے اور ان کے بتائے ہوئے اوراد ووظائف میں اکثر اوقات مشغول رہا جائے۔ قربت الٰہی کے یہی سب وسائل وذرائع ہیں اور یہی مصروفیات برائیوں سے دور بھی رکھتی ہیں۔ یہ حقیقت بالکل عام ہے کہ جو شخص اپنے شیخ یا مرشد کی یاد میں فنا ہوا۔ وہ فنا فی الرسول کی منزل تک پہونچ گیا اور جب یہ روحانی منزل نصیب ہوجاتی ہے تو جلوۂ الٰہی صاف نظر آنے لگتا ہے۔ اسلام میں وسیلہ کی یہی معراج ہے۔ ”لا موجود الا اللہ“ مگر دور حاضر کے اکثر وبیشتر مریدوں کی عجیب وغریب

کیفیت ہو کر رہ گئی ہے۔ میرے خیال سے اس گروہ کی پیشانی پر اب وہ پہلی والی چمک باقی نہیں رہی جس پر کبھی شیخ طریقت خود ناز کیا کرتے تھے۔ وسیلہ کی بنیاد پر ظاہر ہے مرید اسی لئے ہوا جاتا ہے کہ اپنے پیر و مرشد کی یاد و پیروی کے سانچے میں ساری زندگی ڈھال کر رکھ دی جائے۔ ایثار و محبت اور روحانی استغراق کی دولت حاصل کی جائے۔ مگر اب کے دور میں اس مریدانہ ماحول کا بھرپور تجربہ کرتے ہوئے سوائے اس کے اور میں کچھ انکشاف نہیں کر سکتا کہ ان داخلین سلسلہ میں سے کچھ تو سچے نظر آتے ہیں۔ باقی میں انھیں کی حالت پر چھوڑتا ہوں جن میں مصلحت پسند بھی نظر آتے ہیں اور کج کلاہی کے پرستار بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے مریدوں نے نہ آج تک کوئی منزل پائی ہے اور نہ ہی کبھی پا سکتے ہیں۔ اپنے شیخ کے افعال و کردار سے زیادہ خود اپنے الگ میدان کی فکر میں مختلف ہیئت و سیاست بدلنے والا مرید ہمیشہ معتوب ٹھہرا ہے جن کے نزدیک صداقت و محبت کوئی چیز نہیں صرف تصنع، فیشن، خود غرضی، مصلحت نوازی اور جذبۂ خود نمائی ہی پیش نظر رہا کرتا ہے۔ اس قسم کے مریدوں کے علاوہ چند ایسے پیر بھی نظر آتے ہیں جن کے پاس علم و ہدایت کی دولت تو کچھ بھی نہیں مگر اصفیائے کرام کی ایسی باریک نقل اتارتے ہیں جیسے معلوم ہو سیدنا شیخ جیلانی کے اصل جانشین جناب ہی ہوں (استغفر اللہ) ایسے پیروں سے اس فقیر سراپا تقصیر کی درخواست ہے کہ براہ کرم اپنی پیریت کے اجزاء کو سنبھال کر رکھیں اور اس عہدۂ لازوال کو رسوا ہونے سے ہمیشہ بچائیں کیونکہ بعض اوقات یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ جب پیر ہی درست نہیں تو مریدین کیا اصلاح پا سکیں گے۔ اللہ توفیق دے۔

مولانا سید شاہ ابوالفیض محمد فضل الحق صاحب قادری رزاقی کی تصنیف بنام "تحفۂ درویش" اس سلسلے کی بہترین کتاب ہے جس میں وسیلہ کی تعریف اصفیاء و مشائخ کی روحانی عظمت اور مریدوں کی مختلف روش متعلق بڑے ہی دلکش پیرائے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ خصوصاً قادری سلسلہ کے اوراد و وظائف، ان کے فوائد، طریقہ و ہدایت اور ان کے عمل کی تعداد و مدت کے علاوہ تصور شیخ فوائد شجرۂ خوانی اور گیارہویں شریف کے فاتحہ کے سلسلہ میں کافی بصیرت کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس فاتحہ پڑھنے کی ترکیب بھی درج کر دی گئی ہے۔ تحفۂ درویش کے آخری باب میں برہان السالکین مولانا الحاج حافظ سید شاہ عبدالرزاق قادری امجھری قدس سرہٗ العزیز کی مختصر سی سوانح حیات بھی شامل کر دی گئی ہے جس کے مطالعہ کرنے سے مولانا موصوف علیہ الرحمۃ کی علمی و روحانی حیثیت اور انکی تبلیغی سرگرمیوں کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امجد بعدہٗ امجھر شریف ایک چھوٹا سا گاؤں اپنی گود میں کیسے عظیم شخصیتوں کو سلائے ہوئے ہے۔ کتاب کے پر مرقوم اس تعارفی خاکہ کو قارئین کو ضرور پڑھنا چاہئے۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ کتاب خاصی اہمیت کی متحمل ہے۔ اسکا پہلا حصہ شائع ہونے کے بعد حصۂ دوم کو بھی جلد ہی منظر عام پر آجانا چاہئے۔ کتابت و طباعت سب غنیمت ہے۔

زیر سرپرستی:۔ حکیم الحاج سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ سجادہ نشیں خانقاہ حلیمیہ ابو العلائیہ، الہ آباد

ماہنامہ

نمائندہ

الہ آباد

جلد: ۲ | مئی ۱۹۷۶ء | شمارہ: ۴-۵

ایڈیٹر:۔ سید شمیم گوہر

تہذیب و ترتیب

جناب محمد ضمیر بدایونی

ذو الفقار صدیقی

انیس حنفی

ذو القدر

ایاز داناپوری

غلام سرور

کاتب نمائندہ

سید محمد خورشید جمیل

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

منیجر "ماہنامہ نمائندہ" ۱۲۷ چک، نیا حجرہ

الہ آباد ۳

شرح خریداری

سالانہ ——— ۱۶ روپے

فی شمارہ ——— ایک روپیہ پچاس پیسے

سید شمیم گوہر ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے اسرار کریمی پریس الہ آباد میں چھپوا کر دفتر نمائندہ ۱۲۷ چک الہ آباد سے شائع کیا۔ صرف کور ریچ انجیل پرنٹرس ۲، ۲ چک میں چھپا

سوغات نو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ الٰہ آباد میں سالانہ اعراس اولیاء

شیخ المشائخ حضرت مولانا حکیم سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ M.A., B.S. سجادہ نشین خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ الٰہ آباد و سرپرست ماہنامہ نمائندہ اعلان فرماتے ہیں کہ حسب معمول گذشتہ امسال پھر اعراس اولیا با صفا منانے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ زہے قسمت "تاریخ قدیم کے مطابق ۳ر جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ سے اعراس سالانہ کا آغاز ہے جو ۷ر جمادی الثانی تک برابر جاری رہے گا۔

لہٰذا تمام متعلقین و اہل خاندان خصوصاً محبین سلسلہ و اخوان طریقت ہمیشہ کی طرح امسال بھی کثیر تعداد میں شرکت فرما کر روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہوں۔ والسلام۔

پروگرام حسب ذیل ہے

تواریخ اعراس	روز	وقت	مشاغل
۳ر جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ		بعد نماز فجر	ختم کلام مجید و فاتحہ ۸ بجے صبح
مطابق ۲ر جون ۱۹۷۶ء	چہارشنبہ	بعد نماز عصر	فاتحہ ابی مولٰینا سید شاہ عبدالرشید قادری رضوی
		بعد نماز عشاء	محفل سوز و ساز ۹ بجے شب
۴ر جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ		بعد نماز ظہر	محفل سوز و ساز ۲ بجے دن
مطابق ۳ر جون ۱۹۷۶ء	پنجشنبہ	بعد نماز عصر	فاتحہ ۵½ بجے شام
۵ر جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ		بعد نماز فجر	ختم کلام مجید و فاتحہ ۸ بجے صبح
مطابق ۴ر جون ۱۹۷۶ء	جمعہ	بعد نماز عصر	رسم صندل و چادر و غسل مزار شریف ۶ بجے شام
		بعد نماز عشاء	فاتحہ و مجلس سوز و ساز ۹ بجے شب
۶ر جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ		بعد نماز فجر	ختم کلام مجید و فاتحہ ۸ بجے صبح
مطابق ۵ر جون ۱۹۷۶ء	شنبہ	بعد نماز عصر	زیارت تبرکات ۶ بجے شام
		بعد نماز عشاء	فاتحہ و مجلس سوز و ساز ۹ بجے شب
۷ر جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ		بعدہٗ چاشت ۱ بجے دن	مجلس سوز و ساز بعدہٗ قل ایک بجے دن
مطابق ۶ر جون ۱۹۷۶ء	یکشنبہ		مشاعرہ ۹ بجے شب

نوائے آغاز

اپریل کا شمارہ شائع نہ ہونے پر ہمیں افسوس بھی ہے اور احساس بھی" ممکن ہے کچھ لوگ ہمارے اس قیمتی احساس کا احترام کرنے سے احتراز بھی کر جائیں مگر چونکہ گوناگوں حالات سے ہمیں ادرمرف ہیں کو مقابلہ کرنا پڑتا ہے اس لئے بہت کچھ نہ سوچنے کے ہم بھی عادی ہوتے جا رہے ہیں۔

اصول کی بات تو یہ تھی کہ جب اپریل کا شمارہ نہ شائع ہو سکا تھا تو مئی کے شمارے کو بہر حال وقت سے پہلے چھپ جانا چاہئے تھا۔ سنی اداروں کی گذشتہ داستانوں سے کون واقف نہیں۔ نئے سنی ادارے کی ایک ذرا سی خامی بھی قیامت سمجھ لی جاتی ہے۔ شمارۂ اپریل کی اشاعت کو محض اس پہلو کے پیش نظر ضروری گمان کیا جاتا تاکہ خیر خواہان نمائندہ کی بنی بنائی ذہنی روش پر لوچ نہ آئے پائے تو بات سمجھ میں آنے والی ہے کیونکہ لوگوں کی مشکوک ذہنیت پر ہمارا کوئی اختیار نہیں مگر جہاں تک دسویں شمارے کے ناغہ کا تعلق ہے اس بنیاد پر یہ سوچنا کہ غالباً اب نمائندہ کا انحطاطی رخ شروع ہو چکا ہے درست نہیں کہ شکست خوردہ حالات کے مارے ہوئے افراد اس کے علاوہ اور سوچ بھی کیا سکتے ہیں فضول پروپگنڈوں کے مقابلہ میں ہم شاید اپنے آپ کو بہت زیادہ حوصلہ مند پاتے ہیں۔ انحطاطی پہلو کے دیکھنے کی تمنا رکھنے والوں کو انشاء اللہ ہم بہت جلد ارتقائی پہلو دکھلانے پر مجبور کر دیں گے۔ ع کردار کے افسانے قائم ہیں مرے دم سے

یہ بات یقیناً قابل اعتراض ہے کہ مئی کا شمارہ تاخیر کے ساتھ کیوں اشاعت پذیر ہوا۔ حالانکہ ہم اپنے طویل سفر کے دوران برابر یہ احساس کرتے رہے کہ ایسا قطعی نہ ہونے پائے مگر واپسی اتنی نازک تاریخ میں ہوئی کہ ندامت کے نشتر سے اپنے آپ کو بچا نہ سکے۔ امید کہ ہمارے قارئین نمائندہ ہمیں ضرور معاف کر دیں گے۔

ابتدائی مہینوں میں جب نمائندہ چالیس صفحات پر مشتمل شائع ہوتا تھا تو فی شمارے کی قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے تھی اور جب آٹھ صفحات کی کمی کر دی گئی تو بھی وہی پرانی قیمت بدستور رہی۔ یہ تبدیلی بہر حال قابل اعتراض ہے لیکن جب یہ جان لیا جائے کہ کوئی تبدیلی بے سبب وجود میں نہیں آتی تو اعتراض میں خود بخود ڈھیلاپن آجاتا ہے۔ پہلے کی بہ نسبت کتابت اور طباعت میں حیرت انگیز طور پر فرق آچکا ہے یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں سب جانتے ہیں "کاغذوں کی مارکیٹ کا بھی کوئی اعتبار نہیں" دیگر لوازمات کا تذکرہ ہی کیا۔ ایسی صورت میں ہمیں خود مجبور ہو جانا پڑا کہ آٹھ صفحات کی کمی کے باوجود بھی سالانہ فیس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ ادارتی مجبوریوں کا احساس کرتے ہوئے قارئین نمائندہ کو اب کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

"ایڈیٹر نمائندہ"

تصوف اسلام

"چوتھی قسط"

علامہ سید شاہ محمد ابوالخیر صاحب قبلہ قادری الجھری

قرآن حکیم میں بھی ان صوفیوں کے صفات کو ان کی کیفیات کے اعتبار سے اکثر مقامات میں صادقین، قانتین، عابدین، صابرین خاشعین وغیرہ الفاظ سے متصف کیا ہے۔ یہ قرآنی الفاظ اس امر کا بھی پتہ دے رہے ہیں کہ صوفیوں کے مدارج ہوتے ہیں۔

الغرض اتنی بات ضرور واضح ہوگئی کہ علم شریعت کے حاصل کر لینے سے انسان اشرف نہیں ہوتا۔ بلکہ علم طریقت کا جو رکن شریعت ہی ہے حاصل کرنا لازمی ہے۔ فقہا نے شریعت کے ظاہری پہلو کو لیا ہے۔ اور فقرا نے اپنی نظر باطنی پہلو پر جمائے رکھی ہے۔ یعنی شریعت علم ہے اور طریقت عمل کا اثر ہے۔ شریعت چار چیزوں کا نام ہے۔ (۱) اقرار زبانی (۲) اعتقاد قلبی (۳) تزکیہ اخلاق (۴) اعمال یعنی اوامر و نواہی۔ اعتقاد قلبی تین طریقے سے پیدا ہوتا ہے (۱) تقلید سے (۲) استدلال سے (۳) کشف و حال سے۔ پہلے دونوں قسموں کو شریعت کہتے ہیں۔ تیسری کا اعتقاد طریقت ہے اور یہ قسم شریعت سے باہر نہیں۔ اور دونوں علم کے حصول کے لئے اوستاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا مرشد کے انتخاب میں برابر لگا رہنا چاہئے۔ جس وقت ایسا مرشد مل جائے زانوئے ارادت تہہ کر لے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقامات سلوک کی بیعت لینا ثابت ہے۔ آپ نے ارکان اسلام کی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی بیعت لیا ہے۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی قول الجمیل میں بیعت کا مسنون ہونا لکھا ہے۔ (۱) حضرت جریر بن عبداللہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتوں کی بیعت کی تھی۔ نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت صحابہ کو جو آپ کے ارد گرد جمع تھی مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اس امر پر مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے۔ چوری نہ کرو گے۔ زنا نہ کرو گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے۔ کسی پر بہتان نہ باندھو گے۔ نیک کاموں میں نافرمانی نہ کرو گے۔ اس کی بھی بیعت لی ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگیں۔ پس جس شخص نے تم میں سے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ حضرت ابن صامت کہتے ہیں کہ ہم سب نے اس پر بیعت کی (بخاری و مسلم)

علاوہ ازیں قرآن شریف کے الفاظ سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نعمت عظمیٰ بغیر وسیلہ و توسل اور رابطہ کے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ قرآن شریف: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (سورۃ مائدہ ۔ ۹) دوسری جگہ: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ (سورہ توبہ ۔ ۱۳) تیسری جگہ: وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (سورہ

(سورہ لقمان ۔ ۱۰) امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ بغیر پیر کے یہ راستہ فقر کا طے ہونا ممکن نہیں ہے۔ حضرت عارف باللہ فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر ہوائے دل سفر داری ولا۔ دامن رہبر بگیر و لیں بیا
دارادات باش صادق اے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید
دامن رہبر بگیر اے راہِ جو ہر چہ داری کن نثار راہِ او
گر روی صد سال در راہِ طلب راہبر نبود۔ چہ حاصل زاں تعب
بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق
پیر خود را حاکم مطلق شناس تا براہِ فقر گردی حق شناس
ہر چہ فرماید مطیع امر باش طوطیائے دیدہ کن از خاک باش
آنچہ می گوید سخن تو گوش باش تا نہ گوید او بگو خاموش باش

ایک معنوی صورت یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ بیعت طریقت سے شیخ یا پیر کے ہاتھ سے سلسلہ اولیاء اللہ کے ہاتھ تک پھر اسی طرح یہ سلسلہ مسلسل تا بہ صحابہ اس کے بعد دست رحمت رحمتہ للعالمین، شفیع المذنبین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یَدُ اللہ تک معنوی رسائی ہوتی ہے اور یداللہ فوق ایدیہم اس کا شاہد ہے۔

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست دست تو جز قبضۂ اللہ نیست
بیعت خدا سے ہے مجھے واسطہ نصیب دست خدا ہے دست مرے دستگیر کا

کیا یہ نسبت مسلسل فیوض باطنی کے حصوں کا کوئی معمولی اور ادنیٰ درجہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں ؎

گفت طوبیٰ من رآنی مصطفےٰ وَالَّذِی یُبْصِرُ لِمَنْ وَجْھِیْ رَأٰی
چوں چراغے نورِ شمع را کشید ہر کہ دید آں را یقین آں شمع دید

ہمچنیں تا صد چراغ از نقل شد دیدن آخر لقائے اصل ...

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک باد دی ہے کہ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس نے میری زیارت کی یا اس کی زیارت کی جس نے میری زیارت کی۔ یہ اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جس کو عبداللہ بن بسر نے روایت کیا ہے۔ کہ طُوْبیٰ لِمَنْ رَاٰنِیْ وَاٰمَنَ بِیْ لِمَنْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ وَاٰمَنَ بِیْ طُوْبیٰ لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ط اس حدیث سے ایک بات اور ثابت ہوئی کہ صحابہ، تابعین و تبع تابعین کی زیارت بھی مقصود ہے۔ بہر حال ایک صحابی کی زیارت اس لئے موجب خیر و برکت اور ایمان کے افزونی کا سبب ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ اسی طرح ولی اللہ کا فیض۔ فیض حق کے مماثل ہے۔ صحابی کی تعریف اس طرح بھی آئی ہے۔ کُلُّ مَنْ رَاٰہُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مُسْلِمٌ ط ہر وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور ساتھ ہی مسلمان بھی ہو یعنی وہ مسلمان ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسہ میں شرکت کی ہو وہ صحابی ہے اور صحابی کا دیدار دوسروں کیلئے موجب خیر و برکت ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ ط میرے صحابی ستاروں کے مثل ہیں جس کی بھی تم پیروی کروگے ہدایت پالوگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ راہ یابی کیلئے کسی اہل حق کو رہنما بنانا ضروری ہے (از ارشاد الملوک) دوسری حدیث ہے اَلشَّیْخُ فِی الْجَمَاعَتِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ ط شیخ اپنی جماعت میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں"۔

"باقی آئندہ"

موافقات عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از۔ حضرت الحاج علامہ عبد المنان صاحب قبلہ
مفتی الجامعۃ الاشرفیہ۔ مبارکپور۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے لیکن ساتھ ساتھ فطرت انسانی کے راز ہائے سربستہ کا عقدہ کشا بھی ہے۔ بنی آدم کیلئے طریقۂ زندگی اور شاہراہ عمل بھی متعین کرنے والا ہے۔ اس لئے اس کی باتوں کا فطرت انسانی کے مطابق ہونا بھی ضروری ہے۔

چنانچہ اسلام میں سعادت و شقاوت کا دار و مدار بڑی حد تک اس پر بھی ہے کہ کس آدمی کی طبیعت کہاں تک قرآن سے ہم آہنگ اور اس سے میل کھانے والی ہے۔

پس وہ شخص دراصل بہت بڑا انسان ہے جس کے خیالات اور عوائد نزول قرآن سے قبل ہی عین قرآن کے مطابق ہوں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے بہت سارے خیال بلکہ عبارتیں قرآن کے مطابق ہیں۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جلالین شریف اور تاریخ الخلفاء میں تصریح کی کہ ایک منافق اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوا۔ فیصلہ کیلئے یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا اور منافق اس بات پر مصر تھا کہ کعب ابن اشرف کو فیصل مقرر کیا جائے۔ آخرکار کچھ یہودی کے اصرار اور کچھ رسوائی کے خوف سے منافق بھی راضی ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقدمہ پیش ہوا آپ نے جانبین کے دلائل سننے اور فیصلہ یہودی کے موافق فرمایا منافق کی تسکین نہ ہوئی اور ضد کر کے پھر حضرت عمر فاروق کی بارگاہ میں گیا تاکہ کافروں کے ساتھ ان کی سختی سے ناجائز فائدہ اٹھائے۔

حضرت عمر سے یہودی نے صورت حال بیان کی اور کہا کہ یہ رسول اللہ فیصلہ کے بعد آپ سے فیصلہ کرانے آیا ہے

کیا یہی بات ہے؟ حضرت عمر نے پوچھا۔

جی ہاں۔ منافق نے جواب دیا۔

اچھا تم دونوں اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو میں ابھی فیصلہ کرتا ہوں" یہ کہہ کر آپ اندر تشریف لیگئے اور ہاتھ میں تلوار لے کر باہر نکلے اور قبل اس کے کہ ان دونوں کی سمجھ میں صورت حال آئے، آپ نے منافق کا سر اڑا دیا اور ارشاد فرمایا۔

"میں ان لوگوں کا فیصلہ یونہی کرتا ہوں جو خدا اور خدا کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہوں"۔

مقتول تو وہیں ٹھنڈا ہو گیا لیکن یہودی بھاگ کر حضور کی بارگاہ میں آیا اور پورا حال کہہ سنایا۔ آپ نے حال سن کر یہ ارشاد فرمایا:۔

مجھے عمر سے یہ امید نہیں تھی کہ ایک مسلمان کے قتل پر یوں جرأت کریں گے۔

خود مقتول کے وارثوں نے بھی کافی غوغا مچایا۔ آخرکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو بلا کر دریافت فرمایا۔ "عمر تم نے ایک مسلمان کے قتل کی جرأت کیونکی؟

حضرت عمر نے عرض کیا۔

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا

سرکار میں نے مسلمان کو قتل ہی کہاں کیا؟ وہ تو کافر تھا۔ کیونکہ کوئی بھی اس وقت تک مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جبتک آپ کے تمام فیصلوں کو دل سے تسلیم نہ کرے اور پھر اس کے خلاف اپنے ضمیر میں خیال بھی نہ آنے دے۔

فوراً ہی سدرۃ المنتہیٰ سے جبرئیل امین بھی اترے اور عرض کی آپ کا رب بھی حضرت عمر کی تصدیق فرماتا ہے آپ عمر کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو قران کریم کا جزو قرار دے دیجئے۔ لوح محفوظ میں یہ آئیتیں اسی طرح مرقوم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ نماز عصر کے بعد آپ ازدواج مطہرات سے ملاقات فرماتے ایک دفعہ کسی بیوی کے پاس آپ دیر تک تشریف فرما رہے۔ جب واپس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو انھوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کے منہ سے مغافیر بو آتی ہے۔

میں نے فلاں کے پاس شہد پیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تو ہو سکتا ہے کہ شہد کی مکھی نے مغافیر کا بھی رس چوس لیا ہو جس کی وجہ سے یہ بو آ رہی ہے۔ زوجہ مطہرہ کا جواب تھا آج میں تمہاری خوشنودی کی خاطر اب شہد نہیں کھاؤنگا۔ لیکن تم اس کا ذکر کسی اور سے نہ کرنا تاکہ جس بیوی نے مجھے شہد کھلائی اس کا دل چھوٹا نہ ہو۔"

متعلقہ بیوی نے تاکید کے باوجود رسول اللہ کا یہ راز دوسری بیویوں سے بھی کہہ دیا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت اذیت ہوئی اور آپ نے ایک ماہ کے لئے قسم کھائی کہ کسی عورت کے پاس نہ جاؤنگا۔ اور ایک بالاخانہ پر قیام پذیر ہوئے۔

ادھر پورے مدینہ میں یہ خبر اڑ گئی کہ حضور نے ازدواج کو طلاق دیدی جس سے آپ کی پاک بیویاں الگ تصویر ماتم بن بیٹھی تھیں اور صحابہ کرام الگ مسجد نبوی میں سوگوار تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس حادثہ کی خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوئے اور اپنی بیٹی نیز رسول اللہ کی بیوی حضرت حفصہ کے پاس گئے اور پوچھا۔

"کیا رسول اللہ نے تم لوگوں کو طلاق دیدی؟"

"ہم لوگوں کو اس کا پتہ نہیں۔"

"اچھا رسالت مآب کہاں ہیں؟"

"بالاخانے پر تشریف فرما ہیں لیکن کسی کو ملنے کی اجازت نہیں ہے۔"

یہ سن کر آپ اوپر تشریف لیگئے اور دروازے پر رہنے والے خادم سے بلند آواز میں کہا۔ "حضور سے کہو عمر باریاب ہونا چاہتا ہے۔"

خادم اندر گیا واپس آکر بولا۔ "میں نے آپ کی درخواست حضور کی بارگاہ میں گذاری لیکن رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سنکر خاموش رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوٹ آئے، تھوڑی دیر عام صحابہ کے مجمع میں بیٹھے رہے۔ پھر بے صبری سے اٹھے، اجازت چاہی اور اذن نہ پاکر واپس لوٹ آئے۔ جب تیسری بار مایوس ہوکر لوٹ رہے تھے تو خادم مژدۂ رسائی لایا خدمت میں پہنچ کر عرض کی ـــ "حضور نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی؟"

آپ نے فرمایا ـــ "نہیں"۔

"حضور! سیلاد دیکھئے تو ہم اہلِ قریش مکہ میں عورتوں پر حاوی تھے۔ اب جو مدینہ آئے تو عورتوں کو مردوں پر غالب پایا۔ پھر طرفہ یہ کہ ہماری عورتوں نے بھی وہی وطیرہ سیکھنا شروع کردیا۔ ایکدن میں جو اپنی بیوی پر برافروختہ ہوا تو اس نے خلاف توقع ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ مجھے اور زیادہ کھلا ریہ دیکھ کر میری بیوی بولی ـــ آپ کو بھی شاق گذر رہا حالانکہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دہراتی ہیں۔ میں نے کہا۔ جو ایسا کرتی ہے وہ ہلاک ہو گئی۔ کیا انھیں ذرہ بھی پرواہ نہیں کہ خدا کا غضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی کیوجہ سے ان پر ٹوٹ سکتا ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے۔ اور حضرت عمر نے پھر کہنا شروع کیا ـــ "حضور میں نے تو آپ کی تمام بیویوں سے کہہ دیا ہے کہ ـــ

عسیٰ ربہ ان طلقکن ط

(اگر حضور تم لوگوں کو طلاق دیدیں تو خدا انھیں تم سے اچھی بیویاں عطا کرے گا) اور سرکار! آپ کو انکی بالکل پرواہ نہ کرنی چاہئے۔ اگر آپ نے انکو اپنے سے جدا کربھی دیا تو خدا، اس کے ملائکہ اور نیک مسلمان آپ کے ساتھ ہیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے۔ مطلع رسالت سے غم کی بدلی کا چھٹنا تھا کہ تبسمہائے پنہاں کے سایہ میں وحیِ الٰہی کا نزول حضرت عمر کے الفاظ میں ہوا۔

وان تظاهرا علیه فان الله هو مولاه و جبریل وصالح المومنین والملائکة بعد ذالک ظهیرا عسیٰ ربه ان طلقکن ان یبدله ازواجا خیراً منکن۔ اسی طرح قرآن عظیم کی بیس آئتیں حضرت نے وحیِ الٰہی کی موافقت میں کہی ہیں ـــــــ ختم شد

عربی ادب انیسویں صدی میں

جناب سردار علی صاحب (پاکستان)

عربی بولنے والے ممالک میں سے مصر، شام، ٹیونس الجیریا اور مراکش میں خاصی ادبی سرگرمیاں پائی جاتی ہیں۔ جن کا اظہار متعدد اخبارات اور رسائل کی اشاعت اور بہ تعداد کثیر مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے طبع و شائع ہونے سے ہوتا ہے۔ اس صدی میں عربی ادب کی سرگرمیاں ان ان ممالک تک ہی محدود نہیں رہیں جہاں کی مادری زبان عربی ہے بلکہ قسطنطنیہ، پیرس اور ہندوستان نے بھی اس زبان کی خدمت گذاری میں قابل لحاظ حصہ لیا ہے۔

میخائیل ابن نقولا ابن ابراہیم صباغ تقریباً ۱۷۷۵ء میں سینٹ جین ڈی ایکر [illegible] میں گذاری مصر کی مہم میں فرانسیسی فوج کے ساتھ رہا۔ جب ترک قاہرہ میں دوبارہ داخل ہوئے تو اس کا گھر لوٹ لیا اور اس کا مال و جائیداد ضبط کرلی گئی۔ بعد میں یہ امپیریل لائبریری پیرس میں عربی کتابیں نقل کرنے اور مخطوطات کی درستی و ترمیم کرنے کیلئے مقرر ہوا۔ یہاں اس نے ڈی ساسی سے تعارف پیدا کیا۔ اس نے کبوتروں کی نامہ بری پر ایک کتاب لکھی تھی ڈی ساسی نے اسکا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب کا نام مسالفت البرق والغمام ہے۔ بعد میں اس چھوٹے سے رسالے کا جرمن اور اطالوی زبان میں ترجمہ ہوا۔ شاہ روما کی ولادت پر اس نے ایک مناجات لکھ کر نپولین اول کی خدمت میں روانہ کی تھی۔ ڈی ساسی نے ۱۸۱۱ء میں اس کا بھی فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے جب سیاسی صورت حال نے پلٹا کھایا تو صباغ نے لوئی ہژدہم کی شان میں ایک مدحیہ نظم لکھی۔ اس نظم کا بھی گرانگریٹ ڈی لاگرینج نے ۱۸۱۴ء میں فرانسیسی ترجمہ کیا ہے۔ جدید عربی شاعری پر بھی اس کی ایک کتاب موجود ہے۔ فرئیٹاگ نے جب عربی بحر پر مقالا لکھا تو اس کتاب سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ اس نے جون ۱۸۱۶ء میں وفات پائی۔ فرئیٹاگ نے قبائیلی عرب کی تاریخ، شام و مصر کی تاریخ اور مصر و شام میں بولی جانے والی عامیانہ عربی زبان کی صرف و نحو پر بھی کتاب لکھی ہے جس کا نام رسالۃ التامہ ہے۔ یہ رسالہ ۱۸۸۶ء میں اسٹراسبرگ سے تھاربک نے شائع کیا ہے۔ اسی کتاب کا مسودہ کسی وقت فرانسیسی مستشرق کاترمیر کے کتب خانے میں تھا۔ بعد میں دیگر کتابوں کے ساتھ میونخ لائبریری کے قبضے میں چلا گیا۔

صباغ کا دوست الیوس بختر کے والدین کا تعلق سیوط سے تھا۔ الیوس بختر ۱۲ اپریل ۱۷۸۴ء کو پیدا ہوا۔ پندرہ سال کی عمر میں فرانسیسی فوجی ہیڈکوارٹر اسٹاف میں بحیثیت مترجم ملازمت اختیار کی ۱۸۱۲ء میں دفتر وزارت جنگ کے محافظ نے جو عربی کتابیں وہاں تھیں ان کے ترجمہ کیلئے مقرر کیا۔ اس کے صدر دفتر سے بھی.. بحیثیت ترجمان متوسل ہوگیا ۱۸۱۷ء میں فرانسیسی درسگاہ

مشرقی میں عربی ادب پر لکچر دینے کیلئے مقرر ہوا ۱۸۲۲ء میں اسی مدرسے کا پروفیسر مقرر ہوا اور اسی سال ۶۷ سال کی عمر میں ۲۶ ستمبر کو فوت ہو گیا۔ اس کی یادگار کتاب عربی فرانسیسی ڈکشنری ہے ۱۸۲۸ء میں پرسیول نے اس کو شائع کر دیا ہے۔

نکولا (نقولا) الترک. باپ کا نام یوسف الترک ہے۔
یونانی چرچ کا ممبر تھا۔ دیرالقمر میں ۱۷۶۳ء میں پیدا ہوا جو اس وقت حکومت لبنان کا دارالحکومت اور امیر بشیر کا سردار و روس کا سکونتی مقام تھا۔ اس کا خاندان قسطنطنیہ سے تعلق رکھتا تھا یہ سردار و روس کی ملازمت میں داخل ہو گیا جہاں اس کا لقب معلم قرار پایا۔ سردار موصوف کے مختصر دربار میں بحیثیت شاعر اس کی بہت عزت تھی۔ فرانسیسیوں کے منصوبوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے اس کو مصر بھیجا گیا۔ یہ اس وقت تک مصر میں رہا جب تک کہ وہاں فرانسیسیوں کا غلبہ رہا۔ آخر عمر میں وہ اندھا ہو گیا تھا جو کچھ لکھنا ہوتا وہ اپنی بیٹی وردہ سے لکھوایا کرتا تھا ۱۸۲۸ء میں دیرالقمر میں فوت ہوا اس نے مصر پر فرانسیسی قبضے کی ایک مختصر تاریخ لکھی ہے۔ جس کا الیگزنڈر کارڈن نے ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب کا پورا متن ۱۸۳۹ء میں شائع ہوا ہے۔ فتح مصر پر اس نے ایک نظم میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ جے جے مارشل نے اس کا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا ہے۔

شیخ رفاعہ الطہطاوی۔ شافعی رافع کا بیٹا ہے۔ طہطا احمد البدوی کی اولاد سے ہے۔ جو منصورہ میں معروف پیکار ہوا تھا جامع الازہر میں تعلیم حاصل کی۔ مصری فوج میں خطیب کی حیثیت سے خدمت انجام دی۔ عبدے آفندی مہر دار کے زیر انتظام جو مصری مدرسہ پیرس میں قائم ہوا اس کو وہاں بھیج دیا گیا۔ آخر کار وہ قاہرہ واپس آکر سررشتہ ترجمہ کا صدر مقرر ہوا اور اسی خدمت پر اس نے اپنی زندگی کے آخری سال گذارے۔ فرانسیسی زبان سے اس نے کئی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ ایک کتاب کا عربی نظم میں ترجمہ کیا جس کا نام نظم العقود ہے۔ (۱۸۲۶ء) اسکی اصل تصانیف میں تخلیص الابریز ہے جس میں اس کے سفر اور قیام فرانس کے حالات ہیں۔ اس نے حب الوطنی پر کچھ نظمیں لکھی تھیں۔ اس مجموعے کا نام منظومہ مصریہ ہے۔ اس نے بہت قدیم زمانے سے مصر کی ایک تاریخ لکھنے کا ایک خاکہ تیار کیا تھا لیکن اس کی تکمیل نہ ہوئی۔ صرف ایک جلد انوار توفیق الجلیل کے نام سے لکھی گئی ہے۔

شیخ ناصف ابن عبداللہ الیازجی:۔ (۱۸۰۰ء ۱۸۷۱ء)
لبنان کا باشندہ ہے۔ کفر شیما میں پیدا ہوا۔ بیروت کے ایک امریکن مشن سے اسکا تعلق تھا۔ مقامات حریری کی پیروی میں اس نے بھی ایک کتاب لکھی جس کا نام مجمع البحرین ہے جو ۱۸۵۶ء میں بیروت میں چھپ گئی ہے۔ اس کے قبل اس نے ایک کتاب مجموع الادب کے نام سے لکھی ہے۔ منطق پر اس کا ایک رسالہ قطب الصناعہ ہے۔ صرف و نحو پر ایک کتاب فصل الخطاب بھی اس کی یادگار ہے متنبی کے کلام کی شرح بھی لکھی ہے جس کا نام العارف الطیب ہے۔ عربی عروض پر ایک رسالہ عقد الجمان ہے۔ اسی فن پر ایک اور کتاب اللامعہ ہے۔ کتاب المختصر میں جو اشعار آئے ہیں اس کی شرح بھی لکھی ہے جس کا نام نار القرہ ہے۔

حزانہ ادر المجانہ کی اس نے جو شرح لکھی ہے اس کا نام عقود الوالیہ ہے۔ ڈی ساسی نے مقامات حریری کا جو ایڈیشن شائع کیا ہے اس نے اس پر بصورت مکتوب ایک تنقید لکھی تھی۔ اے۔ ایف مہران نے اس کا لاطینی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے غیر مطبوعہ دیوان میں سے اس کے کلام کا انتخاب ۱۸۵۳ء میں بیروت میں چھپ گیا ہے۔ جس کا نام بنندہ ہے۔ تواریخ کے نام سے بھی اس کی ایک کتاب مشہور ہے۔ بعد میں اس کے کلام کا ایک اور انتخاب شائع کیا گیا ہے جس کا نام ثامت القمرین ہے اور یہ ۱۸۸۲ء میں چھپ گیا ہے۔

الیاس خرج یاسل:۔ لبنان کے ایک موضع کا باشندہ ہے۔ اس نے اپنا ایک دیوان مرتب کیا تھا جس کا نام مجمع الازہر ہے۔ یہ ۱۸۷۹ء میں بیت المقدس میں چھپ گیا ہے

احمد فارس:۔ ابن یوسف ابن منصور الشہدیاق یہ عیسائی تھا بعد میں مسلمان ہو گیا۔ ۱۸۹۰ء میں فوت ہوا۔ یہ بہت اچھا انشا پرداز تھا۔ اس نے عربی زبان کے مترادف اور ہم معنی الفاظ کا ایک لغت لکھا ہے جس کا نام لفیف فی کل معنی طریف ہے۔ صرف و نحو پر بھی اسکا ایک رسالہ ۱۸۳۹ء میں مالٹا میں چھپ چکا ہے۔ اس کے بعد ہی قطب ادر ابدال پر اس کی ایک کتاب سیر اللیال شائع ہوئی۔ فیروزآبادی کی قاموس پر جو تنقید لکھی ہے اس کا نام جاسوس علی القاموس ہے۔ اس نے مالٹا کی بھی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام الواسطہ فی معرفت احوال مالطہ ہے یہ کتاب ۱۸۶۶ء میں ٹیونس میں اور ۱۸۸۱ء میں قسطنطنیہ میں چھپی ہے۔ ٹیونس کے کسی سردار کی مدح میں اس نے ایک نظم لکھی تھی جس کا موسیو جی دوگا نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کی ایک پر لطف کتاب عساق علی الساق ہے اس میں عرب اور دیگر اقوام کے تنقیدی حالات، اپنے سفر کا تذکرہ اور فریباک کے حالات زندگی اور اسکی سرگذشت کو پر لطف انداز میں قلم بند کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۵۵ء میں پیرس سے شائع ہوئی ہے۔ مویشی و پرندوں کے حالات و عادات پر اس کی کتاب شرح طبایع الحیوان مالٹا میں ۱۸۴۱ء میں چھپ گئی ہے۔ اس کے بیٹے سلیم فارس نے اپنے اور اپنے باپ کے مختلف ادبی اور حکمیاتی مضامین کو جو اخبار جوائب میں لکھے گئے تھے ایک مجموعے کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ جس کا نام کنز الرغایب ہے۔ اخبار مذکور پہلے قسطنطنیہ سے نکلتا تھا بعد میں قاہرہ منتقل کیا گیا۔

بطرس لبستانی:۔ لبنان کا ایک اور باشندہ بطرس لبستانی (۱۸۱۹ء ــ ۱۸۸۳ء) ہے۔ یہ بیروت کے امریکن سفارتخانے میں عربی ترجمان تھا۔ پروٹسٹنٹ عقاید کا پیرو تھا۔ اس نے لغت قاموس کا ایک ضمیمہ لکھا ہے جس کا نام محیط المحیط ہے جو بہت مشہور ہے جس سے آرد وزی نے اپنی عربی لغت میں بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ عربی نحو پر اس کی تصنیف مصباح الطالب بھی مشہور ہے۔ اس کی کشف الحجاب ریاضی پر ہے۔ اس کی سب سے بڑی تصنیف عربی انسائیکلوپیڈیا ہے جس کا نام دائرۃ المعارف ہے۔ اس نے اسعد الشدیاق کی سوانح عمری بھی لکھی ہے ۱۸۵۹ء میں بیروت میں اس نے عربی ادب پر ایک بسیط

تاریخی لکھ دیا ہے۔ یہ بھی بصورت کتاب چھپ گیا ہے۔

شیخ رشید دح داح :۔ ایک دوسرا مصنف شیخ رشید گو داح ہے۔ اس کے باپ کا نام غالب ہے اس نے اپنی سعی وکوشش سے بعض عربی کتابوں کے متن شائع کئے ہیں اس لئے اسکا نام عربی اہل قلم میں لیا جاتا ہے۔ اس نے جو کتابیں شائع کیں ان میں قابل ذکر ابو منصور الثعالبی کی فقہ اللغہ (پیرس ۱۸۶۱ء) دیوان بن العزیز معہ شرح از حسن الوردیخی و عبد الغنی النابلوسی (مارسیلز ۱۸۵۳ء) (پیرس ۱۸۵۹ء)۔ (بولاق ۱۸۵۵ء) خود اس نے ایسے اشعار کا مجموعہ مرتب کیا تھا جو ضرب الامثال کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اس مجموعے کا نام طرب المسامع ہے جو ۱۸۶۱ء میں پیرس سے شائع ہوا ہے۔ متفرقات کا ایک مجموعہ جمہر التوامیر ہے۔ جو ۱۸۵۰ء میں پیرس میں چھپ گیا ہے۔

انیسوی صدی کے دوران میں بیروت میں جو ادبی سرگرمیاں دکھائی دیتی ہیں ان میں حسب ذیل لوگوں کے نام نظر آتے ہیں۔

خلیل آفندی القوری :۔ اس نے مختلف سیاسی مواقع پر مختلف نظمیں لکھی تھیں۔ جس کا مجموعہ زہر اکرباکے نام سے ۱۸۵۰ء میں بیروت سے شائع ہوا ہے۔

سلیم لبترس :۔ سلیم لبترس نے اپنے سفر یورپ کے حالات شائع کئے ہیں جس کا نام نزہتہ الشہید ہے۔ یہ کتاب ۱۸۵۹ء میں بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

اسکندر آغا ابکاریوس :۔ اسکندر آغا ابکاریوس ارمنی ہے۔ اس کی کتاب روضتہ الادب بیروت میں چھپ
گئی ہے (۱۸۵۸ء) یہ ماقبل اسلام کے عرب شاعروں کا تذکرہ ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم عصر تھے۔ اس کی ترتیب حروف تہجی پر ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے مارسلز میں ۱۸۵۲ء میں چھپی۔ اس کے تقریباً چھ سال بعد ۱۸۵۸ء میں بیروت سے شائع ہوئی۔

جرجیس آفندی تانوس عون :۔ نہایت الالوب بھی ماقبل اسلام کے عرب شعراء اور دیگر مشاہیر ادب کے حالات سے تعلق رکھتی ہے۔ جرجیس آفندی نے لغت اصطلاحات دار المکنون لکھی ہے جو ۱۸۸۴ء میں قسطنطنیہ میں چھپ گئی ہے۔

سعید الخوری الشرتونی :۔ یہ بھی ایک عربی لغت (معہ ضمیما) کا مصنف ہے جو ۱۸۹۴ء میں بیروت میں چھپی ہے۔ اس کا نام اقرب الموارد ہے اس مصنف کی ایک اور کتاب شہاب الثاقب جو مکاتیب کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ اسکا سنہ تصنیف ۱۸۸۴ء ہے۔

یوسف الیاس :۔ یوسف الیاس کی کتاب مفتی المتعلم بغیر استاد کے عربی نحو سکھانے والی ہے یہ ۱۸۶۹ء میں تصنیف کی گئی ہے۔

ارسانیوس الفاخری :۔ یہ ایک پادری تھا۔ فن خطابت میں اس کی کتاب روضتہ الجنان ۱۸۶۵ء مشہور ہے۔

پادری جوزف ڈیوڈ :۔ ۱۸۶۵ء میں ایک شامی پادری جوزف ڈیوڈ نے عربی میں فرانسیسی زبان کی صرف و نحو لکھی ہے جو موصل میں طبع ہو گئی ہے۔ اخلاقی مضامین کا

ایک نظم و نثر کا مجموعہ بھی اس سے یادگار ہے جس کا نام تنزہ الالباب ہے۔ عربی صرف و نحو پر بھی اس کا رسالہ ثمرۃ مشہور ہے۔ اس کا سنہ تالیف ۱۸۸۶ء ہے۔ اس کی ایک اور تصنیف ترویض الطلاب سنہ ۱۸۶۷ء ہے۔ جوزف ڈیوڈ نے سنہ ۱۸۹۰ء میں وفات پائی۔

فادر لوئی شیخو:۔ یہ مشہور اہلِ قلم ہے۔ بیروت کی سینٹ جوزف یونیورسٹی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی بہت سی عربی تصانیف ہیں جن میں مختصر الصرف جیسا کہ نام سے ظاہر ہے صرف و نحو کی مختصر کتاب ہے۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں بیروت میں چھپ گئی ہے۔ ترقیۃ القاری مضامین کا مجموعہ ہے۔ مجانی الادب ایک عظیم ادبی کشکول چھ جلدوں میں ہے۔ اس کی شرح اور نوٹس کی اور چار جلدیں ہیں۔ اس کے ساتھ تمہید کا اضافہ کیا گیا ہے جس کا نام مرقات ہے اور یہ مجانی الادب کا ایک واسطہ ہے۔ علم الادب اس میں ادبی مضامین ہیں۔ شعر النصرانیہ قدیم شاعروں کا تذکرہ ہے۔ اس میں زیادہ تر ماقبل اسلام کے شعراء کے حالات ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ سب شعراء عیسائی ہیں۔ اس میں انیسویں صدی کے عرب ادب کی بھی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام الادب العربیہ فی القرن التاسع عشر ہے۔ یہ کتاب بیروت میں چھپ گئی ہے۔ اس نے صائد اندلسی کی طبقات الامم کا متن بھی شائع کیا ہے۔

سلیمان آفندی (ادنہ):۔ اس کی تصنیف کا نام الباخورۃ السلیمانیہ ہے۔ اس میں نصیری عقائد پر بحث کی گئی ہے۔ ای سالسبری نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا ہے۔

تاریخ اور خصوصاً کوہستانی صوبے کی تاریخ پر بھی لبنان میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ استفان الدویہی طرابلس الشام کے قریب ایک موضوع کا باشندہ ہے اس نے مرون کی ایک تاریخ لکھی ہے جو سنہ ۱۸۹۰ء میں بیروت میں چھپ گئی ہے۔

رشید المخوری الشرتونی:۔ اس نے مکاتیب کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام نہج المراسلہ ہے۔ سنہ تالیف ۱۸۷۷ء ہے۔

شیخ تانوس ابن یوسف الشدیاق:۔ شیخ تانوس نے کوہستانی علاقے میں بسنے والے عیسائی خاندانوں کے حالات جمع کیے ہیں جس کا نام اخبار الاعیان (سنہ ۱۸۵۹ء) ہے

خلیل سرکیس:۔ اس نے بیت المقدس کی ایک تاریخ سنہ ۱۸۷۴ء میں لکھی ہے۔ موصل میں ایک شامی پادری لوئی رحمانی نے سنہ ۱۸۸۶ء میں تاریخ قدیم کا اختصار لکھا ہے۔ عہد وسطیٰ کی بھی ایک تاریخ سنہ ۱۸۷۷ء میں لکھی ہے۔ سنہ ۱۸۸۳ء میں تاریخ مقدس کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے

سریل بہنام مبنی آرچ بشپ موصل:۔ اس نے کیتھولک گرجا کے موضوع پر سنہ ۱۸۶۷ء میں ایک کتاب لکھی ہے

بفضلہ تعالیٰ آہستہ آہستہ نمائندہ کے سالانہ خریداروں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اب تک کافی شہروں کے نمائندہ نواز سالانہ خریداری قبول کر چکے ہیں جن کے اسماء ان شاء اللہ ہم نمائندہ میں شائع کرتے رہیں گے یہ سلسلہ آئندہ شمارہ سے شروع

عہد عباسیہ کے مورخین

جناب محمد سردار علی صاحب

عرب مورخین کی تعداد بے شمار ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں ایک ہزار سے زیادہ تاریخوں کا ذکر کیا ہے۔ وسٹن فیلڈ نے عرب مورخین کی جو فہرست ترتیب دی ہے وہ پانچ سو بچانوے ناموں تک پہونچ گئی ہے لیکن مارگولیتھ کا خیال ہے کہ ان کے علاوہ بہت سے مورخین ایسے ہیں جن کے نام وسٹن فیلڈ کی فہرست میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ عہد عباسیہ عربی ادب کا عہد زریں کہلاتا ہے۔ اس عہد میں دیگر فنون کے علاوہ فن تاریخ کو بھی بہت ترقی ہوئی۔ اس عہد میں بڑے
۴- مورخین میں سے صرف چند کا ذکر کیا گیا ہے۔ بے پایاں
کتابیں لکھی گئیں۔ ذیل میں عہد عباسیہ کے بے شمار مورخین میں سے صرف چند کا ذکر کیا جاتا ہے بقیہ مورخین کا تذکرہ کسی دوسرے موقع پر کیا جائے گا۔

عربی تاریخوں کا حقیقی آغاز مغازی رسول سے کیا جاتا ہے۔ آخری عہد بنی امیہ میں موسیٰ بن عقبہ نے مغازی رسول لکھی۔ چنانچہ موسیٰ ابن عقبہ نہایت ثقہ اور محتاط مصنف تھا۔ اس نے اپنی تصنیف کی وجہ سے امام المغازی کا لقب حاصل کیا۔

ابو عبداللہ محمد ابن اسحاق بہت معتبر مورخ ہیں اگرچہ ان کی اصل تصنیف ناپید ہے لیکن اس کا ایک بڑا حصہ سیرۃ الرسول کے نام سے ابن ہشام (عبدالملک البصری جس نے قاہرہ میں ۲۱۸ھ میں وفات پائی) کی تالیف کی شکل میں موجود ہے۔ سیرۃ الرسول وسٹن فیلڈ نے شائع کی ہے اور جی ویل نے جرمن زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بغض و عداوت کی بنا پر ابن اسحٰق کو مدینہ چھوڑ کر اسکندریہ جانا پڑا یہاں سے وہ کوفہ و رے کو چلے گئے۔ حیرہ میں خلیفہ المنصور نے ان سے ملاقات کی اور انکو بغداد آنے کی دعوت دی۔ یہاں ابن اسحاق احادیث جمع کرتے رہے۔ آخر آپ نے ۱۵۱ھ میں بمقام بغداد انتقال کیا۔

ایک اور مشہور مورخ الواقدی ہے۔ اس کی تصنیف کتاب المغازی بہت مشہور ہے۔ اس کتاب میں شام، عراق، مصر اور افریقہ کی اسلامی لڑائیوں کا حال ہے۔ اس کا پورا نام ابو عبداللہ محمد ابن عمر الواقدی ہے۔ مدینہ میں ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی زندگی اناج کی تجارت سے شروع کی اسراف بیجا کی وجہ سے جب اس کی مالی حالت بہت خراب ہوگئی تو وہ شہر چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ جب بغداد پہنچا تو وزیر یحییٰ بن خالد برمکی نے اس کو عہدہ قضات پر مامور کیا۔ بعد میں خلیفہ مامون نے روصافہ کی قضات پر تبادلہ کر دیا۔ جہاں اس نے ۲۸ اپریل ۸۲۳ء کو وفات پائی۔ کتاب مغازی الفریڈ فان کریمر نے کلکتہ سے شائع کی۔

محمد ابن سعد (ابو عبداللہ محمد المتوفی ۲۳۵ھ) اگرچہ الواقدی کا شاگرد ہے لیکن نہایت معتبر مورخ ہے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ وغیرہ کے حالات میں ایک

عہد عباسیہ کے بے شمار

نہایت بسیط کتاب طبقات کے نام سے کئی جلدوں میں لکھی ہے۔ یہ کتاب بڑے اہتمام سے جرمنی میں چھپ گئی ہے۔

جب مغازی رسول لکھی جا رہی تھی تو رزاقی تاریخ مکہ ترتیب دے رہے تھے۔ اس نے اپنی تاریخ کی بنیاد ماقبل اسلام کی روایات پر رکھی ہے۔ اس کے دادا عبد الوحید رزاقی نے جو مواد جمع کیا تھا اس سے اس نے پورا استفادہ کیا ہے رزاقی نے ۸۵۸ء میں وفات پائی۔

اس کے جانشین الفقیہی (ابو عبد اللہ) نے بھی ۸۸۵ء میں تاریخ مکہ لکھی۔ ان دونوں تاریخوں کو وسٹن فیلڈ نے شائع کر دیا ہے۔ ابن زبالہ کی تاریخ مدینہ عمر ابن شبہ کی تاریخ بصرہ و کوفہ (جس میں امراء و دیگر مشاہیر کا تذکرہ ہے) ابوزکریا العقیدی کی تاریخ موصل معتبر تاریخیں ہیں۔ لیکن آج کہیں ان کا وجود نہیں پایا جاتا۔ صرف کتابوں میں ان کے نام ملتے ہیں۔ اسی طرح تاریخ مرو از احمد ابن سیا و تاریخ اصفہان ابن معدہ، تاریخ بخارا از محمد البخاری استرآبادی، تاریخ سمرقند عبد الرحمٰن ادریسی بھی دنیا سے ناپید ہو چکی ہیں۔ انھیں کا ہم عصر ایک مورخ ابوبکر المالکی ہے جس نے تاریخ طوس لکھی ہے۔ جس میں طوس کے علماء و فقہاء وغیرہ کے حالات ہیں۔ اس کتاب کا نام ریاض النفوس ہے۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ ملی پیرس میں موجود ہے۔

ابو الفضل احمد ابن ابی طاہر طیفور کی عظیم تاریخ بغداد ۲۴ جلدوں میں برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ مصنف ایرانی النسل ہے اور خراسان کے ایک خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ۸۱۹ء میں بمقام بغداد پیدا ہوا اور ۸۹۳ء میں وفات پائی۔

ابن الکلبی (ابو المنذر ہشام) یہ ایک عرب سورما کا بیٹا تھا۔ اس نے افواج اسلام، انساب عرب و قریش کے پیشے، قبائلِ عرب کے مناظرات پر کئی رسالے لکھے جن کے مخطوطے پیرس اور اسکوریال کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ عربوں کے قدیم اصنام پر اس نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ اس نے عرب گھوڑوں کے انساب پر بھی ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس کی یاد بے مثل کہی جاتی ہے۔ وہ خود لکھتا ہے کہ اس کے چچا کی طعنہ زنی پر اس نے تین شبانہ روز میں قرآن زبانی یاد کیا تھا۔ ابن کلبی کوفہ میں پیدا۔ کچھ عرصہ بغداد میں رہا۔ ۸۱۹ء میں انتقال کیا۔

المدائینی ایک خاص صفات کا مورخ ہے۔ اس کی بعض تصانیف ناپید ہے۔ المدائینی (ابو الحسن علی) ۷۵۳ء میں پیدا ہوا اور ۸۳۰ء و ۸۴۵ء کے مابین وفات پائی۔ تاریخ عہد رسول اور قبائل قریش اور خلفاء پر اس نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کی فہرست ایک سو سے زیادہ تک پہونچی ہے۔ اس کی کتاب المغازی اور تاریخ الخلفاء کے اکثر حوالے پائے جاتے ہیں۔ اس نے مشہور عورتوں پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا وطن مدائن ہے۔

الزبیر ابن بکر (ابو عبد اللہ) ابن زبیر کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ مدینہ میں سکونت تھی۔ اوائل عمر ہی میں اس نے حدیث، تاریخ اور انساب میں نام پیدا کیا۔ متعلقین سے ناراض ہو کر بغداد چلا گیا۔ دربار عباسیہ سے بھی کسی قدر

افزائی کا اظہار نہ ہونے پر وہ پھر اپنے ملک کو واپس آگیا یہاں وہ مکہ کا قاضی مقرر ہوا۔ اس منصب کی وجہ سے اسکو کئی مرتبہ بغداد جانے کے مواقع حاصل ہوئے۔ اسکی عمر کے ۸۴ سال میں اس کو ایک ناگہانی حادثہ پیش آیا۔ مکہ میں اس کے گھر کی چھت اس پر گری جس سے اسکی گردن کی ہڈی اور ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ اس حادثہ سے دو روز بعد ۲۰ اکتوبر ۸۷۵ء کو اس کی موت واقع ہوئی۔ اس نے قریش کے نسبیات پر ایک بہت اچھی کتاب لکھی ہے۔ جس کے مخطوطے بوڈلین لائبریری میں موجود ہے۔ اس کی تصانیف میں تاریخی حکایات کا ایک مجموعہ بھی ہے جس کا نام "موفقیات" ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس نے یہ کتاب خلیفہ متوکل کے فرزند الموفق کی تعلیم و تربیت کی غرض سے لکھی تھی۔ اس کتاب کے انیس حصے ہیں جن میں سے آخری تین حصے گوٹنجن کے کتب خانے میں موجود ہیں۔

البلاذری (احمد ابن یحییٰ) ایرانی النسل ہے۔ یہ المتوکل باللہ کے دربار سے متوسل تھا۔ اس کی وسعتِ نظر اور صحتِ روایت مسلم ہے۔ اس نے حالت دیوانگی میں بھلادیں کے تیل کی ایک بڑی مقدار پی لی تھی اور یہی اسکی موت کا سبب ہوا۔ چونکہ بھلادیں کو بلاذر کہتے ہیں اسی لئے عرف عام میں وہ بلاذری مشہور ہو گیا۔ اس کی دو کتابیں بہت مشہور ہیں۔ ایک فتوح البلدان دوسری انساب الاشراف۔ پہلی کتاب میں بلادِ اسلامیہ کے حالات ہیں دوسری کتاب تذکرہ کی طرح ہے۔ بلاذری نے کئی فارسی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ لیکن ان میں سے صرف ایک کتاب عہدار دشیر بابکان کا نام فہرست میں ملتا ہے۔ بلاذری نے ۸۹۲ء میں وفات پائی۔

ایک بہت بڑے مورخ طبری (محمد ابن جریر) ہیں یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ اور ان کا شمار مجتہدین میں ہوتا ہے۔ یہ بھی ایرانی النسل ہیں۔ طبرستان کے ایک شہر امول میں پیدا ہوئے۔ مصر، شام اور عراق کا سفر کیا۔ بغداد میں وہ حدیث و فقہ پڑھایا کرتے تھے۔ پہلے پہل آپ نے شافعی فقہ کی پیروی کی۔ اس کے بعد آپ نے فقہ میں ایک جدید مکتب خیال کی اشاعت کی کوشش کی لیکن اس میں وہ ناکام رہے۔ اسی زمانے میں انھوں نے ایک کتاب تہذیب الآثار لکھی جس کا نسخہ قسطنطنیہ کے کتب خانے (محمد پاشا) میں موجود ہے۔ قرآن کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ بعد میں جس کے فارسی اور ترکی ترجمے بھی ہوئے۔ طبری کی اہم تصنیف ان کی تاریخ ہے۔ جو آفرینش عالم سے ۹۱۴ء تک کے حالات پر حاوی ہے۔ یہ کتاب لندن میں چھپ چکی ہے۔ اس کے فارسی و ترکی ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ بعد میں فرانسیسی اور لاطینی میں بھی اس کے ترجمے کئے گئے۔ یہ بہت ضخیم تاریخ ہے جو تیرہ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ طبری کو تصنیف و تالیف کی بڑی زبردست قوت حاصل تھی چنانچہ یہ چالیس سال تک روزانہ چالیس ورق کے حساب سے لکھتے رہے تھے۔ طبری ۸۳۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۶ اکتوبر ۹۲۳ء کو بمقام بغداد وفات پائی۔
(اس تاریخ کا اردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے)

اسولی (ابوبکر محمد بن یحییٰ) یہ جرجان کے ایک ترکی

شہزادے سبکتگین کی اولاد سے ہے۔ اصل میں آتش پرست تھا بعد میں اسلام قبول کیا۔ یہ خلیفہ مکتفی اور خلیفہ مقتدر کے دربار میں سے متوسل رہا ہے۔ شطرنج اچھی کھیلتا تھا حضرت علی کے اخلاف کے متعلق ان کے خیال سے عوام میں برہمی پیدا ہوگئی تھی اس لئے وہ بغداد سے بصرہ میں چلا آیا اور یہیں ۹۴۶ء میں وفات پائی۔ اس نے عرب شعراء کا ایک بہت اچھا تذکرہ لکھا ہے۔ ابوتمام، ابونواس اور البحتری وغیرہ کے حالات اور انکی شاعری پر مستقل رسالے لکھے ہیں اس نے عباسیوں کے متعلق ایک تاریخ بھی لکھی ہے۔ اور اس خاندان کے شعراء کا حال بھی درج کیا ہے۔ یہ کتاب قاہرہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔

مسعودی (ابوالحسن علی بن حسین) یہ ایک بہت بڑا مورخ ہے۔ اسلام میں اسکا جواب نہیں۔ اقوام عالم، تاریخ کے موضوع پر اسکو بڑا عبور تھا۔ ادبیات، جغرافیہ تاریخ اور فلسفہ کا بہت بڑا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ مسعودی کا سلسلۂ نسب ایک صحابی رسول تک پہنچتا ہے۔ بغداد میں پیدا ہوا۔ اس نے اکثر ممالک کا سفر کیا۔ ۹۱۵ء میں ایران آیا یہاں سے ہندوستان روانہ ہوا۔ ہندوستان میں اس نے ملتان منصورہ کی بھی سیاحت کی اور دکن کی راہ سے لنکا چلا گیا۔ بحر چین سے ہوتا ہوا بحیرۂ احمر پہنچا۔ عمان کے راستے سے عربستان واپس ہوا۔ بحر کیسپین، شام اور فلسطین، انطاکیہ، سلیشیا ہوتا ہوا دمشق چلا گیا۔ اپنی زندگی کے آخری سال اس نے کچھ تو مصر میں اور کچھ شام میں گزارے ۹۴۳ء اور ۹۵۵ء میں وہ قاہرہ کے قدیم شہر میں تھا۔ غالباً اس نے ۹۵۶ء یا ۹۵۷ء میں انتقال کیا۔ اس نے اپنی تحقیقات کو مسلم تاریخ کے سوا ہندو، پارسی، رومن، یہودی اور عیسائیوں کی تاریخ تک وسعت دی اسکی بڑی اور اہم تاریخ اخبار الزمان ہے جو تیس جلدوں میں ہے۔ اس کی صرف ایک جلد وائنا میں ہے۔ کتاب الاوسط اس تاریخ کا اقتباس ہے۔ اس وقت مسعودی کی صرف دو کتابیں پائی جاتی ہیں ایک مروج الذہب اور دوسری تنبیہ الاشراف۔ دوسری کتابیں ناپید ہیں۔ یہ کتابیں منتشر مضامین اور تاریخی حکایات کے مجموعے ہیں۔ دونوں کتابیں یورپ اور مصر میں چھپ گئیں ہیں۔ انکا فرانسیسی زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ آخرالذکر کا ترجمہ بیرن کراڈی ڈی وکس نے فرانسیسی میں کیا ہے۔

حمزہ ابن حسن اصفہانی یہ ایرانی النسل ہے۔ اس نے اپنی تاریخی تصانیف میں اپنے ملک کے خیالی اور من گھڑت افسانے داخل کئے ہیں۔ اسکا تعلق فرقہ شعوبیہ سے تھا ایرانی نام عربی میں آکر جو مسخ ہو گئے ہیں ان کی درستی املا پر ایک کتاب لکھی ہے۔ وہ دسویں صدی کے اوائل میں غالباً بغداد میں مقیم تھا۔ اس کی تاریخ کا لاطینی ترجمہ سینٹ پیٹرس برگ (اب لینن گراڈ) میں چھپا ہے۔ ضرب الامثال پر اس کی ایک کتاب ہے جس کا نسخہ میونخ لائبریری میں موجود ہے۔ ایک کتاب میں اس نے ایرانیوں اور عربوں کا تقابل کیا ہے۔

باقی آئندہ

سید محمد گیسو دراز

جناب سید محمد توقیر علی صاحب

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ علم ظاہر و باطن کے مالک تھے۔ پیر کے فرمان پر دہلی سے دکن آئے سب چھوٹے بڑوں کی نظروں میں مقبول ہوئے۔ ۸۲۵ھ میں دنیا کی تنگی سے نجات پائی۔ قبر گلبرگہ شریف (دکن) میں ہے

آپ کا نام نامی محمد اور لقب صدر الدین ابو الفتح تھا اور سلسلۂ نسب حضرت امام حسین ابن علی تک پہنچتا ہے آپ کے والد ماجد کا اسم مبارک یوسف بن علی تھا۔ سیر محمدی میں آپکا مسلسل سلسلۂ نسب درج ہے۔

آپکا خاندان سلطان محمد تغلق کے زمانے میں دہلی سے منتقل ہوکر دولت آباد (ضلع اورنگ آباد) میں آباد ہوا آپ کے والد ماجد حضرت سید یوسف حسینی اپنے خاندان کو لیکر ۷۲۵ھ میں دکن آئے اور خلد ہائے الورہ کے اوپر قیام فرمایا۔ اور بعد میں وہیں دفن ہوئے۔ آپ کو حضرت سلطان نظام الدین اولیا قدس سرہٗ العزیز سے شرف بیعت حاصل تھا۔ کاتب الحروف کو وہاں حاضری دینے اور فاتحہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

میر محمد علی سامانی سیر محمدی میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باکرامت دہلی میں چوتھی رجب المرجب ۷۲۱ھ کو ہوئی۔ لطائف اشرفی سے اور تاریخ خاندانِ محمد و ملفوظات (مرتبہ قاضی علم الدین تہرگوامی) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس حساب سے آپکی کل عمر ایک سو چار برس اور انیس یوم ہوئی۔ آپ کی وفات کی تاریخ ۱۶ ذلیقعدہ ۸۲۵ھ مطابق ۱۴۲۲ء تھی اور "مخدوم دین و دنیا" مادۂ تاریخ رحلت ہے۔ خواجہ صاحب ابھی صرف چار ہی سال کے تھے کہ اپنے والدین کے ساتھ دہلی سے دولت آباد (دکن) تشریف لائے۔ آپکے ایک بڑے بھائی صاحب سید حسین عرف سید چندن حسینی تھے۔ خواجہ صاحب کے والد ماجد نے ۷۳۲ھ یا ۷۳۳ھ میں دولت آباد میں انتقال کیا۔ والدۂ ماجدہ چند سال اور یہاں رہیں آپ کے ماموں سید ابراہیم سلطنت بہمنیہ میں مستوفی الملک تھے۔ کچھ عرصے کے بعد بھائی بہن میں کشیدگی ہوگئی، اور بہن اپنے بچوں کو لیکر واپس دہلی آگئیں۔ اس وقت خواجہ صاحب کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ دہلی میں اس زمانے میں خواجہ نصیر الدین اودھی چراغ دہلی کا آستانۂ مبارک طالبان حق کیلئے قبلہ گاہِ عالم بنا ہوا تھا۔ جو حضرت سلطان نظام الدین اولیا کے بعد مسند آرائے رشد و ارشاد ہوئے تھے۔

تاریخ حبیبی میں یہ تفصیل بھی لکھی ہے کہ ترکوں کے دہلی فتح کرنے کے قبل خواجہ صاحب کے بارہویں پردادا کے دادا حضرت سید ابو الحسن جنیدی خراسان سے آئے، کافروں نے جہاد کیا اور یہیں شہید ہوئے۔ خواجہ صاحب کے زمانے تک آپکی قبر دہلی میں موجود تھی۔ خواجہ صاحب بڑے ہوئے تو دہلی میں مولانا امام ہمام تاج الدین سے کافیہ کا ایک جزو پڑھا۔

(تاریخ حبیبی در سرا باب) پھر حضرت قاضی مقتدر سے پڑھنا شروع کیا اور اسکی شرح اور معقول کی بعض کتابیں اور کشاف بھی آپ ہی سے پڑھیں۔ میر علی سامانی سیر محمدی میں لکھتے ہیں کہ آپ نے کچھ کتابیں حضرت سید شرف الدین کیتھلی سے بھی پڑھیں اور کم سنی ہی میں قرآن پاک حفظ فرمایا۔ اور سولھویں سال میں آپ نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلی سے بیعت کی۔

آپ کے صاحبزادے سید محمد اکبر حسینی جوامع الکلم (صفحہ ۴۴) میں آپ ہی کی زبانی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک صوفی حضرت بندگی خواجہ نصیر الدین محمود کے پاس روتا ہوا آیا اور حضوری میں بیٹھ گیا اور برابر روتا رہا۔ حضرت شیخ نے فرمایا تم کیوں رو رہے ہو؟ اس نے اپنا مدعا ظاہر کیا۔ بندگی خواجہ کو اس کی بات سن کر اس قدر ذوق و شوق پیدا ہوا کہ اس کی حد نہیں۔ حضرت نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ابھی تمہاری تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ جب تک یہ سلسلہ جاری ہے تمہارا مطلب حاصل نہ ہوگا۔ جب تعلیم سے فارغ ہو جاؤ گے تو سب مل جائے گا۔ مولف جوامع الکلم لکھتے ہیں کہ یہ حکایت خود بندگی مخدوم کی تھی۔ آپ نے بطریق غائب بیان فرمائی۔

بالآخر جب خواجہ صاحب تعلیم سے فارغ ہوئے تو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے مجاہدے، ذکر، ریاضت اور مراقبے کی تعلیم فرمائی اور اب آپکی باطنی تربیت شروع ہوئی۔ اس کا حال خود آپ کی زبانی مولف جوامع الکلم نے تحریر کیا ہے۔

ایک دفعہ پیرو مرشد نے فرمایا کہ تم بے وقت آیا کرتے ہو میں اس وقت خوش دل نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے کچھ بات چیت کروں۔ میں اس زمانے میں پندرہ سولہ کا تھا۔ یہ سن کر متحیر رہ گیا اور اپنے دل میں کہا سبحان اللہ خواجہ کو مطلوب ہے کہ مجھ سے کلام فرمائیں۔ زہے دولت۔

حضرت آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ بعض دفعہ ایسا ہوا ہے کہ رات کے کھانے پر جب دسترخوان بچھتا تو حضرت شیخ آپ کو مولانا برہان الدین بجنوری کے بعد جو یاران قدیم سے تھے اپنے قریب جگہ دیتے۔ حضرت کے سامنے تین طباق مزید رکھے جاتے تھے۔ جن میں سے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ ایک مجھے عطا فرماتے ایک میرے بعد قاضی عبدالمقتدر کو اور تیسرا طبق نوکروں کے ہاتھ کہیں بھجوایا کرتے۔"

سید محمد سامانی لکھتے ہیں کہ جب حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ پر شغلِ حق کی لذت زیادہ غالب ہوئی تو گھر میں تنہائی و فراغت نہ ملنے کی وجہ سے آپ نے دہلی کے حصے جہاں پناہ میں شیر خاں کے خطیرہ میں ایک جگہ مقرر کر لی جہاں ایک حجرہ میں دس برس آپ مشغول بحق رہے۔ وہیں سے آپ قاضی مقتدر کی خدمت میں سبق پڑھنے جاتے اور جب واپس ہوتے تو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پابوسی کیلئے حاضر ہوتے اور باطنی تعلیم کا سبق لیتے۔ ایک دفعہ آپ نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علوم ظاہری اب پڑھنا چھوڑ دوں جس قدر حاصل ہو گیا ہے وہ کافی ہے۔ آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ تم سے ہمیں کام لینا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ آپکو تصنیف و تالیف کا بھی کام کرنا ہوگا۔ سلسلہ بزرگان چشت میں یہ کام کسی نے نہیں کیا تھا اور سب مجتنب رہے تھے۔ مگر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے لئے یہ

مخصوص ہوا۔ جب آپ نے ہدایہ بزودی، رسالہ شمسیہ، کشاف اور مفتاح وغیرہ کتابیں تمام کرلیں تو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ بہت خوش ہوئے اور آپ یکسو ہوکر ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوگئے۔ اس شغل میں جو مکاشفات وتجلیات ہوئیں آپ حضرت سے بیان فرماتے جنھیں سن کر حضرت شیخ کبھی کبھی فرماتے کہ ستر برس کے بعد اس لڑکے نے میرے اپنے زمانے کے واقعات یاد دلاکر ایک شوریدگی مجھ میں پیدا کردی۔

حضرت شیخ الاسلام نصیر الدین قدس سرہٗ آپ پر اس قدر مہربان تھے کہ ایک دفعہ ایک صاحب کی وفات پر فاتحہ خوانی کے بعد جب واپس ہوئے تو فرمایا سید محمد کہاں مشغول رہا کرتے ہیں۔ آؤ وہاں چلیں۔ وہاں سے آپ خطیرہ شیخاں (جہاں پناہ دہلی) میں تشریف لائے۔ کچھ روپے بھی خواجہ کے سامنے بطور نذر کئے۔ ان کی اس توجہ اور تعظیم وتکریم کے بعد خواجہ صاحب کا نام بہت مشہور ہوا۔ جب آپ کی عمر تیس برس سے متجاوز ہوئی تو زیادہ وقت صحرا اور خلوت میں گذارتے۔ اور مخلوق خدا سے بالکل تعلق منقطع کرلیا۔ یہ تعلیم وتربیت کا زمانہ تھا جس میں یکسوئی ایسے عارضی قطع تعلق کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہر فن کے تحصیل میں ایسی یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے خواہ دنیاوی ہو یا دینوی۔ آپ کی والدہ ماجدہ اس مشغول سے سخت ناخوش تھیں۔ خواجہ صاحب نے جب اسکا ذکر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے کیا تو انھوں نے ایک جانماز آپ کی والدہ کے لئے دی اور کہلا بھیجا کہ "جیسی آپ ان کی نسبی ماں ہیں میں انکا دینی باپ ہوں جس طرح آپ کے حکم کی تعمیل لازمی ہے۔ اسی طرح میری تعلیم کی تکمیل بھی لازمی ہے"۔

غرضیکہ جب آپ نے یہ جانماز ان کو دی تو وہ ہائے ہائے کرکے رونے لگیں اور کہنے لگیں "میں جانتی ہوں کہ شیخ نے یہ جانماز اس لئے مجھے بھیجی ہے کہ میں تجھے ترک کر بیٹھوں اب تمہیں آئندہ نہ روکوں گی جو حضرت شیخ فرمائیں اس پر عمل کرو۔ (جوامع الکلم، رمضان ۸۰۳ھ)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ بیمار ہوئے۔ مجھ سے فرمایا کہ میری صحت کیلئے خدا سے دعا کرو۔ میں نے تعمیل حکم کی اور عرض کیا حضور کو صحت ہوگی۔ آپ اس بیماری میں بہت کمزور ہوگئے تھے۔ میں اپنا دامن پھیلا کر سامنے کھڑا ہوگیا۔ آپ نے خلاف عادت فرمایا "کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا "میری تمنا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے حضور ہی کی حیات میں دنیا سے اٹھالے"۔ آپ نے سر جھکالیا اور تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ "مجھے بھی ایسی ہی آرزو تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے میرے خواجہ کو پہلے اٹھالیا" حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ مگر دن بھر اس اندوہ میں رہا کہ ایک روز حضرت ہم سے جدا ہوجائیں گے۔ اور آپ کے فراق کا شربت مجھے چکھنا پڑے گا۔

خواجہ صاحب بیس برس کامل اپنے شیخ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر رہے (سیر محمدی) ۱۵ر رمضان المبارک ۷۵۷ھ یوم سہ شنبہ کو حضرت شیخ السلام نصیر الدین چراغ دہلی بیمار ہوئے اور اٹھارہویں رمضان کی شب کو جو جمعہ کی شب تھی عشاء کے وقت آپ نے رحلت فرمائی۔

آپ نے اسی علالت کے زمانے میں چند خاص مریدوں کو خلافت عطا فرمائی اور لوگوں کو ہدایت کرنے اور راہ حق بتانے کی اجازت دی۔ ان میں سب سے زیادہ ممتاز نام حضرت سید محمد خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا تھا۔ جوامع الکلم میں ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی نعمت چار شخصوں میں تقسیم ہوئی۔ جن میں ایک حضرت خواجہ صاحب تھے اور دوسرے تین میں ایک عورت اور ایک صندوق ساز اور ایک کمہار تھا۔

جس وقت آپ مسند خلافت پر رشد و ارشاد کیلئے متمکن ہوئے آپ کی عمر صرف سینتیس سال تھی اور بڑی مدت یعنی ۸۰۱ھ تک دہلی ہی میں لوگوں کو ہدایت فرماتے رہے۔

چالیس سال کی عمر میں آپ کی والدہ ماجدہ نے آپکی شادی سید احمد پسر مولانا جمال الدین مغربی کی لڑکی سے کی۔ جن کا نام بی بی رضا خاتون تھا۔ ان کے بطن مبارک سے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ فقہ میں حنفی المشرب تھے۔ چنانچہ جوامع الکلم میں کئی جگہ آیا ہے اور اپنی کتاب "خاتمہ آداب المریدین" میں صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ میں حنفی ہوں اور فقہ حنفی کی پابندی کرتا ہوں۔ شرح فقہ اکبر کے شروع میں آپ فرماتے ہیں کہ "امام اعظم استاذ ائمہ اور سراج الائمہ اور تابعین میں سے تھے آوان صبا سے عبادت میں مشغول اور زہد میں مستغرق رہے" فقہ اکبر کی شرح خواجہ صاحب نے تبرکاً و تیمناً لکھی۔ اسی میں صراحت کرتے ہیں کہ محمد حسینی کہتا ہے کہ مسلمانوں کو اس قدر ضرور جاننا چاہئے کہ صحابہ میں اول ابوبکر صدیق پھر عمر فاروق پھر عثمان غنی اور پھر علی رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کے بعد باقی عشرہ مبشرہ ہیں۔

دہلی سے جب آپ نے سفر کیا تو آپ کا سن شریف اسی سال کا ہو چکا تھا۔ شہر سے آپ ۷ ربیع الاول ۸۰۱ھ کو روانہ ہوئے اسی وقت امیر تیمور دہلی میں داخل ہوا۔ آپ بہلیہ دروازے سے شہر پناہ کے باہر آئے۔ اس وقت مصنف سیر محمدی آپ کے ہمرکاب تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دہلی سے آپ بہادر پور پہونچے وہاں آپ چند روز رہے اور لوگوں کو رشد و ارشاد فرماتے رہے پھر وہاں سے اسی سال گوالیار کا ارادہ کیا جہاں مغلوں کی یورش سے دس سال قبل آپ کے مرید مولانا علاؤ الدین کالپوری سکونت پذیر تھے۔ انھیں آپ نے لکھا کہ ہم دہلی سے حادثہ کی وجہ سے باہر نکلے ہیں اور گوالیار آنے کا قصد ہے۔ تم فلاں مقام تک آجاؤ۔ دو دن بعد آپ گوالیار پہونچے جہاں مولانا علاؤ الدین نے بہت اہتمام کیا تھا اور اپنا اور اپنے تمام خاندان کے لوگوں کے نام لکھ کر پیش کئے تھے کہ یہ سب حضور کے غلام ہیں اور دیگر تمام مویشی، گھر کا غلہ، زر نقد اور کتابیں پیش کر دیں۔ آپ نے کچھ زر نقد اور چند کتابیں، غلہ اور گھوڑے قبول فرمائے اور مولانا کو سینے سے لگا کر فرمایا کہ تمہاری اولاد میری اولاد ہے۔ آپ وہاں سے ۱۱ جمادی الآخر کو مولانا علاؤ الدین کو خرقۂ خلافت عطا فرما کر آگے روانہ ہوئے۔ چندیری کے مقام پر آپ نے قاضی خواجگی وغیرہ بہت سے عوام

دخواص کو داخل سلسلہ فرماکر رشد وہدایت فرمائیں اور وہاں سے دھار ہوتے ہوئے بڑودہ تشریف لائے یہاں آپ عیدالفطر ۸۰۳ھ کی رات کو پہونچے۔ حاکم شہر آدم خاں اور ان کے لڑکوں نے اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بہت خاطر مدارات کی۔ ذیقعدہ تک آپ نے یہاں قیام فرمایا پھر آگے کا قصد فرمایا۔ ظفر خاں نے زادِ راہ کا اہتمام کیا۔ گجرات میں پھر چند روز شہر کھمبائت میں قیام فرماکر بڑودہ واپس ہوئے اور سلطان پور ہوتے ہوئے دولت آباد پہنچے جہاں آپ کے والد ماجد کا مزار تھا اس زمانہ میں فتح آباد عرف دیوگری کا حاکم فیروز شاہ بہمنی کی طرف سے عضد الملک تھا اس نے بادشاہ کی طرف سے نذرانہ گذرایا۔

حضرت خواجہ نے ۸۱۴ھ یا اوائل ۸۱۵ھ (دیکھو اردو ترجمہ تاریخ حبیبی صفحہ ۹۱) میں دیوگری سے دارالسلطنت احسن آباد گلبرگہ کا قصد فرمایا۔ اور یہیں توطن اختیار فرمایا۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی نے دو گاؤں "منہلی" اور "انبو" گلبرگہ کے قریب ہی خانقاہ کے خرچ کیلئے پیش کئے مگر حضرت نے قبول نہیں کئے اور کہاکہ ہمارے مشائخ نے ایسی نذریں قبول نہیں کیں۔ آپ کے باورچی خانے کا سارا خرچ اس نذرانے سے چلتا تھا جو لوگ اپنے شوق سے عقیدۃً آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

گلبرگہ میں آپ کا آستانہ بہت جلد عام وخواص کا مرجع بن گیا۔ عوام وخواص دور دور سے آتے اور آپ سے فیض حاصل کرتے۔ آپ کا مشرب محبت وعشق حقیقی کا تھا۔ دکنی ماحول پر اس کا بہت اثر پڑا۔ گجرات کے چند مریدوں کو آپ لکھتے ہیں کہ "اے عزیز! معرفت ومحبت الٰہی" کا خم جوش مار رہا ہے اور راستے چلنے والوں کیلئے رہگذر پر سبیل لگادی گئی ہے اور ساقی غیب ہاتھ میں قدح لے کر بلند آواز سے صدا دے رہا ہے کہ "حی علی الروح والریحان۔ حی علی الذوق والوجدان" لوگو آؤ رحمت اور ذوق الٰہی اور وجدان لامتناہی کے پیالے پیو۔"

اسی طرح ایک دوسرے خط میں آپ لکھتے ہیں کہ "اے عزیز! محبت الٰہی ایک گلزار ہے۔ اگر ہوسکے تو اس میں سے کچھ پھول چن لو۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں موت نہ آجائے اور اس گلزار کی خوشبو سے تمہارا دماغ خالی رہ جائے۔ اٹھو! بیدار ہو، کچھ کام کرلو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی بیکار ہوجاؤں۔ جہانتک ہوسکے اس جہان فانی سے وداع ہونے سے قبل کچھ حاصل کرلو۔"

یہ صدائے عام تھی اور ہندو مسلمان سب کے کانوں تک پہنچی اور دلوں میں اتر گئی۔ ہندوؤں کا یہ عالم ہواکہ جب ان سے کہا جاتا کہ اپنے دیوتا کی قسم کھاؤ تو وہ حضرت خواجہ کے نام کی قسم کھاتے تھے۔ صدیوں کے بعد علامہ غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ دکن میں ہر ایک کی زبان پر خواجہ صاحب ہی کا نام ہے اور لوگ خدائے عزوجل کو اتنا نہیں جانتے اور اتنا نہیں پکارتے جتنا کہ خواجہ صاحب کو۔

سماع میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ مزامیر کے ساتھ سماعت نہ فرماتے تھے۔ ایک محفوظ مقام عود اور خوشبوؤں سے معطر کیا جاتا اور وہاں ایک لطیف فرش بچھایا جاتا۔ صرف خاص خاص مریدوں کو شریک جلسہ ہونے کی اجازت ملتی

مطرب شروع کرتے۔ ان کے پاس سوائے قول اور دف کچھ نہ ہوتا۔ عربی فارسی کے اشعار غزل و ابیات اور کبھی کبھی ہندی گاتے سنتے تمکین سے بیٹھ کر سنتے اور واردات کے غلبہ کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے۔ کبھی کبھی وجد (چرخ و گردش) بھی کرتے مگر بہت کم۔ تاریخ حبیبی میں یہ ایک ہندی شعر بھی نمونتہً لکھا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس زمانے میں عوام کی زبان کیا تھی ؎

پچھلی رات جبی کے تھکے یار چار بوڈھول پرانا ٹوکرہ رہ گھر چلی نا

یعنی پچھلی رات ہوئی اور چاروں یار تھک گئے۔ ڈھول بجتے بجتے پھٹ گیا۔ اور معشوقہ اپنے گھر چلی گئی۔ یہ کیفیتیں عاشقانہ اور دردمندانہ ہوتیں۔ سماع میں دونوں مخدوم زادے بھی شریک ہوتے۔ حضرت شیخ حجرہ کے اندر تشریف رکھتے اور وہیں سے بیٹھے بیٹھے سنتے۔ اگر کبھی باہر آجاتے تو آپ کے بھتیجے سید احمد نہایت ادب سے آپ کو پھر حجرہ میں لے جاتے۔

آپ علمائے وقت کا ہی لباس پہنتے۔ "تابرافی" گرمیوں کا لباس تھا اور بارش و سرما میں بارانی پہن کر تشریف فرما ہوتے۔ دستار مبارک پانچ گز کی ہوتی صرف عیدین اور جمعہ کو "چندری" کے ایک پارچہ کی دستار باندھتے۔ آپ نے لال رنگ اور اسی طرح چست اور میلا لباس کبھی نہیں پہنا فرماتے ہیں کہ "گو مجھے دستار طریقہ باندھنا آتی تھی مگر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی حیات میں اس کی جرأت نہ ہوئی۔ اور آپ کی حیات مبارک میں میں نے کوئی تصنیف بھی نہیں کی۔ ڈرتا تھا کہ مبادا شیخ کے علم میں آجائے اور ان کے دل میں کیا خیال آجائے۔ جب حضرت کا وصال ہوگیا تو میری زبان کھلی اور تصنیف کیلئے قلم اٹھایا اور طریقہ کی دستار سر پر باندھی"

"جوامع الکلم"

مؤلف تاریخ حبیبی لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب قدس سرہ العزیز کو پہلے تصنیف و تالیف سے انکار رہا لیکن جب آپ مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے تو درس دینا شروع کیا۔ بعض طالب علموں اور مرشدوں نے اصرار کیا کہ حضور کچھ تحریر فرمائیں۔ پہلے آپنے کچھ کتابیں املا کروائیں جو کتابیں آپ نے دہلی میں یا وہاں سے روانگی کے بعد سفر میں لکھائیں ان میں ایک تفسیر اور ایک رسالہ مسائل صرف و نحو اور معنی و بیان میں ہے آپ قرآن پاک کی تفسیر صرف ایک جلد میں لکھنا چاہتے تھے۔ مگر صرف پانچ پاروں کی تفسیر ہوئی تھی کہ تیموری حملے کے ہنگامے سے وقفہ پڑ گیا اور آپ نے دہلی چھوڑ کر دکن کا سفر اختیار فرمایا آپ نے تفسیر کشاف پر حاشیے لکھے اور مشارق پر کچھ اشارات تالیف فرمائے۔ یہ سب بڑودہ میں املا فرمائے تھے۔ یہاں آپ نے ایک رسالہ "رایت ربی فی احسن صورۃ" کی تفسیر میں بھی لکھایا نیز شجرۂ نسب جس کے لئے آپ کو کچھ اور بزرگ کتابیں پڑھنی پڑیں۔ آپ نے رسالہ قشیریہ کی ایک شرح فارسی میں اور عوارف المعارف کی ایک شرح معارف العوارف لکھی پھر ناقدانہ اسلوب پر فصوص الحکم کی ایک شرح املا کرائی ایک خلافت نامہ بھی لکھوایا۔ جب آپ گلبرگہ تشریف لائے تو ایک رسالہ "ہست و بود و باشد" لکھا۔ اور شیخ زادہ محی الدین کے تقاضے پر شیخ ابن العربی کے ایک رسالے کا ترجمہ کیا نیز ایک رسالہ "استقامت شریعت بطریقۃ الحقیقۃ" لکھا۔

عالم مثال کی جھلکیاں

جناب الحاج صوفی عبدالرب صاحب کیفؔ

(۱) عالم مثال کی جھلکیاں ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھی جاسکتیں۔ ان کے دیکھنے کو چشم مکاشفہ کی ضرورت ہے جو سب کو میسر نہیں۔ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ عالم مثال ہے کیا؟

(۲) عالم مثالی ایک ایسا عالم ہے جس کے متعلق عوام کی معلومات بمنزلہ صفر ہیں۔ علماء شریعت بھی اس کے متعلق بہت کم بیان فرماتے ہیں کیونکہ وہ اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتے گو اس عالم کی موجودگی کے قائل ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ احکام شریعت کی پابندی کریں اور جو شخص خلاف ورزی کرے اسکو سزا دی جائے یا کم از کم اس کی سزا جو آخرت میں ملیگی اس سے اسے آگاہ کیا جائے۔ انکا کام مثل محکمہ پولس اور عدالت کے ہے پولس یا عدالت کو اس سے سروکار نہیں ہوتا کہ کوئی قانون بنائے جانے میں گورنمنٹ کی کیا مصلحت ہے وہ بنائے ہوئے قانون پر عوام کو چلاتے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دلاتے ہیں لہذا علمائے کرام نے اس عالم کے متعلق لکھا بھی بہت کم اور کہا بھی بہت کم۔ چونکہ یہ مسئلہ طریقت ہے اور درویشوں سے تعلق رکھتا ہے لہذا صوفیائے کرام نے اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن انکی تصنیفات و تالیفات فارسی و عربی زبان میں ہیں۔ اور ان زبانوں سے دلچسپی رکھنے والے ہندوستان میں دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں ـــــ ایک تیسرا طبقہ اہل منطق فلسفہ اور سائنس کا ہے جو اس عالم کی موجودگی کا قائل ہی نہیں ہے۔

(۳) عالم مثالی ایک نوری عالم ہے جسے مالک ارض و سما نے عالم اجسام (دنیا) اور عالم ارواح کے درمیان بطور برزخ بنایا ہے۔ یہ عالم نہایت لطیف ہے یہاں تک کہ جو چیزیں عالم اجسام میں نظر آتی ہیں انکی نظیر یعنی مثال یا عکس عالم مثال میں پایا جاتا ہے۔

صوفیائے کرام و قلندران عظام خانقاہ کاکوری شریف نے اپنی نادر تصنیف و تالیف "روض الازہر فی مآثر القلندر" عرف الکوثر دمواہب قلندر میں فرمایا ہے کہ وجود عالم مثال قرآن و حدیث و اقوال اساطین (ستونہا) حکمت و شہود ارباب کشف سے ثابت ہے۔ بعض متکلمین کا انکار ان کے قصور ادراک اور نارسائی کے وجہ سے ہے۔ تفصیلی معلومات کے لئے کلام شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ و شیخ بزرگ صدرالدین قونیوی و شارحین کلام ایں حضرات مثلاً کاشانی و قیصری وغیرہ دیکھنا چاہیئے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو کچھ عجائب و غرائب و فسحت (کشادگی) و وسعت اس عالم کی اپنے مشائخ سے جو جامع علوم عقلیہ و نقلیہ و کشفیہ گذرے ہیں دیکھی اور سنی ہیں اگر لکھی جائیں تو ایک بڑی کتاب بن جائے۔ کتاب مذکورہ بالا میں مرقوم ہے

کہ شیخ داؤد قیصری مقدمہ شرح فصوص الحکم میں فرماتے ہیں کہ عالم مثال جوہر نورانی سے اسطرح مرکب ہے کہ جوہر جسمانی سے مشابہ ہے یعنی جو مقدار (Quantity) رکھتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور جوہر مجرد عقلی سے بھی مشابہ ہے کیونکہ خود نورانی ہے لیکن نہ وہ مادہ سے بنا ہے نہ جوہر مجرد عقلی ہے کیونکہ وہ برزخ ہے اور ان دونوں کے درمیان حد فاصل ہے۔ جو برزخ درمیان دو چیزوں کے ہو اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ ان دو چیزوں سے غیر ہو۔ عالم مثال کی دو جہتیں ہیں یعنی اس کی مشابہت دونوں جوہروں کی طرف ہے گو وہ دونوں سے غیر ہے۔

کتاب مذکور میں مجملاً اقوال صوفیہ اشارۃً درج فرماتے ہیں لکھتے ہیں کہ قاضی حسین میبذی فواتح میں لکھتے ہیں کہ صوفیہ کہتے ہیں کہ عالم اجسام اور عالم ارواح کے درمیان برزخ ہے جو دونوں عالم پر مشتمل ہے۔ عالم اجسام پر یوں کہ جو صورتیں عالم اجسام میں ہیں انکی شبیہ (برزخ) میں اس حیثیت سے ہے کہ محسوس مقداری ہے اور عالم ارواح سے اس حیثیت سے کہ نورانی ہے۔ اس عالم کو عالم مثال وخیال منفصل وارض حقیقت کہتے ہیں۔ محقق کاشی شرح فصوص میں بحوالہ متقدمین کہتے ہیں کہ عالم وجود عالم مقداری ہے اور اسکا غیر عالم حسی ہے کہ جسکی انتہا نہیں ہے اور اسکے عجائب شمار سے باہر ہیں۔

(۴) متاخرین میں حضرت فخر العارفین مولانا عبدالحیٔ صاحب چٹگامی نے جو نہ صرف عالم تھے بلکہ کامل صوفی بھی تھے۔ اپنے ارشادات عالیہ میں عالم مثال کے وجود کو مانا تھا ان ارشادات کو آپکے مریدوں نے رسالہ راز فنا کی شکل میں شائع کیا اور اسکا انگریزی ترجمہ بھی ہوا جو میرے پاس موجود ہے۔ خلاصہ ارشادات عالی یہ ہے کہ عالم مثال ایسی جگہ ہے جہاں انسان کی نادیدہ صورت رہتی ہے۔ اور یہ صورت انسان کے عمل، خصوصیات اور قوت موثرہ کے مطابق ہوتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خدا نے عالم ارواح بنایا جس میں نہ مادہ ہے نہ مقدار نیز عالم ناسوت (دنیا) بنایا جسمیں مادہ بھی ہے اور مقدار بھی۔ لہٰذا ایک درمیانی دنیا بھی خلق کی ہے جس میں مادہ تو نہیں ہے لیکن مقدار ہے۔ یہی عالم مثال ہے۔ اس عالم مثال کا شمول عالم ملکوت سے ہے۔ مثلاً انسان کی شکل وصورت، رنگ وروپ سب کچھ آئینہ میں نظر آتا ہے لیکن اس صورت وشکل میں مادہ موجود نہیں ہوتا گو مقدار ہوتی ہے۔ یہی حال عالم مثال کی صورتوں کا ہے۔

اس بیان سے عالم مثال کی جھلک صاف نظر آتی ہے حضرت فخر العارفین نے "فنا" اور "قوت موثرہ" کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جنہیں عالم مثال پہونچنے کا ذریعہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

قوت موثرہ کے متعلق جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دو طریق سے پیدا ہوتی ہے۔ اولاً جب سالک ریاضت شاقہ مثلاً چلہ کشی وغیرہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسمائے جمالی کا وظیفہ پڑھتا ہے تو خدا اس پر ایسے فضل وکرم کی بارش کرتا ہے اور اس کے دل میں ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جس سے بے شمار کشف وکرامات کا اظہار ہوتا ہے اسی قوت کو اصطلاح میں قوت موثرہ کہتے ہیں ـــ دوسرا طریقہ قوت موثرہ کو حاصل کرنے کا یہ ہے کہ کسی درویش

یا عامل وغیرہ کی قوت موثرہ سے سالک کے دل میں قوت پیدا ہو جائے۔ اس کو ولادت معنوی کہتے ہیں نیز ولادت ثانیہ بھی کہتے ہیں۔ ولادت معنوی کسی صاحب نسبت بغیر ریاضت کے وراثتاً — اسے قوت موثرہ حاصل ہوتی ہے۔ جیسے کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد ولی عہد کو سلطنت وراثتاً مل جاتی ہے یا کوئی بادشاہ کسی کو جاگیر عطا کر دیتا ہے۔ بگر فنا ہر سالک کو حاصل نہیں ہوتی جس سالک کی قوت موثرہ ترقی کرتے کرتے فنا کے درجہ تک پہونچتی ہے اسی کو فنا حاصل ہوتی ہے۔

(۵) فنا کے سات درجے ہیں۔ ۱۔ جمادی ۲۔ نباتی ۳ حیوانی ۴۔ انسانی (یہ چار فنائیں ناسوتی کہلاتی ہیں) باقی تین فنائیں۔ ۵۔ ملکوتی۔ ۶۔ جبروتی ۷۔ اور لاہوتی کہی جاتی ہیں فنا ناسوتی۔ جب کسی سالک کے دل میں قوت موثرہ پیدا ہوتی ہے تو اولاً وہ غیب یعنی عالم مثال میں جمادانی شکل اختیار کرتی ہے۔ بعدہٗ نباتاتی شکل میں آتی ہے پھر حیوانی اور آخر کار انسانی شکل پاتی ہے جو پاک اور بغیر مادہ کے ہوتی ہے اور انسان کہی جاتی ہے اسکا مستقر عالم مثال ہوتا ہے یہ ہمیشہ رہنے والی ہوتی ولادت ثانیہ نہ صرف زندہ بلکہ پردہ کئے ہوئے مرشد سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ اگر ولادت ثانیہ زندہ پیر سے ہوئی تو جب تک پیر زندہ ہے اثر ولادت کا مرید میں بوجہ نقائص بشری فریقین پدرجہ اتم ظاہر نہیں ہوتا۔ اگر پردہ کئے ہوئے پیر سے حاصل ہوتی ہے تو اسکا اثر فوری ہوتا ہے۔ ولادت ثانیہ کے بعد ہی سالک۔ ولی قطب۔ غوث وغیرہ ہو سکتا ہے۔ نشانات ولادت ثانیہ یہ ہیں کہ سالک کا چہرہ نورانی اور چمکدار ہو جاتا ہے۔ اس کی گفتگو نہایت شیریں، پر جوش اور دلکش ہو جاتی ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے لوگ اسے معتبر سمجھتے ہیں یقین کرتے ہیں اور عزت کے ساتھ مانتے ہیں۔ اس کے دل میں ایک طاقت مقناطیسی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ دوسروں کے دلوں پر اثر ڈالتا اور انکو موہ لیتا ہے۔ بہت سی کرامات اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ عوام اسکی روحانی عظمت کو خواب میں بھی دیکھتے ہیں۔

(۶) یہ تو زندگی کی باتیں ہیں لیکن راقم الحروف ہٰذا کے خیال میں جب وہ شخص پردہ کر لیتا ہے تو اسکی روح کا تعلق اس کے صورت مثالی سے بہ مرضیٔ خدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگ پردہ کرنے کے بعد بھی اپنی اصلی شکل وصورت میں دنیا میں دیکھے گئے ہیں۔ گو حقیقت حال میں وہ اصلی صورت جسمانی نہ تھی بلکہ مثالی تھی دیکھنے والے نے اسے جسمانی سمجھا۔ اسی مثالی صورت سے وہ روح پاک باعث کشف معاملات مرید بھی ہوتی ہے۔ تعلیم اویسیہ کے متعلق حضرت فخر العارفین نے فرمایا ہے کہ "سالک کی تعلیم ارواح مقدسہ سے ہوتی ہے" یعنی اس طریق میں بھی پیر و راہبر ہیں — روح کی شکل انسانی نہیں ہوتی نہ اس کے ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں۔ لہٰذا صورت مثالی سے ہی یہ تعلیم ہوتی ہوگی۔ روح سے مراد وہ روح نہیں جسے اطبّا انسانی بدن میں ایک حرارت سے تعبیر کرتے ہیں جو غذا سے پیدا ہوتی ہے بلکہ وہ روح مراد ہے جسکے تابع حرارت طبی کا پیدا ہونا یا نہ ہونا ہے۔ قرآن مجید میں جس کو "امر ربّی" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ جب یہ قرآنی روح واپس چلی جاتی ہے تب موت واقع ہوتی ہے اور کوئی دوا یا غذا حرارت طبی پیدا نہیں کرتی۔

(۷) میرا خیال ہے کہ جب سالک کی قوت موثرہ عالم مثال

میں جماداتی شکل اختیار کرتی ہے تو دنیا میں سالک پر بھی جماداتی کیفیات مثلاً بھوک پیاس کا نہ لگنا، گرمی سردی کا اثر نہ ہونا یا بہت کم ہونا اور خاموشی طاری رہنا ظاہر ہوتی ہیں۔ جب اس کی قوت نباتاتی جامہ پہنتی ہے تو اس عالم میں سالک کی رغبت کھانے پینے کی طرف ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے بدن اور روح میں نشو و نما و بالیدگی محسوس کرتا ہے۔ جب قوت موثرہ حیوانی شکل اختیار کرتی ہے تو یہاں سالک کھاتا پیتا سیر و سیاحت کرتا ہے۔ اسی طرح جب وہ عالم غیب میں انسان ہو جاتی ہے تو یہاں بھی سالک میں پاکیزہ خصلت انسان کی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہاں کا اثر وہاں اور وہاں کا اثر یہاں ہوتا ہے۔" واللہ اعلم بالصواب"

(۸) جہانتک منکرین یا معترضین کا سوال ہے اُن سے یہ کہدینا کافی ہے کہ خداوند تعالیٰ جس نے ایسا عالم بنائے ہیں وہ "عالم مثال" بھی بنانے پر قادر ہے۔ قدرتِ خداوندی میں فلسفہ اور منطق کا دخل نہیں ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے
فخر رازی رازدارِ دیں بدے (مولانا روم)

جہاں تک سائنس کا تعلق ہے ابھی یہ علم مکمل نہیں۔ روزانہ نئی تحقیقات ہو رہی ہیں۔ سائنس والے حال ہی میں خلا کی طرف گئے ہیں۔ آئندہ کیا تحقیقات ہوتی ہیں انکا انتظار کرنا ضروری ہے۔ جس کیلئے ایک زمانہ درکار ہے۔

(۹) یہانتک تو عالم مثال کا تذکرہ رہا۔ اسکے آگے عالم ملکوت، جبروت و لاہوت ہیں۔ جہاں تک کسی مرشد کامل کے جو یہ درجات طے کر چکا ہو کسی کا گذرنا ممکن ہے۔ فی زمانہ ایسے مرشد کا ملنا بہت مشکل ہے جو یہ کہہ سکے کہ اُسنے یہ درجات طے کر لئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نیاز بریلوی نے اپنے زمانے میں اس شعر میں فرمایا ؎

من پاکبازِ عشقم ذوقِ فنا چشیدہ
آہوئے دشتِ ہویم از ماسوا رمیدہ!!

خوش قسمت ہیں وہ سالک جن کو ایسا مرشد اس زمانہ میں بھی مل جائے۔ اسی غزل کے مقطع میں فرماتے ہیں ؎

قولِ نیاز بشنو یعنی زِ خود برون شو
چون از خودی برآئی باشی خدا رسیدہ

زِ خود برون شدن سے مطلب لوازمات بشری کا فنا کرنا ہی ہے جس کے بعد عالم ملکوت و جبروت و لاہوت میں گذر ہو سکتا ہے۔ مگر خطرہ یہ ہے کہ کسی غلطی پر تنزلی نہ ہو جائے۔ لہذا پیر کامل کی ضرورت ہے جو سالک کو غلطی سے بچا رہے۔

شادی خانہ آبادی

نہایت مسرت کہ گذشتہ ماہ ۲۶ اپریل ۷۶ء کو مدیر نمائندہ کی پھوپھی زاد بہن یعنی محترم الحاج عبدالباری صاحب کی دختر نیک سیرت کی شادی بہمراہ جناب ممتاز عالم صاحب B.Sc (علیگ) پورنیہ بہار باہتمام حسن خوبی انجام پا گئی۔ ادارہ نمائندہ اپنی دلی شادمانی کا اظہار کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ رب کریم اپنے حبیب کے صدقہ میں زوجین کو ہمیشہ خیر و خرم رکھے اور راہِ اسلام پر گامزن رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ "آمین"

"ادارہ"

غزل ـــــ جناب قمر سنبھلی صاحب

جب کبھی کوئی قلم خون میں ڈوبا ہوگا
کرب تخلیق کی لذت سے بھی گذرا ہوگا
یہ بھی بازار میں اک روز تماشا ہوگا
اپنے کاندھوں پہ خود اپنا ہی جنازا ہوگا
میرے مجبور تبسم کی ملے گی کیا داد ؟
استعاروں میں وہ کب بات سمجھتا ہوگا
آخر اے دوستو! تقدیر پہ تکیہ کب تک؟
اب تو ہاتھوں کی لکیروں کو کھرچنا ہوگا
دور تک سایہ نہیں زلیست کے صحرا میں کہیں
اس کڑی دھوپ میں تنہا ہمیں جلنا ہوگا
یوں تو ملنے سے رہی تیرہ فضاؤں سے نجات
اب تو سورج کو ہتھیلی پہ اگانا ہوگا
کسکو فرصت ہے سمجھنے کی کسی کے غم کو
شہر میں کس نے مرے کرب کو جانا ہوگا
گھر کے زنداں سے قمرؔ آؤ نکل کر دیکھیں
اپنا اس شہر میں کوئی تو شناسا ہوگا

ایڈیٹر "نمائندہ" امام احمد رضا کانفرنس میں

آل انڈیا سنی لیگ بمبئی کی دعوت پر گذشتہ ماہ ۲۵؍ اپریل کو جناب سید شمیم گوہر مدیر نمائندہ بھی بمبئی تشریف لیگئے جہاں دو روزہ امام احمد رضا کانفرنس میں پوری آب و تاب کے ساتھ شرکت فرمائی۔ ان کے والد مکرم حضرت مولانا حکیم سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ بھی شریک کانفرنس رہے۔ دوسرے روز کے اجلاس میں ماہنامہ المیزان کے امام احمد رضا نمبر سے متعلق مدیر نمائندہ نے ایک بھرپور اور اعلیٰ مقالہ بھی پیش کیا جسے سامعین نے بے حد سراہا۔ دو روزہ کانفرنس کے بعد سنی لیگ کے زیر اہتمام تیسری شب کو مدیر نمائندہ نے ایک شاندار آل انڈیا مشاعرہ میں غزل بھی سنائی۔ بطور اطلاع عرض ہے کہ چند ضروری معروفیات و مسافرت کی بناء پر کانفرنس کی مکمل رپورٹ شائع نہ کی جاسکی۔ انشاء اللہ جون کے شمارے میں تفصیلی رپورٹ شائع کی جائے گی۔ ماہنامہ المیزان کے امام نمبر پر تبصرہ بھی شامل رہے گا۔

انیس حنفی (من جانب ادارہ)

نظریاتی اختلاف

مولانا عبدالمنان صاحب کلیمی مصباحی فاضل معقولات

اہل علم اور صاحب نظر پر یہ مخفی نہیں ہوگا کہ ماہنامہ نمائندہ نے اپنی قلیل مدت میں جو دین و مذہب کی خدمات انجام دی ہے وہ قابل صد تحسین اور لائق ہزار مبارکباد ہے ہمارے سنی رسائل میں نمائندہ ہی کی یہ اعلیٰ خصوصیت اور امتیازی شان ہے کہ یہ ہر موضوع اور ہر عنوان پر اہل علم اور صاحب قلم کے رشحات فکر پیش کرتا رہا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس ماہ کا پرچہ دیکھنے کے لائق ہے جو اپنے اندر گونا گوں خوبیوں کو لیکر طلوع ہوا ہے اس وقت ہمارے مکتبہ فکر سے اچھے خاصے تعداد میں رسائل نکل رہے ہیں لیکن حقیقتاً فن صحافت میں جو نام پیدا کیا ہے فقط دو ہی پرچے ہیں "نمائندہ اور المیزان" لقیہ......

اگر صحیح معنوں میں غور کیا جائے تو یہ عقدہ کھل کر ہمارے سامنے آتا ہے کہ مجموعی اعتبار سے ماہنامہ نمائندہ المیزان پر بھی فوقیت حاصل کر چکا ہے کیونکہ ماہنامہ المیزان کو ہر دم حامی و مددگار ملتے رہتے ہیں اور اسکو مالی تعاون بھی حاصل ہوتا رہتا ہے بخلاف ماہنامہ نمائندہ کے اسکو یہ سہولتیں نہیں میسر آئی ہیں۔ یہ فقط فاضل گرامی مولانا سید نعیم صاحب مصباحی گوہر کا جذبۂ خلوص ہے جو نمائندہ کی شکل میں ملت سے خراج تحسین حاصل کر رہا ہے اور انشاءاللہ کرتا رہے گا۔ کاش فاضل موصوف اپنے اداریہ کو جاندار اور پر مغز بنانے کی کوشش فرماتے تو ماہنامہ میں چار چاند لگ جاتا کیونکہ اداریہ ہی پرچوں کی جان اور روح ہوا کرتا ہے۔

ایڈیٹر نمائندہ میں ایک اور ایسی خوبی پاتا ہوں جو کسی میں نہیں پاتا وہ یہ کہ جو کہتے ہیں کرتے ہیں۔ جو نہیں کرتے ہیں نہیں کہتے ہیں۔ بخلاف اور ایڈیٹروں کے وعدہ پر وعدہ دیتے ہیں اور قسم پر قسم کھاتے ہیں لیکن وفا کا نام ہے اور نہ خدا کا خوف ہے .... ہزاروں امیدوار کو روزآنہ پوسٹ آفس کا طواف کرنا پڑتا ہے اور پوسٹ مین کی زیارت کرنی ہوتی ہے خود ہمارے دارالعلوم کا دارالمطالعہ اس بلا میں گرفتار ہے۔ اللہ نمائندہ کو پروان چڑھائے۔

میں آج کی فرصت میں مولانا سید ہاشمی صاحب کے انٹرویو کے سلسلے میں کچھ تحریر کرنا چاہتا ہوں اس سے قبل کہ اپنے مافی الضمیر کو نوک قلم پر لاؤں اپنا موقف بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ لوگ میرے بیان سے کسی قسم کی پیچیدگی اور الجھن میں نہ پڑ جائیں۔

میرا موقف یہ ہے کہ میں کام کا آدمی ہوں کام چاہتا ہوں آیا مولانا ہاشمی کریں یا علامہ نظامی جو کام کریں گے ہم انکا ساتھ دیں گے۔ نہ میرے یہاں رضوی اور اشرفی کا فرق ہے اور نہ سید اور غیر سید کا امتیاز ہے۔ نہ کسی قسم کا وطنی اور جماعتی تعصب ہے۔ ملت اور قوم کا بھلا

ہونا چاہئے جس کی علمی تصویر سیدی وسندی و مرشدی حضور حافظ ملت کی شخصیت ہے۔ اور یہی انکی تعلیم بھی ہے۔ "آمدم برسرمطلب"

جس ضرورت کو آج مولینا ہاشمی صاحب نے محسوس کیا ہے اسی ضرورت کو چند سال قبل ہمارے مکتبہ کے ارباب حل وعقد نے بھی محسوس کیا تھا۔ لیکن وہ لوگ کامیاب نہ ہوسکے آخر وہ کونسی وجہ تھی جسکی وجہ سے وہ لوگ اپنے مقصد کی کامیابیوں سے ہمکنار نہ ہوسکے۔ سب سے پہلے اس نقطہ پر غور کرنا ہے اس کے بعد آگے قدم بڑھانا ہے۔ انشاء اللہ کامیابی قدم چومے گی

مولانا ہاشمی نے جو سنی لیگ کے اغراض و مقاصد بیان فرمایا ہے وہ بجا اور حق ہے اسکی تائید مسلک کے جملہ دردمند حضرات کو کرنی چاہئے اور عملی طور پر اس تحریک میں حصہ لینا چاہئے۔ اور خانگی جنگ کو بالائے طاق رکھ کر اس کو مضبوط بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

مولانا ہاشمی صاحب قابل صد ستائش و مبارکباد ہیں کہ انھوں نے ایسا سوچنے کی جرأت تو کی۔ اب ہمارے علماء دین اور فضلائے ملک کا یہ کام ہونا چاہئے کہ موصوف کی پشت پناہی کریں اور اپنے نیک مشوروں سے انکی رہنمائی فرماتے رہیں

کیا کانفرنس اور پریس کے نام پر چندہ کرنے والے کو معلوم نہیں کہ ۲۵ برس پہلے حکومت اور علم و فن کے جملہ شعبوں میں ہماری کس قدر ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ اور انکے نظروں میں ہمارا کیا وقار تھا۔ جب ۱۹۳۲ء میں مسلم یونیورسٹی کو اسلامی نصاب مدون کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہمارے علماء کو یاد کیا گیا جن میں حضرت صدر الشریعہ اور حضرت سید المتکلمین مولینا سلیمان اشرف صاحبان رحمۃ اللہ علیہما کا نام سرفہرست ہے لیکن آج ہماری ضرورت کیا سمجھی جائے گی ہم قابل خطاب اور لائق اعتناء بھی نہیں سمجھتے۔ شذرات معارف ۱۹۴۶ء فروری ضرورت ہے کہ اس غلط فہمی کو دور کی جائے اور ایک صاف اور شفاف ماحول بنایا جائے۔ اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے۔ جب ہم اپنے اندر جذبہ و خلوص پیدا کریں اور ایک دوسرے کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور اپنے کو کچھ نہ سمجھیں۔

اگر مولینا ہاشمی اس بنیاد پر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ ہم وقت کے عظیم مقرر ہیں ہمارے مجمع میں لاکھوں افراد ہوتے ہیں تو یہ انکی خام خیالی ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی جو لوگ اس مقصد کو لیکر سامنے آئے ہیں وہ بھی چوٹی کے مقرر تھے۔ مقرر ہو جانا تا جملہ شمہائے کمال میں کامیاب ہو جانے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اگر یہ مان لیا جائے تو ملت کے وہ نامور افراد جو فن خطابت سے عاری لیکن اسرار قرآن اور رموز حدیث کے ماہر ہیں انکے بارے میں کیا یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہیں۔ انکے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے۔ اگر مولانا ہاشمی تقریر کی بنیاد پر نہیں بلکہ اتحاد اور اتفاق اور جذبہ خلوص کو اپنا کر کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو اب ہمیں یہ تسلیم ہے کہ انشاء اللہ مولینا کامیاب ہو جائینگے۔ صحیح معنوں میں اگر یہ جذبہ ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ الجامعۃ الاشرفیہ کے سلسلے میں مولینا ہاشمی حضرت حافظ ملت کی تقلید کریں گے اور الجامعۃ الاشرفیہ کی کامیابی کیلئے کسی قسم کی کوشش سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے مولینا ہاشمی الیکشن جیتنے کیلئے سنی

بقیہ نظریاتی اختلاف۔

لیگ کی آواز بلند کر رہے ہیں اور اپنے جوش و خروش کے ساتھ میدان میں آرہے ہیں۔ الکشن کے بعد یہ سارا جوش و خروش ختم ہو جائے گا۔ اسکا جواب مولانا سید ہاشمی صاحب ہی دے سکتے ہیں۔

یہ ہے دامن یہ ہے گریباں آؤ کوئی کام کریں
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے سنی جمیعۃ العلماء اور سنی لیگ کے اتحاد کا تو اس سلسلے میں میری حقیر رائے یہ ہے کہ اتحاد نہ ہو تو بہتر ہے۔ سنی جمیعۃ العلماء کو خالص مذہبی جماعت قرار دے دی جائے۔ اور سنی لیگ کو فقط ایک سیاسی تنظیم کی حیثیت سے یاد کیا جائے لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا اشد ضروری ہے کہ ہر جماعت ایک دوسرے کے مقدرات اور اسکے اغراض و مقاصد سے پورے طور پر متفق اور ہم آہنگ ہو۔ اور ہر ایک ایک دوسرے کا حریف اور خصم بننے کی کوشش نہ کرے۔ غالباً یہی خیال مولانا ہاشمی کا بھی ہے۔ جیسا کہ ان کے انٹرویو سے مترشح ہوتا ہے۔

نمائندہ کے متعلق تفصیلات

فارم نمبر ع ۱
رول نمبر ع ۳

مقام اشاعت	۱۲۷ رچک، الہ آ
وقفہ اشاعت	ماہنامہ
پرنٹر	سید شمیم گوہر
شہریت	ہندوستانی
پتہ	۱۲۷ رچک، الہ آ
پبلیشر	سید شمیم گوہر
شہریت	ہندوستانی
پتہ	۱۲۷ رچک، الہ آ
مالک	سید شمیم گوہر

میں سید شمیم گوہر اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا اندراجات میرے علم و یقین میں صحیح درست ہیں۔

دستخط۔ تاریخ۔
سید شمیم گوہر ۲ رمئی ۱۹۷

he NUMAINDA Monthly MAY, 1976 Regd. No. AD-81
Allahabad-211003 Vol. II No. 15

A REQUEST TO OUR PATRONS

Numainda, the Urdu Monthly Magazine, published regularly is Social, Cultural and a widely circulated Journal from Allahabad (U.P.).

The Magazine needs your sincere Co-operation.

The Organisation requests you to advertise your Mills, Factorles, *Shops, Companies and other Business organisation in the pages of this Magazine.*

Our Magazine Numainda is available throughout India for your information.

Cover Printed at Angle Printers, Allahabad-3